علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳-۷-اے۔ بلاک نمبر ۱ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون: ۶۲۱۴۴۹

سلسلہ اشاعت۔۲۲

اشاعت ثانی

جمادی الاول ۱۴۱۵ھ ــــــــ ماہ اکتوبر ۱۹۹۴ء

نام کتاب : ــــــــ جمع القرآن
مصنّف : ــــــــ علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواری
کتابت : ــــــــ محبوب کریم صدیقی
صفحات : ــــــــ ۴۲۴
طباعت اوّل : ــــــــ ماہ دسمبر ۱۹۹۱ء
طباعت ثانی : ــــــــ ماہ اکتوبر ۱۹۹۴ء
قیمت کتاب : ــــــــ اسّی روپیہ صرف (۸۰/=)
مطبع : ــــــــ احمد برادرز پرنٹرز۔ ناظم آباد

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳۔۷۔ اے۔ بلاک نمبر ۱۔ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون : ۶۲۱۴۴۹ — ۶۲۷۸۴۰

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ
• زید بن ثابت کا اقرار	۱۸۸
• عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اجرت پر کام کرتے والے کاتبین مصاحف۔	۱۹۰
• زیدؓ بن ثابت کے وجوہ انتخاب پر بحث۔	۱۹۰
• حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے زیدؓ پر بھروسہ کرلیا مگر حضرت عثمانؓ نے زیدؓ پر بھروسہ نہ کیا۔	۱۹۱
• آخر سورۂ برائت کے واقعہ پر غور	۱۹۳
• تعجب اور سخت تعجب	۱۹۶
• نفسیات مطہرہ صحابہ کا سفاکانہ قتل عام	۱۹۷
• حضرت عثمانؓ نے لغت قریش کا خیال کیا مگر حضرت ابوبکرؓ نے کچھ خیال نہ کیا۔	۱۹۹
• حضرت ابوبکرؓ نے صحیفے لکھوائے وہ ان کی ذاتی ملکیت تھے یا بیت المال کی ملکیت۔	۲۰۰
• صحف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحف حفصہؓ	۲۰۱
• کتابِ وحی کی شہادت قرآنیہ	۲۰۵
• کاتبین وحی	۲۱۰
• قرآن کے نزول اولیٰ کا مقام اور کس چیز پر قرآن لکھا جاتا تھا	۲۱۴
• قرآن میں حکم کتابت	۲۲۲
• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں قرآن جمع نہ ہوسکنے کی غیر معقول وجہ، جو کہی جاتی ہے۔	۲۲۴
• خطابی کا عذر لنگ	۲۲۶
• عقل و دیانت والے اتنا کیوں نہیں سمجھتے۔	۲۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

جمع قرآن کے سلسلہ میں اچھوتے زاویہ سے ایک تحقیقی مواد آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے، جو علامہ تمنّا عمادی کے چند مقالات پر مشتمل ہے۔ اس میں صحاح کی احادیث جمع قرآن پر مدلل بحث، جمع قرآن اور روایت پرستی کا بحران اور اسطوانۃ المصحف جیسے چند قابل ذکر موضوعات ہیں۔ ان مضامین کے مطالعہ کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ یہ روایت سرے سے ہی موضوع ہے کہ "نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا جب انتقال ہوا تو قرآن منتشر حالت میں تھا۔ جنگ یمامہ میں ستّر حفاظ کی شہادت کی وجہ سے یہ خدشہ پیدا ہوا کہ اگر حفّاظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو کہیں پورا قرآن ہی ضائع نہ ہوجائے۔ اس احتمال کے پیش نظر حضرت عمرؓ بصد اصرار حضرت ابوبکرؓ کو جو اس وقت خلیفۃ المسلمین تھے قرآن کے منتشر اجزا ارکو یکجا کرانے پر رضامند کرا سکے۔ انھوں نے جمع قرآن کا کام زیدؓ بن ثابت کے سپرد کردیا اور زیدؓ بن ثابت نے اپنی انفرادی کوشش سے قرآن کو ایک اجتماعی ہیئت دیدی جیسی کہ وہ آج ہے"۔ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں صرف ایک حافظ شہید ہوئے تھے، دوسری یہ کہ ابتدائی ستّر برسوں میں ایسی کوئی روایت موجود ہی نہیں ہے جس میں اس تاثر کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت قرآن مجتمع شکل میں موجود نہیں تھا۔

دراصل یہ خبر احاد ہے اور جناب ابن شہاب زہری کا کارنامہ ہے۔ انھوں نے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں جمع قرآن کی روایت، حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں نقل مصاحف کی روایت، آیت احزاب اور آخیر سورۂ توبہ کی آیت کی گمشدگی کی روایتیں اور خزیمہ بن ثابت کے ذوالشہادتین ہونے کی حدیث جیسی موضوع روایتوں کو پھیلایا اوران کے شاگردوں نے ان روایتوں کو آگے بڑھایا۔ یہ روایتیں صحاح کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور صحاح سے باہر نکل کر دیکھا جائے تو اللہ جانے آپ کو اور کیا کیا کچھ نہ مل جائے گا۔ اگر ابن شہاب زہری کی ان موضوع روایتوں کو نکال دیا جائے تو آپ کو پورے ذخیرہ حدیث میں ایسا کوئی اشارہ تک بھی نہیں ملے گا جو یہ ظاہر کرے کہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کتابی شکل میں موجود نہ تھا! حقیقت یہ ہے کہ پورا قرآن مجتمع صورت میں موجود تھا جبھی تو صحابہ کرامؓ اس سے نقل کیا کرتے تھے، یاد کیا کرتے تھے اور حفظ کیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہ "قرآن کو دیکھ کر پڑھنے سے دوگنا ثواب ملتا ہے" کس مسلمان کو نہیں معلوم! قرآن کی سات منزلیں بھی تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی نے بتائی تھیں تاکہ مسلمان آسانی کے ساتھ ایک مقررہ وقت میں پورا قرآن ختم کرلیا کریں۔ قرآن کا نزول نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کافی پہلے ختم ہوگیا تھا اور پورا قرآن کتابی شکل میں تھا متن قرآن میں قرآن کے لئے لفظ "کتاب" کم و بیش ستر مقامات پر آیا ہے کہیں الکتاب، کہیں کتاب المبین، کہیں کتاب الحق، کتاب المفصلہ، کتاب المبارکہ، کتاب الحکیم اور کتاب العزیز وغیرہ۔ اور سورۂ طور میں تو بڑے واضح الفاظ میں "کتاب المستور فی رق منشور"، فرمایا گیا ہے یعنی "لکھی ہوئی کتاب ہرن کی جھلّی کے پارچہ جات پر" کتاب کے معنی ہی ہیں مختلف اجزاء کی شیرازہ بندی کرنا اور انھیں

یکجا کرنا۔ ان تمام باتوں سے یہی واضح ہوتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو قرآن ٹھیک اسی شکل میں موجود تھا جیسا کہ وہ آج ہمارے سامنے ہے اور جمع قرآن اور نقل مصاحف کی تمام روایتیں وضعی ہیں اور یہ قرآن کو نامعتبر بنانے اور ریب و شک پیدا کرنے کے لئے گھڑی گئی ہیں جو عجمی سازش کا ایک حصہ ہے۔ اس کتاب میں ان تمام شکوک و شبہات کا بڑی تفصیل کے ساتھ جواب دیا گیا ہے۔

علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی (اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی علمی کاوشوں کا اجر جمیل عطا فرمائے آمین) کی بڑی خواہش تھی کہ یہ کتاب جلد منظر عام پر آجائے لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور ہم اس قابل نہ ہوسکے کہ ان کی زندگی ہی میں اس کتاب کو مرتب کرکے شائع کرسکتے۔

اس کتاب کی اشاعت میں محترم جناب مفتی محمد طاہر مکی صاحب کا تعاون ہمارے لئے بڑا حوصلہ افزا رہا۔ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کے لئے نہ صرف یہ کہ خطیر مواد فراہم کیا بلکہ اپنی تقدیم و تعارف میں بڑے مفید اقتباسات کا اضافہ کرکے کتاب کی افادیت میں چار چاند لگا دیئے۔ اس موقع پر ہم مفتی صاحب ممدوح اور ادارہ قرآنک سینٹر کراچی کے تعاون کا اعتراف کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، اگر ہمیں ان کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو ہم اس کتاب کو اتنے سلیقہ اور اتنی گوناگوں عبارات سے مزین نہیں کرسکتے تھے۔ ہم راولپنڈی کے اپنے کرم فرما جناب محمد امتیاز اور ان کے رفقاء کے بھی بہت ممنون احسان ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں اپنا دست تعاون دراز فرمایا۔

جیسا کہ پہلے عندیہ دیا گیا تھا علامہ تمنا عمادی کی تصانیف "انتظار مہدی و مسیح" "اعجاز القرآن" اور "امام زہری و امام طبری" زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آگئی ہیں۔ یہ اللہ کا بڑا کرم ہے۔ بس ایک انسان کو اللہ ہی کی مدد کا خواستگار رہنا چاہیئے۔ آمین

نظام الدین خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم و تعارف ــــــ از مفتی محمد طاہر مکّی

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں قرآن مجید مختلف صحیفوں بلکہ ہڈیوں اور پتّوں پر منتشر حالت میں تھا، یکجا کتابی صورت میں جمع نہیں ہوا تھا، صدیق اکبرؓ نے پہلی مرتبہ اسے کتابی شکل میں جمع کیا، اور دوبارہ یہ فریضہ حضرت عثمان غنیؓ نے انجام دیا، اسی لئے عموماً انھیں جامع القرآن کہا جاتا ہے ــــــ حالانکہ یہ بات حقائق کے سراسر خلاف ہے اس غلط فہمی کے پیدا کرنے میں امام زہری کی بعض ان روایات کو بھی دخل ہے جنھیں امام بخاری نے اپنی کتاب کے باب جمع القرآن میں درج کرلیا ہے۔

برصغیر کے مسلمانوں کو تاریخ اسلام کے دوسرے ہزار سال کی ابتدا سے جہاں اور بہت سی چیزوں میں عالمِ اسلام پر تقدم اور برتری حاصل ہے مثلاً ربطِ آیات کے اعتبار سے عربی میں ایک گجراتی عالم کی تفسیر تبصیرُ الرحمٰن کو، ادبی اعتبار سے پورے قرآن مجید کی بغیر نقطوں کی تفسیر سواطعُ الالہام از فیضی کو، تصوف کے فلسفۂ وحدت الوجود پر تنقید از حضرت مجدد سرہندی کو، عربی زبان کی سب سے مفصل ڈکشنری تاج العروس از فیروز آبادی کو، فلسفۂ اسلام میں حجۃ اللہ البالغہ از حضرت شاہ ولی اللہ کو، سیرتِ رسولؐ پر مستشرقین کی طرف سے کی گئی تنقید کے جواب میں سرسید کی خطبات احمدیہ کو، تاریخ اسلام پر کئے گئے اعتراضات کے جواب میں علامہ شبلی کی الانتقاد علی التمدن الاسلامی کو،

شیعوں کے تقیہ و کتمان کا نقاب ہٹا کر ان کی بنیادی کتابوں کے حوالہ سے ان کے افکار منظرِ عام پر لانے والی مولانا عبدالشکور لکھنوی کی تحقیقات کو تمام عالمِ اسلام میں یکتا اور منفرد مقام حاصل ہے ـــــ اسی طرح قرآن مجید کی تاریخ اور تفہیم میں آج بھی برصغیر کے علماء کرام کو سبقت حاصل ہے فہم قرآن میں فراہی مکتب فکر اور اس سے متاثر حضرات کی کاوشیں اظہر من الشمس ہیں، اور جہاں تک تاریخ قرآن کا تعلق ہے اس میں بھی تحقیق و ریسرچ کی ابتدا حضرت شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی کے مرید اور حضرت مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے خلیفہ حضرت مفتی عبداللطیف رحمانی نے اپنی کتاب "تاریخ القرآن" کے ذریعہ فرمائی جس میں مسیحی پادریوں اور مستشرقین کے اعتراضات کا نہایت مدلل جواب دیا گیا ہے۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

" محترم مصنف کو اسلامی علوم پر ایسا عبور ہے کہ عالمِ اسلام کے علماءِ جدید بھی شاید نہ سمجھتے ہوں۔ اس رسالہ میں انھوں نے قرآنِ عزیز کی تاریخی بحث علمی عدالتِ عالیہ میں اس انداز سے اٹھائی ہے جس طرح ایک باصلاحیت وکیل مخالف فریق کے ناپاک ارادوں پر وار کرے اور اس کے پرفریب تخیل کے ہر پیچیدہ موڑ پر سخت گرفت کرے اور اپنے مقدمہ کی تکمیل میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔

اشتباہ رکھتی روایات کے پس پردہ جو پس منظر ہے مصنف کی اس پر گہری نظر ہے۔ اس مبحث کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کا دماغ علم و دانش کا مخزن ہے۔ کتاب کے اندازِ نگارش سے یہ نکتہ بھی صاف صاف نمایاں ہے کہ وہ مہینوں لگاتار اس عنوان پر عمیق مطالعہ کے ساتھ ساتھ غور و فکر کرتے رہے ہیں۔ اس تمام عرصہ میں ان کی زندگی کی کوئی صبح یا شام ایسی نہیں گزری ہوگی

جس پر انھوں نے اس مسئلہ کی مثبت اور منفی پہلو پر فہم و تدبر کے ساتھ نہ سوچا ہو ان کے قلم سے کاغذ پر سیاہی نہیں گرتی جو پھیلے اور بڑی جگہ گھیر لے اور ذوق سلیم پر گرانی کا باعث بنے۔ یہاں ان کے قلم کی نوک احتیاط کا دامن تھام کر احتیاط سے صحیح صحیح واقعہ نگاری کرتی ہے۔ کیونکہ مصنّف نے عنوانات اہم مقرر کئے ہیں جن سے یہ امر بخوبی روشن ہو گیا ہے کہ وہ روشن دماغ ہی نہیں روشن ضمیر بھی ہیں، لہٰذا ضرب وہیں لگاتے ہیں جہاں نشیب ہے۔

بہرحال اس رسالہ میں جو حوالجات ہیں وہ سب مستند کتابوں کے ہیں۔ ہر موضوع کے تحت کارآمد گر اختصار کے ساتھ تقریباً سب ہی سمیٹ لئے ہیں اور کوئی بات غیر ضروری نہیں۔ ایک ایک سطر شہادت دے رہی ہے کہ جو کچھ پیش کیا گیا ہے ایماندارانہ طور پر پیش کیا گیا ہے[۱]۔"

امام اہل سنّت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی نے اپنی کتاب شیعہ اور قرآن المعروف تنبیہ الحائرین میں مفتی صاحب کی تاریخ القرآن کی زبردست تعریف کی ہے، اور ایک حق پسند عالم ہونے کی وجہ سے اس کتاب کے دلائل سے متاثر ہو کر اپنا سابقہ نقطۂ نظر بدل دیا ہے۔ اور عالمانہ تکبّر یا جہل مرکب کا شکار بننے کے بجائے اس کا کھلم کھلا اعتراف کیا ہے۔ مولانا لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"عام طور پر یہ خیال لوگوں میں شہرت پا چکا ہے اور بعض روایات کے ظاہری الفاظ سے بھی ایسا وہم ہوتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن شریف مجموع و مرتّب نہ تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں یہ کام ہوا مگر پھر بھی اس کی اشاعت نہیں ہوئی اور حضرت عمرؓ کو بھی اپنے زمانۂ خلافت میں اس کی اشاعت کا موقع نہ ملا، حضرت عثمانؓ نے ۲۵ھ میں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پندرہ برس بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے جمع کئے ہوئے قرآن کی نقلیں کرا کر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع کیں۔ پہلے اس حقیر راقم سطور کا خیال بھی تقلیدی طور پر ایسا ہی تھا، چنانچہ

---

[۱] آزاد بھون میں واقع لائبریری میں کتاب کا نمبر یہ ہے۔ ایکسیشن نمبر ایل ۶۵۰، کال نمبر ۲۹۷-۱۲۰۹ اے بی ڈی ملاحظہ کریں صفحہ ۱۱۱ سے ۱۱۲ تک۔

النجم کے مناظرۂ حصہ اول میں، میں نے ایسا ہی لکھا ہے، مگر اس کے بعد نورِ توفیق نے مدد کی، اور تحقیق کا دروازہ کھلا، بے شمار دلائل عقلیہ فطریہ اور براہین نقلیہ نے میرے خیال سابق کو محو کر دیا اور روزِ روشن کی طرح یہ بات ظاہر ہو گئی کہ خود رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے اہتمام سے قرآن شریف کی جمع و ترتیب کا کام نہایت کامل طریقہ سے ہو چکا تھا اور اس کی اشاعت بھی خود آپ ہی کے سامنے ہو چکی تھی جس وقت آپ نے رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت کی تو بے شمار سینوں اور سفینوں میں پورا قرآن شریف محفوظ کر گئے تھے۔ تواتر قرآن کا سلسلہ جو آپ کے سامنے شروع ہوا، وہی سلسلہ اسی شان کے ساتھ اب تک چلا آ رہا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا، پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ محققین سابقین سے بھی اس کی تصریح منقول ہے اور کوئی صحیح روایت بھی اس تحقیق کی مزاحمت نہیں کرتی۔

اس تحقیق کے بیان کرنے کے لئے ایک مستقل تصنیف کی حاجت ہے جسکو ایک حد تک میرے ایک فاضل دوست نے اپنی کتاب تاریخ القرآن میں پورا کیا ہے۔ (مؤلفہ مولانا مفتی عبداللطیف رحمانی) اور یہ کتاب کئی سال ہوئے چھپ گئی ہے مَنْ شَاءَ فَلْيُطَالِعْهُ اگر عنایت ایزدی نے مدد کی تو یہ ناچیز بھی عنقریب اس موضوع پر کتاب لکھے گا، واللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْق۔ (شیعہ اور قرآن المعروف تنبیہ الحائرین مؤلفہ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی شائع کردہ المکتبۃ الاشرفیۃ جامعہ اشرفیہ لاہور)

محدث العصر، جامع العلوم، فنا فی القرآن حضرت علامہ تمنا عمادی پھلواروی نے اپنی زیر نظر کتاب "جمع القرآن" میں حضرت مفتی صاحب کے کام کو مزید آگے بڑھایا ہے اور امام اہلسنت مولانا عبدالشکور لکھنوی کی آرزو کی تکمیل کرتے ہوئے یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح کر دی ہے کہ قرآن کریم موجودہ شکل میں خود عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں تحریری طور پر مرتب و مشہور ہو چکا تھا اس لئے بخاری و

مسلم وغیرہ میں درج امام زہری کی وہ روایات جن میں قرآن کریم کی اولین جمع و ترتیب خلافت صدیقی میں پھر اس پر نظر ثانی خلافتِ عثمانی میں بتائی گئی ہے بالکل غلط اور ناقابل اعتماد ہے۔ علامہ تمنّا نے اس بحث کو جس عالمانہ اور محققانہ انداز میں حل کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد زہری کی روایت کے ناقابل اعتماد ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔

حضرت مفتی عبداللطیف رحمانی کی کتاب تاریخ القرآن اگر نقش اول تھا تو علامہ تمنّا کی یہ محنت نقش ثانی ہے۔ پہلا نقش اگر مجمل تھا تو یہ دوسرا نقش مفصل ہے۔ علامہ تمنّا کو حضرت مفتی صاحب کی اس محنت سے جو دلچسپی تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ مفتی صاحب کی وفات پر جو تاریخی قطعات کہے گئے ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ قطعہ علامہ تمنّا کا قرار دیا گیا۔ تاریخ القرآن کا پہلا اڈیشن تو حضرت مولانا محمد علی مونگیری بانئ ندوہ نے شائع کیا تھا۔ پھر یہ کتاب نایاب ہوگئی تھی۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن دہلی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی کے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا زید ابوالحسن شاہ نقشبندی ازہری نے مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری سے مولانا آزاد کے ذاتی مطالعہ کا نسخہ حاصل کر کے اور شروع میں مفتی صاحب کے حالات کا اضافہ کر کے شائع کر دیا ہے۔ پاکستان میں اس کا عکسی اڈیشن پروگریسو بکس ۴۰۔ بی اردو بازار لاہور نے بھی شائع کر دیا ہے۔

حضرت زید شاہ صاحب نے اپنے دیباچہ کی ابتدا علامہ تمنّا کے شعر سے کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"حضرت مفتی صاحب کی ولادت ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں ہوئی۔ وفات ۹ جمادی الآخرہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۵۹ء علی گڑھ میں ہوئی۔ تمنّا نے کہا ہے

پرسید چوں تمنّا با تف برائے سالش ؏ گفتا۔ مقیم جنت عبدالطیف مفتی

۵۳۰+۲۰۶+۴۵۳+۱۹۰

۱۳۷۹ھ

تمنّا نے عبداللطیف میں لام کو مشدد رکھ کر ایک لام محسوب کیا ہے۔"

حضرت مفتی صاحب کی دو کتابیں اردو میں ہیں ایک امام اعظم ابو حنیفہ کے حالات میں تذکرۂ اعظم کے نام سے ۔ دوسری تاریخ القرآن ۔ اور دو کتابیں ع۔ بی میں ہیں ایک ترمذی کی شرح الشرح اللطیف کے نام سے، دوسری تراجم بخاری کی شرح لطف الباری کے نام سے ۔

علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد اور داماد مولانا سید احمد رضا بجنوری اپنی کتاب "انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری" قسط سوم ص۲۰۲ پر لکھتے ہیں۔

" مخدوم و محترم حضرت مولانا مفتی محمد فضل اللہ صاحب (محشی الادب المفرد البخاری) نے نہایت عظیم الشان اعانت یہ فرمائی کہ حضرت المحدث العلام مولانا مفتی عبد اللطیف رحمانی صاحب مصنف تذکرۂ اعظم وغیرہ کی شرح ترمذی شریف قلمی استفادہ کے لئے عنایت فرمائی۔ حضرت مفتی صاحبؒ ترمذی شریف پر نہایت جامع و مختصر تعلیقات، محدثانہ و محققانہ طرز سے تحریر فرمادی ہیں جو درس ترمذی شریف کے لئے نہایت مفید ہیں۔ دارالعلوم دیوبند جیسے علمی اداروں کا فرض ہے کہ ایسی گراں قدر تصانیف کی اشاعت کریں"۔

مفتی صاحب اور زہری

آخر میں میں چاہتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب کی اس کتاب کا وہ حصہ یہاں درج کر دوں جس میں انھوں نے خلافت صدیقی و عثمانی میں جمع قرآن کے متعلق زہری کی اس روایت پر تنقید کی ہے جسے بخاری و مسلم نے اپنے ہاں درج کیا ہے ۔ اس مجمل بحث کو پڑھ کر بات سمجھنے میں سہولت بھی ہوگی، علامہ تمنا کی تفصیلی محنت کا اندازہ بھی ہوگا۔ اور علامہ تمنا کو منکر حدیث کہنے کی قلعی بھی کھل جائیگی کیونکہ اگر اس روایت پر تنقید کرنیکی وجہ سے وہ منکر حدیث کہلانے کے مستحق ہیں تو پھر تاریخ القرآن کے مؤلف حضرت مفتی عبد اللطیف رحمانی اُس کتاب کی اولین اشاعت کرنے والے مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء اس کی تعریف کرنے والے امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی اور مولانا ابو الکلام آزاد اور دوبارہ اشاعت کرنے والے حضرت ابو الحسن زید شاہ وغیرہ سب ہی منکر حدیث کہلائیں گے ۔ اور اگر عظمت قرآن کو داغدار کرنے والی جعلی روایتوں کا انکار

کرنے والوں کو ہی منکر حدیث موضوع کہا جاتا ہے تو پھر یہ قابل شرم نہیں بلکہ قابل فخر بات ہے اور ہر عقلمند مسلمان کو منکر حدیث موضوع ہونا چاہئے۔

اس تمہید کے بعد اب حضرت مفتی صاحب کی زہری کی اس روایت پر بحث ملاحظہ ہو۔

اب میں اس حدیث زہری پر دو طرح سے غور کرتا ہوں۔ اول اس حدیث کی سند میں دوسرے اس کے مضمون اور معانی پر۔

زہری کی حدیث کی سند

اس میں شک نہیں کہ محدثین نے باالاتفاق اس حدیث کو صحیح مانا ہے اور اسی وجہ سے بخاری ترمذی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث ہے۔ اس روایت کا راوی تنہا زہری ہے۔ زہری کے سوا کسی نے اسے روایت نہیں کیا البتہ زہری سے چند نے اسے روایت کیا ہے اس لئے یہ روایت محدثین کے یہاں خبر آحاد سے ہے یعنی وہ روایت جس کا راوی کسی مرتبہ میں محض ایک ہی ہو۔ زہری اگرچہ محدثین کے یہاں نہایت معتبر قابل وثوق اور راستباز اور امین ہے اور تمام کتب صحاح میں اس کی روایت ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ مُدرِج تھا[۱] یعنی اپنے کلام کو حدیث میں

زہری کے متعلق امام لیث کا فیصلہ

[۱] امام ابوالحارث لیث بن سعد کی وفات ۱۷۵ھ میں ہوئی ہے یہ مصر کے امام اور امام دارالہجرہ مالک بن انس کے ہم سبق اور رفیق و صدیق تھے۔ انھوں نے امام مالک کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے۔ مکتوب کیا ہے ایک بیش قیمت علمی دستاویز ہے علماء اعلام نے اپنی تالیفات میں اس کو محفوظ کیا ہے۔ علامہ ابن قیم نے کتاب اِعْلَامُ المُوَقِّعِیْنَ عَنْ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ میں (حصہ سوم کے صفحہ ۷۲ سے ۷۷) اور علامہ محمد بک الخضری نے تاریخ التشریع الاسلامی میں (صفحہ ۱۸۹ سے ۱۹۲ تک) نقل کیا ہے۔ اس مکتوب میں امام لیث نے اپنے استاد امام زہری کے متعلق جو انکشاف کیا ہے انہی کے الفاظ سے نقل کرتا ہوں لکھا ہے۔

وَکَانَ یَکُوْنُ مِنْ اِبْنِ شِہَابٍ اِخْتِلَافٌ کَثِیْرٌ اِذَا لَقِیْنَاہُ وَاِذَا کَاتَبَہٗ بَعْضُنَا فَرُبَّمَا کَتَبَ اِلَیْہِ فِی الشَّیْءِ الْوَاحِدِ عَلٰی فَضْلِ رَأْیِہٖ وَعِلْمِہٖ بِثَلَاثَۃِ اَنْوَاعٍ یَنْقُضُ بَعْضُہَا بَعْضًا وَلَا یَشْعُرُ بِالَّذِیْ مَضٰی مِنْ رَأْیِہٖ فِیْ ذٰلِکَ، فَہٰذَا الَّذِیْ یَدْعُوْنِیْ اِلٰی تَرْکِ مَا اَنْکَرْتُ تَرْکِیْ اِیَّاہُ الخ

ابن شہاب زہری کا مسائل میں بہت اختلاف ہوا کرتا تھا۔ جب ہم ان سے زبانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶)

اس طرح ملا کر بیان کر دیتا تھا کہ سننے والے کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ بھی حدیث ہے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اصول حدیث کی کتابوں میں زہری کے متعلق اس کو لکھتے ہیں المعتصر من المختصر صلا میں ہے وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ فَاِنَّهٗ كَانَ يَخْلِطُ كَلَامَهٗ بِالْحَدِيْثِ وَلِذٰلِكَ قَالَ لَهٗ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ اِفْصِلْ كَلَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَلَامِكَ اور شاید یہ زہری کا اپنا کلام ہو نہ حدیث کیونکہ زہری کی یہ عادت تھی کہ وہ حدیث میں اپنا کلام بھی ملا دیتے تھے۔ اسی واسطے موسیٰ نے زہری سے کہا کہ حدیث سے اپنے کلام کو علیحدہ رکھو ملایا نہ کرو تو ایسی حالت میں یہ فیصلہ مشکل ہے کہ اصل واقعہ کس قدر ہے اور امام زہری نے اپنی طرف سے بھی کوئی تشریح کی ہے یا نہیں اس کے سوا بھی چونکہ یہ ایک شخص تنہا زہری کا بیان ہے اور ایک ایسے امر کے خلاف ہے جو تواتر سے ثابت ہے۔ اور تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے تو اس لئے یہ ان کثیر شہادتوں کے مقابلہ میں نہیں مانا جا سکتا۔ جیسا مسلمانوں کا عام اصول ہے کہ خبر احاد امر یقینی کے مقابلہ میں ہرگز لائق وثوق نہیں ہے اور ممکن ہے کہ یہاں کسی راوی سے بیان میں غلطی ہوئی ہو۔ بہرحال تنہا زہری کی روایت سے ہم ان روایات کو نہیں چھوڑ سکتے جن سے ثابت ہے کہ بہت سے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔

زہری کے بیان میں اختلاف

زہری کی اس روایت میں اضطراب یعنی اختلاف ہے میں یہاں زہری کی اُنہیں روایتوں کا اختلاف رکھتا ہوں جو بخاری میں زہری سے ہے۔ اس حدیث کی زہری سے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) پوچھتے یا ہم میں سے کوئی لکھ کر ان سے دریافت کرتا تو۔ باوجود فضیلت ان کے اور علم کے ایک ہی شئے کے متعلق ان کا جواب تین قسم کا ہوا کرتا تھا اور ایک دوسرے کا رد۔ ان کو اس کا احساس نہیں ہوا کرتا تھا کہ پہلے کیا لکھ چکے ہیں اور ان کی کیا رائے تھی پس ایسے ہی منکر اقوال کی وجہ سے ان کو چھوڑا تھا جس کو تم نے پسند نہ کیا تھا۔

مکتوب از اول تا آخر شایان مطالعہ ہے۔ ابوالحسن تزید عفی اللہ عنہ

جس قدر روائیتیں ہیں چونکہ ان میں صحیح اور معتبر بخاری کی سندیں ہیں اس لیئے ان سندوں کے اختلاف سے ناظرین خود فیصلہ کرسکیں گے کہ یہ حدیث کہاں تک وثوق کے قابل ہے۔ بخاری کی کتاب الاحکام میں ابن شہاب زہری سے ابراہیم بن سعد نے روایت کی ہے۔

بخاری ہیں سورۃ براۃ کی تفسیر میں اسی روایت کے زہری سے شعیب راوی ہے لیکن زہری کے ان دونوں شاگردوں کی روایت میں یہ اختلاف ہے۔

شعیب کی زہری سے روایت	ابراہیم کی زہری سے روایت
(۱) قَدْ اِسْتَحَرَّ یَوْمَ الْیَمَامَۃِ بِالنَّاسِ معرکہ یمامہ میں بہت لوگ کام آئے۔	قَدْ اِسْتَحَرَّ یَوْمَ الْیَمَامَۃِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ معرکہ یمامہ میں بہت قاری قرآن شہید ہوئے۔
(۲) مِنَ الرِّقَاعِ وَالْاَکْتَافِ وَالْعُسُبِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ	مِنَ الْعُسُبِ وَالرِّقَاعِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ۔

ابراہیم کی روایت میں بجائے اکتاف کے لخاف ہے۔

(۳) حَتّٰی وَجَدْتُ مِنْ سُوْرَۃِ التَّوْبَۃِ اٰیَتَیْنِ	فَوَجَدْتُ اٰخِرَ سُوْرَۃِ التَّوْبَۃِ۔
(۴) مَعَ خُزَیْمَۃَ الْاَنْصَارِیِّ	مَعَ خُزَیْمَۃَ اَوْ اَبِیْ خُزَیْمَۃَ
(۵) لَمْ اَجِدْھُمَا مَعَ اَحَدٍ غَیْرِہٖ	اس کی روایت میں یہ لفظ نہیں
(۶) فَاَلْحَقْتُھَا فِیْ سُوْرَتِھَا	اس کی روایت میں یہ نہیں۔

زہری کی روایت کا واقعات اور دوسری صحیح روایتوں کے خلاف ہونا

(۱) تاریخ اور صحیح روایات بلکہ خود بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ زید نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔ معارف ابن قتیبہ میں ہے۔ زید نے تمام قرآن لکھا تھا اور اس قرآن کو اخیر میں آنحضرتؐ کو تمام وکمال سُنایا تھا۔ اس قرآن کی ترتیب وہی تھی جو آج بھی قرآن کی ہے۔ ترمذی میں زید سے ہے کہ ہم نے آنحضرتؐ کے روبرو ہی قرآن کو جمع کیا تھا اور نیز تمام محدثین کا اس پر

بھی اتفاق ہے کہ زید قرآن کے حافظ تھے اور پورا قرآن آپ کو یاد تھا۔ خلیفۂ اول نے جب زید کو جمع قرآن کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ اسے تلاش کر کے لکھو تو اس وقت زید کا جواب یہ ہونا چاہیے تھا کہ قرآن جمع شدہ ہمارے پاس موجود ہے اور مجھے یاد ہے اُس کی تلاش کی ضرورت نہیں۔ باوجود زید کے حافظ اور جامع قرآن ہونے کے جو متعدد روایات سے ثابت ہے اور تمام مورخین اس پر متفق ہیں۔ تمام کتب رجال اس کی شاہد ہیں جس کے خلاف میں ضعیف سی بھی روایت اور قول نہیں۔ پھر زید کا قرآن کو تلاش سے لکھنا جیسا اس روایت سے ثابت ہوتا ہے ایک ایسا امر ہے جس کے باور کرنے کے لئے کوئی ضعیف سی ایسی وجہ بھی نہیں کہی جا سکتی جس کو کوئی فہمیدہ انسان صحیح مان سکے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے بھی استیعاب میں زہری کی روایت کی اس مخالفت کو بیان کیا ہے۔ میں یہاں اس مخالفت کو انھیں کے الفاظ میں لکھتا ہوں۔

وَاَمَّا حَدِیْثُ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ اَحَدُ الَّذِیْنَ جَمَعُوا الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَحِیْحٌ وَ قَدْ عَارَضَهٗ قَوْمٌ بِحَدِیْثِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَیْدِ بْنِ السَّبَّاقِ عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍؓ اَمَرَهٗ فِیْ حِیْنِ مَقْتَلِ الْقُرَّاءِ بِالْیَمَامَةِ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ قَالَ فَجَمَعْتُ الْقُرْاٰنَ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْعُسُبِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰی وَجَدْتُ اٰخِرَ اٰیَةٍ مِنْ تَوْبَةٍ مَعَ رَجُلٍ یُقَالُ لَهٗ خُزَیْمَةُ قَالُوْا فَلَوْ كَانَ زَیْدٌ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاَمْلَاهُ مِنْ صَدْرِهٖ وَمَا احْتَاجَ اِلٰی مَا ذَكَرَهٗ (استیعاب جلد اول صفحہ ۱۹۴)

مجھے صرف یہاں اس قدر کہنا ہے کہ زید کا حافظ ہونا اور تمام قرآن کا آنحضرتؐ کی حیات میں لکھنا صحیح روایتوں سے معلوم ہے۔ چنانچہ ابن عبدالبر کو بھی اس کا اقرار ہے تو زید اگر خلیفۂ اول کے عہد میں جمع قرآن کی خدمت پر مامور ہوتے تو اپنی یاد اور اپنے قرآن سے لکھتے نہ کہ دوسری اشیاء سے۔ اور نہ زید وہ عذر کرتے جو اس حدیث میں

زید کی طرف نسبت کیا گیا۔ بس معلوم ہوا کہ یہ روایت یا تو بے اصل ہے، یا درمیان کے راویوں کے بیان کی غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ زید کے پاس چونکہ ایسا لکھا ہوا قرآن تھا جس کو آخر میں انھوں نے آں حضرتؐ کو سنایا تھا۔ اس لئے خلیفۂ اول نے اس کی کوئی نقل اپنے لئے کرائی ہو اور زید نے اُسے حضرت ابوبکرؓ کے لئے نقل کیا ہو جیسا کنز العمال کی ایک حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے لیکن رواۃ نے اپنی غلطی سے اس واقعہ کو کچھ کا کچھ کر دیا۔ اور راوی حدیث چونکہ انسان تھے اور انسان بھی وہ جو نبی نہ تھے۔ اس لئے اُن سے وہم و خطا کا ہونا بعید نہیں۔ جیسا علامہ ابن حزم کتاب الفصل میں لکھتے ہیں۔

وَأَمَّا قَوْلُهُمْ أَنَّهُ قَدْ رُوِيَ بِأَسَانِيْدٍ صِحَاحٍ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنَ التَّابِعِيْنَ الَّذِيْ نُعَظِّمُ وَنَاخُذُ دِيْنَنَا عَنْهُمْ أَنَّهُمْ قَرَأُوْا فِي الْقُرْاٰنِ قِرَاآتٍ لَا نَسْتَحِلُّ نَحْنُ الْقِرَاءَةَ بِهَا فَهٰذَا حَقٌّ وَنَحْنُ وَاِنْ بَلَغْنَا الْغَايَةَ فِيْ تَعْظِيْمِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ وَتَقَرَّبْنَا اِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ بِمَحَبَّتِهِمْ فَلَسْنَا نُبْعِدُ عَنْهُمُ الْوَهْمَ وَالْخَطَاءَ وَلَا نُقَلِّدُهُمْ فِيْ شَيْءٍ مِمَّا قَالُوْهُ۔ (ج ۲ ص۷۶)

ترجمہ:۔ اور لوگوں کا یہ خیال کہ نہایت صحیح سندوں سے صحابہ اور تابعین سے ایسی قرأۃ قرآن میں مروی ہیں جن کا پڑھنا درست نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خیال صحیح ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کی تمام مسلمان بے انتہا عزت و تعظیم کرتے ہیں اور ان کی محبت کو باعث نجات سمجھتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم انھیں وہم، نسیان، خطا سے معصوم نہیں جانتے۔ اُن سے اس قسم کے امور ممکن ہیں۔

(۲) بخاری اور نیز دیگر روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کی حیات مبارک میں بہت سے صحابہ نے قرآن جمع کیا تھا۔ چنانچہ ان میں چار کے نام تو بخاری ہی نے انس کی روایت سے نقل کئے ہیں۔ اور ایک طویل فہرست پہلے بھی اُن کے ناموں کی

دے چکا ہوں۔ علامہ ابن سعد نے بھی طبقات قسم ثانی ج ۲ ص۱۱۲ میں بعض ایسے صحابہ کے نام شمار کیے جنھوں نے آنحضرتؐ کی زندگی میں پورا قرآن جمع کیا تھا چنانچہ میں یہاں ان کی عبارت لکھتا ہوں۔

عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِي قَالَ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةُ رَهْطٍ مِنَ الْاَنْصَارِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَبُو الدَّرْدَاءِ وَاَبُوْ زَيْدٍ وَسَعْدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ قَدْ كَانَ بَقِيَ عَلَى الْمُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ سُوْرَةٌ اَوْ سُوْرَتَانِ حِيْنَ قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ:- حافظ ابن سعد طبقات میں علامہ شعبی اور محمد بن سیرین اور محمد بن کعب کی روایت سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں انصار میں سے چھ افراد معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو الدرداء، ابو زید، سعد بن عبید نے پورا قرآن جمع کیا تھا۔ البتہ مجمع بن جاریہ کو دو سورت یا ایک سورۃ جمع کرنے کو باقی تھی جو آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَتَمِيْمُ الدَّارِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ قَالَ جَمَعَ الْقُرْآنَ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ اَبُوْ اَيُّوْبَ ابو الدَّرْدَاءِ۔

اب جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت کے عہد ہی میں قرآن جمع ہو گیا تھا اور بہت سے صحابہؓ نے اسے جمع کیا تھا۔ تو پھر حضرت عمرؓ کا حضرت ابوبکرؓ سے یہ کہنا اِنِّي اَرٰى اَنْ تَاْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ یعنی میری رائے ہے کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کو فرمایئے اور اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ کا یوں فرمانا كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جو کام آنحضرتؐ نے نہیں کیا وہ تو کیونکر کرے گا، کیونکر صحیح ہوگا۔ اور یہ بات غلط ہے یا نہیں۔

(۳) سالم مولیٰ ابوحذیفہ کے سوا مشہور قراء سے کوئی قاری اس جنگ میں شہید نہیں ہوا۔ اور عام ان مسلمانوں کی تعداد جو اس جنگ میں شہید ہوئے چودہ سو تک بیان کی جاتی ہے جن میں چھ سو مہاجرین اور انصار ہیں۔ یہ تعداد اس وقت کے مسلمانوں کے لحاظ سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع میں جبکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان تھے تو اگر یہی مان لیا جائے کہ اس وقت تمام مسلمان اسی قدر تھے۔ گو یا کہ یہ امر کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ مگر اس پر بھی چودہ سو مسلمان اس تعداد کے مقابلہ میں کسی شمار میں نہیں آسکتے اور اس واقعہ میں جو ستر قرار کی شہادت بیان کی جاتی ہے ان کے متعلق محدثین اور مورخین کا یہ بھی بیان ہے کہ ان میں سے ہر ایک پورے قرآن کا حافظ نہ تھا بلکہ قرآن کے کچھ اجزاء ان کو یاد تھے۔

قاری قرآن کے اگر یہی معنی ہوں تو پھر مہاجر اور انصار سے جو اس میں شہید ہوئے وہ سب قاری تھے۔ کیونکہ مسلمانوں میں خصوصاً اس عہد میں کوئی بد قسمت مسلمان بھی ایسا نہ ہوگا جسے قرآن کچھ بھی یاد نہ ہو تو اب زید بن ثابت کا اس روایت میں یہ کہنا کہ اِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ یَوْمَ الْیَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ ہر اعتبار سے غلط ہوگا کیونکہ قاری قرآن کے اگر یہ معنی ہوں کہ جسے پورا قرآن یاد تھا تو وہ بھی اس لڑائی میں سالم مولی ابی حذیفہ کے سوا کوئی شہید نہیں ہوا۔ اور اگر قاری قرآن کے یہ معنی ہوں جسے قرآن کا کچھ حصہ یاد ہو خواہ وہ ایک دو سورت ہی ہوں تو اس معنی کی رو سے تمام مسلمان قاری قرآن تھے۔ اور جزیرہ عرب میں جس قدر مسلمان تھے وہ تمام ہی قاری تھے۔ پھر ان کی تعداد کے اعتبار سے بھی چودہ سو مسلمان کچھ زیادہ نہ تھے۔ اور اگر کہا جائے کہ مشہور قراء سے تو سالم ہی شہید ہوئے لیکن کے سوا اور بھی پورے قرآن کے حافظ اس لڑائی میں ایسے شہید ہوئے جو مشہور نہ تھے۔ تو اس صورت میں اصل واقعہ روشنی میں آجائیگا یعنی صحابہ میں بہت سے صحابی قرآن کے حافظ تھے۔ مگر اس پر بھی اس تعداد کا زیادہ ہونا مشکل ہے۔ بہرحال یہ بیان واقعات کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اُمّی تھے اس لئے آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ قرآن لکھا کر اپنے پاس رکھتے۔ البتہ صحابہؓ کو پورا قرآن حرف بحرف لکھایا اور اس لکھانے کا نہایت اہتمام کیا اور اکثر صحابہؓ نے آپ کے عہد میں آپ سے پورا قرآن لکھ کر جمع کیا۔ تو اب خلیفہ دوم کا جمع کے لئے مشورہ دینا ایسا امر نہ تھا جس میں خلیفۂ اول اور زید کو تامل ہوا اور مباحثہ کی نوبت آئی۔ حضرت عمرؓ سے یہ فرمایا کَیْفَ تَفْعَلُ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیا آنحضرتؐ نے قرآن لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ کیا آپ کے عہد میں لکھ کر قرآن نہیں پڑھایا جاتا تھا؟ کیا خلیفۂ اول اور زید اس سے ناواقف تھے؟ کیا اس کا صاف اور صحیح جواب صرف یہی نہ تھا کہ بلاشبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع کرایا۔ اور آپ کے امر سے صحابہ نے لکھا۔ اس کے علاوہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع نہیں کرایا۔ تو کیا حفاظت کے لئے جمع کرانا ایسا امر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے خلاف ہو۔ کیا خود آنحضرتؐ ایسے امور کو نہیں لکھاتے تھے جن کا استحفاظ اور اہتمام مقصود ہوتا تھا۔ ابوشاہ صحابی نے فتح مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سُن کر جب آپ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ اسے لکھا دیجئے تو کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا اُکْتُبُوْا لِاَبِیْ شَاہٍ یعنی ابوشاہ کو لکھ دو۔ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ فَکَتَبُوْا لِیْ یَعْنِیْ خُطْبَۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی ابوشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ لکھانے کی درخواست کی (ابوداؤد کتاب الدیات)۔ اور کیا حضرت ابوبکر خود اپنے عمال کو ہدایت نہیں لکھا دیتے تھے اور کیا آنحضرتؐ نے قرآن کے لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور کیا حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے جب حدیثوں کے ضائع ہونے اور اپنے بھول جانے کی شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ پھر کیا ابوبکرؓ ان تمام واقعات سے ناواقف تھے۔ یَا لَلْعَجَبُ۔

یہ سوال وجواب بجائے خود اس واقعہ کے بے اصل ہونے کے لئے قوی شہادت

ہے۔ اور جو امر کہ عام اتفاق سے ثابت ہے۔ اور آفتاب سے زیادہ روشن ہے اس پر غُبار ڈالنا اور چُھپانا ناممکن ہے۔

(۵) خلیفۂ اول نے یہ قرآن اگر لکھایا ہوگا تو بیت المال کے روپے سے لکھایا ہوگا۔ کیونکہ خلافت سے چھ۶ مہینے بعد خلیفہ کے مصارف کا مستقل بیت المال کیا گیا تھا اور بیت المال سے وہ اپنے ضروری مصارف خورد ونوش کے مطابق لیتے تھے۔ جیسا کہ خلیفۂ اول کے حالات میں مورخین لکھتے ہیں۔ اور نیز اس واقعہ سے بھی اس کا پورا ثبوت ملتا ہے کہ آپ کی بی بی نے ایک روز جب شیرینی کی فرمائش کی تو جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ بی بی نے کہا۔ اجازت ہو تو روزمرہ کے صرف سے کچھ بچا کر جمع کر لوں۔ فرمایا بہتر۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع کر کے دیئے۔ اور کہا مٹھائی لا دو۔ خلیفہ نے پیسے لے کر فرمایا کہ یہ خرچ ضروری سے زیادہ ہیں لہذا بیت المال کے ہیں اور بیت المال میں جمع کر کے اپنے وظیفہ سے اسی قدر کم کر دیا۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ کے پاس اپنا ذاتی سامان کیا تھا اور بیت المال میں انھیں کس قدر احتیاط تھی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس قرآن کے مصارف بیت المال سے ادا کئے گئے ہوں گے۔ اور یہ قرآن چونکہ بیت المال کا حق تھا اسی لئے یہ ان کی وفات کے بعد خلیفۂ اول کے ورثا کو نہیں دیا گیا بلکہ بیت المال میں رہا۔ اور خلیفۂ دوم کے پاس پہنچا۔ اگر خلیفۂ اول کا اپنا ہوتا تو ضرور ان کے ورثا کو ملتا۔ لیکن یہاں دو باتیں اس واقعہ کو غلط ٹھیراتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خلیفۂ اول نے بیت المال کی جو اشیاء چھوڑیں اور وہ خلیفۂ دوم کو سپرد کی گئیں۔ ان کی فہرست میں اس قرآن کا نام نہیں ہے اور خلیفۂ اول نے جن چیزوں کے سپرد کرنے کو فرمایا تھا اس میں اس کا نام نہیں لیا۔ تاریخ الخلفاء میں ہے۔

قال ابو بکر لمّا احتُضِرَ لِعائشۃَ یا بُنَیّۃُ اِنّا وَلِیْنَا اَمرَ المُسلمِینَ فَلَم نَاخُذْ لَنَا دِینَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَّلٰکِنْ اَکَلْنَا مِنْ جَرِیْشِ طَعَامِھِم فِیْ

بطونَنا أوْ لَبِسْنا مِنْ خُشْنِ ثِيابِهِمْ عَلىٰ ظُهُورِنا وَإنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَنا عِنْدَنا مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِيْنَ قَلِيْلٌ وَلا كَثِيْرٌ إلّا هٰذَا الْعَبْدُ الْحَبَشِيُّ وَهٰذَا الْبَعِيْرُ النَّاضِحُ وَجَرْدُ هٰذِهِ الْقَطِيْفَةِ فَإذا مِتُّ فَابْعَثِيْ بِهِنَّ إلىٰ عُمَرَ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوبکرؓ نے نزع کے وقت فرمایا کہ اے بیٹی میں خلیفہ بنایا گیا میں نے بیت المال سے روپیہ نہیں لیا مگر بقدر موٹا کھانے اور موٹا پہننے کے اور اب میرے پاس بیت المال کا سوا اس غلام حبشی اور پانی لانے کی اونٹنی اور اس پُرانی چادر کے کچھ نہیں میرے بعد اس کو عمرؓ کے پاس بھیجدینا۔

اگر واقعی کوئی قرآن بیت المال کے صرف سے اس اہتمام سے لکھایا گیا تھا تو بیت المال کی فہرست میں اس کا نام ضروری ہوتا۔ اور خلیفۂ اول اس کے سپرد کرنے کو اہتمام سے فرماتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خلیفۂ دوم کے بعد یہ قرآن خلیفہ سوم کی تحویل میں ہونا چاہئے تھا نہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس۔ کیونکہ یہ خلیفہ کی اپنی ذاتی مِلک نہ تھی۔ اب بعید نہیں بلکہ یہ امر نہایت قریب تر ہے کہ احتمالات اور امکانات کے ورطہ میں غوطہ لگانے والے جدت آفرینی کی یوں داد دیں کہ یہ قرآن خلیفۂ اول کا ذاتی تھا۔ اپنے خاص روپے سے لکھایا تھا۔ اور خلیفۂ دوم کو آخر وقت میں انھوں نے ہبہ کر دیا تھا اور بیت المال کا نہ تھا تاکہ خلیفہ دوم کی وفات کے بعد خلیفہ سوم کی نگرانی میں پہنچتا۔ ان کی اس جدت اور نکتہ آفرینی کی میں بھی دل سے قدر کرنے کو اور داد دینے کو تیار ہوں۔ مگر وہ ہبہ نامہ جس کی رو سے یہ ہبہ ثابت کیا جائے اگر کسی سند میں دکھائیں اور خلیفۂ اول کی آمدنی میں اس قدر قوت اور زور دکھائیں جو اس بار کی متحمل ہو سکے تو البتہ قابلِ تسلیم ہے اور بلا اس کے یہ خیال آفرینی واقعیت کی سطح پر رونما نہیں ہوسکتی بلکہ تاریخ سے تو یہ ثابت ہے کہ نہ خلیفہ اول کے پاس اپنا ذاتی اس قدر مال تھا جس سے قرآن لکھاتے اور بیت المال سے اپنے مصارف کے لئے جو کچھ وہ لیتے تھے اس میں نہ اس کی گنجائش تھی۔ الغرض اس قرآن کے لکھانے کی دو ہی صورت ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس صحیفہ وغیرہ کی قیمت

خلیفۂ اول اپنے پاس سے صَرف کریں۔ دوسرے یہ کہ بیت المال سے دیں۔ اور واقعات ان دونوں صورتوں کے مخالف ہیں۔

(۵) اس روایت میں یہ کہنا کہ سورہ براۃ کا آخر ابو خزیمہ انصاری کے سوا کسی دوسرے کے پاس نہ تھا ایک ایسی پہیلی اور چیستان ہے جس کی گرہ کشائی ناممکن ہے۔ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ سورۂ براءۃ پوری ایک وقت میں کامل آخر زمانہ میں نازل ہوئی۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں پڑھا۔ حضرت علیؓ نے نویں سال حج میں تین مقامات میں یعنی عرفہ منیٰ یا مکہ میں لوگوں کو تمام وکمال سنایا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے یاد کرنے کا خاص حکم دیا زید کو تمام قرآن یاد تھا اور لکھا ہوا تھا۔ ابی بن کعب کے پاس بھی تمام قرآن لکھا ہوا اور یاد تھا۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ کو سورۂ براۃ یاد تھی۔ چنانچہ انھوں نے مکہ میں جاکر سُنائی اور زید کے قرآن لکھنے کے وقت یہ لوگ مدینہ میں موجود تھے۔ پھر اب زید کا یہ کہنا کہ ابو خزیمہ کے سوا کسی کے پاس یہ آیت نہ تھی وہ بات ہے جس کے ماننے کے لئے کسی طرح کوئی مسلمان تیار نہیں ہوسکتا۔

الحاصل زہری کے اس روایت میں چھ امر تو ایسے ہیں جو واقعات کی رو سے سچائی کے معیار میں صحیح نہیں اُترتے اور وہ بالکل غلط ہیں۔

(۱) جنگِ یمامہ میں بہت سے قرآن کے قاری شہید ہوئے۔

(۲) زید نے آنحضرتؐ کی حیات میں قرآن جمع نہیں کیا تھا۔

(۳) زید پورے قرآن کے حافظ نہ تھے۔

(۴) آنحضرتؐ نے پورا قرآن جمع نہیں کرایا تھا۔

(۵) حضرت عثمانؓ نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع نہیں کیا تھا۔

(۶) ابو خزیمہ انصاری کے سوا کسی کے پاس سورۂ براۃ کا آخر لکھا ہوا نہ تھا۔

اور سات باتیں ایسی ہیں جو شب و روز کے تجربہ اور صحابہ اور مسلمانوں کے حالات کے اعتبار سے بعید نہیں۔ اور یہ دونوں اِن کی اجازت نہیں دیتے۔

(۱) ڈیڑھ سال میں زید کا تمام وکمال قرآن کو تلاش کر کے لکھ دینا۔
(۲) حضرت عمرؓ کا یہ خیال کرنا کہ قرآن ضائع ہو جائے گا۔
(۳) قرآن جمع کرنے کے پہلے قاریانِ قرآن کو لڑائی میں بھیجنا۔
(۴) قرآن کے جمع کرنے کو محض زید کے متعلق کرنا۔ باوجودیکہ خود مدینہ میں
ان سے بہتر قاری بھی موجود تھے۔
(۵) اس قرآن جمع شدہ کا حضرت حفصہ کے پاس رہنا نہ خلیفہ سوم کے۔
(۶) خلیفہ اول اور دوم کا اپنے عہد میں اس قرآن کی نقلیں ملک میں شائع نہ کرنا۔
(۷) مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کا بھی اس قرآن کی نقل نہ لینا۔

اس کے علاوہ زہری کی روایت کا اختلاف اور نیز زہری کی یہ تنہا روایت بہت سی اُن روایات کے مخالف ہے جو اپنی کثرت کی وجہ سے تواتر کے مرتبہ میں پہنچ گئے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو واقعہ نہایت ہی بے اصل اور سراسر غلط اور جس قدر بے بنیاد ہوتا ہے اُسی قدر مشہور اور زبان زد عوام وخواص ہو جاتا ہے۔ خلیفہ اول کے جمع قرآن کے واقعہ نے شہرت کا یہ درجہ پایا ہے کہ آج محدثین اور مورخین اور ہر مسلمان کی زبان اور قلم پر ہے۔ اور انتہا یہ ہے کہ بخاری جیسے ناقد اور محقق کی تحقیق کی روشنی بھی اس شہرت کے آگے ماند پڑ گئی۔ مگر پھر بھی حق حق ہے اور باطل باطل جھوٹ اور فریب گو مشہور ہو جائے۔ قبول کر لیا جائے لیکن انجام کار سچائی کی روشنی غالب آکر اُسے محو کر دیتی ہے اور وہ ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ خلیفۂ سوم نے اپنے عہد میں خلیفۂ اول کی جمع کردہ قرآن کی چند نقلیں کرا کے مختلف بلاد میں بھیجیں اور یہ حکم دیا کہ اس کے سوا جو لکھے ہوئے قرآن ہیں وہ ضائع کر دیئے جائیں۔ اور اب سے اِس قرآن کے موافق پڑھا پڑھایا جائے چنانچہ کتب حدیث اور تواریخ میں یہ واقعہ مذکور ہے اور یہاں میں بھی ترمذی سے اسے نقل کرتا ہوں۔

عَنْ اَنَسٍ اِنَّ حُذَیْفَۃَ قَدِمَ عَلٰی عُثْمَانَ وَکَانَ یُغَازِی اَھْلَ الشَّامِ

فِي فَتْحِ أَرْمِينِيَّةَ وَأَذْرَبِيجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَرَأَى حُذَيْفَةُ اخْتِلَافَهُمْ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَدْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الْكِتَابِ كَمَا اخْتَلَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى فَأَرْسَلَ إِلَى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلِي إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا إِلَيْكِ فَأَرْسَلَتْ حَفْصَةُ إِلَى عُثْمَانَ بِالصُّحُفِ فَأَرْسَلَ عُثْمَانُ إِلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَسَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنِ انْسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثَةِ مَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَاكْتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ حَتَّى نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ وَبَعَثَ عُثْمَانُ إِلَى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِنْ تِلْكَ الْمَصَاحِفِ الَّتِي نَسَخُوا قَالَ الزُّهْرِيُّ وَحَدَّثَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُ آيَةً مِنْ سُورَةِ الْأَحْزَابِ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ فَالْتَمَسْتُهَا فَوَجَدْتُهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ أَوْ أَبِي خُزَيْمَةَ فَأَلْحَقْتُهَا فِي سُورَتِهَا. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِهِ۔ ج ۲ ص ۱۳۶

ترجمہ :- انس کا بیان ہے کہ حذیفہ آرمینہ اور آذربیجان کے غزوہ سے واپس ہوکر حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا کہ لوگوں میں قرآن کی قرات میں بہت اختلاف ہے۔ قبل اس کے کہ لوگ یہود اور نصاریٰ کی طرح گمراہ ہوں آپ اس کی تلافی اور انتظام کر دیجیے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ صحیفے میرے پاس بھیجدو تاکہ میں اس کی نقلیں کراؤں پھر میں اسے تمھیں واپس دوں گا۔ چنانچہ حضرت حفصہ نے وہ صحیفے بھیجدیئے۔ حضرت عثمان نے زیدؓ سعید

عبدالرحمٰن، عبداللہ کو اس پر مامور کیا کہ وہ نقل کریں۔ اور فرمایا کہ اگر باہم اختلاف ہو تو قریش کے لغت میں لکھوا اور اسے ترجیح دو اس لئے کہ انھیں کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے۔ ان لوگوں نے نقلیں کیں اور حضرت عثمانؓ نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک طرف بھیجدیا۔ زہری کہتے ہیں کہ زید کے بیٹے خارجہ کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے باپ زید نے کہا کہ سورۂ احزاب میں اُس آیت کو جسے میں نے آنحضرتؐ کو پڑھتے سنا تھا نہیں پایا اور وہ آیت یہ ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ اس کو تلاش کیا تو خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس ملی تب میں نے اس کو اپنی جگہ سورۃ میں لکھ دیا۔

زہری کی اس حدیث سے یہ پانچ باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) حذیفہ بن الیمان کو آرمینیہ اور آذربیجان کے غزوہ میں جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں قرآن میں اختلاف ہے تو واپسی کے بعد حذیفہ نے خلیفہ سوم سے درخواست کی کہ اس کا انتظام کریں اور اس اختلاف کو روکیں۔

(۲) خلیفہ سوم نے حذیفہ کے مشورہ سے زید، سعید، عبدالرحمٰن، عبداللہ کو اس پر مقرر کیا کہ وہ خلیفہ اول کے لکھائے ہوئے قرآن کی نقلیں کریں اور اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو لغتِ قریش کے موافق اُسے لکھیں۔

(۳) ان نقل شدہ قرآن کا ایک ایک نسخہ ہر طرف روانہ کیا۔

(۴) اس قرآن میں سورۂ احزاب کا اخیر نہ تھا جس کو خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس سے تلاش کر کے لکھا۔

(۵) حضرت عثمانؓ نے سوا اس کے کہ حضرت ابوبکرؓ کے قرآن سے نقل کرائی اپنی طرف سے اور کوئی امر جدید نہیں کیا۔ میں یہاں چند اُمور کی تنقیح کرتا ہوں جس سے حضرت عثمان کے اس جمع قرآن کی روایت پر بہت کچھ روشنی پڑے گی۔

تنقیح (۱) آذربیجان والوں نے جو معاہدہ خلیفہ دوم کے عہد میں ۲۲ھ میں کیا تھا وہ خلیفہ سوم کے زمانہ میں توڑدیا۔ اس پر خلیفہ سوم نے ۲۵ھ میں ولید بن عقبہ کو آذربیجان پر متعین کیا اور ولید نے پھر دوبارہ اُسے فتح کیا۔ اور ۲۵ھ میں ہی حضرت عثمانؓ نے قرآن لکھائے۔ اگرچہ ابن خلدون اور کامل ابن اثیر وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ ۳۰ھ میں یہ قرآن لکھائے گئے مگر علامہ ابن حجر شارح بخاری فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ درحقیقت یہ ۲۵ھ میں ہوا ہے۔ چونکہ خلیفہ دوم کا انتقال ۲۳ھ کے آخر میں یعنی ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ میں ہوا تو یہ اختلاف جس کی خبر حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ کو دی تھی نیا نہ تھا یعنی خلیفہ سوم کے عہد میں پیدا نہ ہوا تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک سال کی مدت میں ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ دراصل یہ اختلاف قراء صحابہ میں تھا۔ اور صحابہ میں سے جو ملک میں تعلیم قرآن کے لئے روانہ کئے گئے تھے انھوں نے اپنی اپنی قراءۃ کے موافق قرآن پڑھایا تو وہ اختلاف ان کے شاگردوں میں رہا۔ اور خلیفہ اول اور دوم کے عہد میں برابر یہ اختلاف تھا جس کی خبر حذیفہ نے خلیفہ سوم کو دی مگر تعجب ہے کہ ان دونوں خلفاء نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور یہ نا ممکن ہے کہ اس اختلاف کا علم ان دونوں خلفاء کو نہ ہوا ہو خصوصاً خلیفہ دوم کو جو اپنے عہد میں تمام باتوں کی خبر رکھتے تھے۔ حالانکہ خلیفہ اول اور دوم کو اس کا بہت زیادہ خیال تھا کہ مسلمانوں میں کسی طرح سے اختلاف نہ ہو۔ اور اسی وجہ سے اُن کے عہد میں کسی قسم کا اختلاف مسلمانوں میں نہیں ہوا۔ جیسا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ازالۃ الخفاء کے مقصد دوم صفحہ ۱۴۰ میں لکھتے ہیں "لہذا دریں عصر اختلاف مذہب و تشتت آراء واقع نشد ہمہ بریک مذہب متفق و بریک راہ مجتمع وآں مذہب خلیفہ ورائے او بود" اور یہی علامہ ابن حزم نے الفصل میں لکھا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ امر بھی زیادہ توجہ کے قابل ہے کہ ۲۵ھ تک ممالک اسلامیہ میں قرآن کی جسقدر اشاعت ہوئی وہ خلیفہ دوم کی توجہ سے ہوئی۔ اُنھوں نے معلّم بھیجے، وظائف مقرر کئے

پھر ضروری ہے کہ ان تمام معلموں نے خلیفہ کی ہدایت کے موافق قرآن کی تعلیم دی ہوگی۔ کیونکہ فاروقِ اعظم کی یہ عادت تھی کہ معلّمین کو روانہ کرتے وقت ضروری ہدایت کر دیتے تھے۔ خصوصاً ایسے امور سے سختی کے ساتھ روکتے تھے جن کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف ہو جس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ اس عہد میں قرآن میں ایسا اختلاف نہ ہوتا جس کے رفع کرنے کی ۲۵ھ میں خلیفہ سوم کو ضرورت پیش آئے۔

(۲) ۲۵ھ تک تمام ممالک اسلامیہ میں قرآن کی اشاعت جس قدر بھی ہوئی تھی وہ اُن صحابہ نے کی تھی جنھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن یاد کیا تھا۔ اور آپ سے سُنا اور پڑھا اور لکھا تھا اور جن قرار اور حفّاظ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے بارہا قرآن سُنا۔ آپ کی کی زبان مبارک سے قرآن کو لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سُنایا اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ان پر وثوق و اعتماد کر کے انھیں قرآن پڑھانے اور تعلیم کی اجازت دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہزاروں کو انھوں نے قرآن پڑھا دیا تو ان حفّاظ اور قرار نے آنحضرت سے جس طرح قرآن سُنا اور یاد کیا وہ کبھی اور کسی حالت میں بھی اس کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ اُن صحابہ کی تو بڑی شان ہے۔ آج بھی اگر کسی مسلمان کو اس کا یقین ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام اس طرح کیا ہے اور فلاں بات کو یوں فرمایا ہے یا قرآن کا فلاں حرف اس طرح پڑھا ہے تو وہ بھی اس کے خلاف ہرگز نہ کرے گا اور اسی پر قائم رہے گا خواہ اُسے مالی اور جانی دونوں قربانی کرنی پڑیں۔ اب جن صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن یاد کیا تھا اور اسی طرح جن لوگوں نے ان صحابہ سے قرآن لکھا پڑھا تھا اگر ان میں باہم اختلاف تھا تو خلیفۂ سوم کے کہنے سے وہ اُس قرارت اور قرآن کو نہیں چھوڑ سکتے تھے جس کو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اپنے اساتذہ، صحابہ کرام سے لیا اور سیکھا اور لکھا تھا اور یہ ناممکن تھا کہ خلیفہ سوم

ان سے اُن کے اس قرآن کو جو انھیں پہنچا تھا لے کر ضائع کر دیتے اور اُن کے دلوں سے اس نقش کو مٹا دیتے جو ان کے اساتذۂ کرام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُن کے پاک دلوں پر کیا تھا جن کو اس وقت کے مسلمانوں کی حالت سے واقفیت ہے اور جن حضرات نے ان مقدس اصحاب کی تاریخ کے دیکھنے کا شرف حاصل کیا ہے ان کو اس امر کے باور کرنے کے لئے تاریکی کا کوئی پردہ حائل نہیں کہ خلیفہ سوم کے اختیار سے بلکہ خلیفہ دوم وسوم کے اختیار سے بھی یہ بات خارج تھی۔ بلکہ کوئی قوت بھی ایسی نہ تھی جو اُسے اُس قرأت کو چھڑا کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اُن کے استادوں سے اُنھیں پہنچی ہے دوسری قرأت کو رائج کرتے اور اس اختلاف کو اٹھا دیتے۔

(۳) ممالکِ اسلامیہ میں آج بھی جو قرآن لکھے ہوئے ہیں اور جس قدر قرآن کے قاری ہیں اس وقت بھی ان کی سندیں موجود ہیں اور ہر قاری آج بھی قرآن کو اسی طرح پڑھتا ہے جس طرح اس کے اُسے اپنے استاد سے سُنا ہے اور جو اختلاف قراءۃ قراءِ صحابہ میں تھا وہ آج تک بھی اُن کے شاگردوں میں ہے اور ہر شخص اسی طرح پڑھتا ہے جس طرح اسے پہنچا ہے۔ جو شخص تمام دنیا میں سفر کر کے مسلمانوں کی قرأت کو مختلف ملکوں میں سنے گا وہ ضرور اس اختلاف کو دیکھے گا پھر خلیفہ سوم نے وہ کس اختلاف کو مٹایا جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے اور یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جس سے کسی فتنہ کا خوف ہو۔ یہ معمولی لب ولہجہ وغیرہ کا اختلاف ہے۔ بلکہ یہ اختلاف سرورِ کائنات کے عہد میں بھی تھا جس کو خود آنحضرتؐ بھی جانتے تھے۔ اور آپؐ کے حضور میں یہ اختلافات پیش بھی کئے گئے مگر آپؐ نے اس کو جائز رکھا۔ پھر جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا تو کیا کوئی مسلمان خصوصاً صحابہ اس کو ناجائز رکھیں گے؟ ہرگز نہیں دوسرے مشاہدہ اور تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کے اس اختلاف کی وجہ سے آج تک مسلمانوں میں کوئی فتنہ یا گمراہی نہیں ہوئی جس کا خطرہ اس روایت میں

بیان کیا گیا ہاں ممکن ہے کہ قرآن کی رسم خط میں اختلاف ہو اور حضرت عثمانؓ نے قرآن کی رسم خط قائم کی ہو۔

(۴) مسلمان قرآن کے پڑھنے میں محض لکھے پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اس میں اس کی ضرورت ہے کہ وہ قرآن ایسے شخص کو سُنائیں جس کی سند کا سلسلہ آنحضرتؐ تک ہو اور بلا ایسے شخص کے سُنائے اور سند حاصل کئے قرآن پڑھنا درست نہیں۔ اور اس میں مسلمانوں نے اس قدر احتیاط کی ہے کہ قرآن کے سوا حدیث میں بھی اسی شخص کا اعتبار ہے جس نے سند حاصل کی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی سند ہو۔ جو شخص آج بھی بلا سند حاصل کئے محض اپنی قابلیت کے اعتماد پر لکھی ہوئی کتابوں کو دیکھ کر حدیث پڑھانا چاہے تو اس کی حدیث کا اعتبار نہیں اور کوئی مسلمان اس سے حدیث نہیں پڑھے گا۔ اور ایسا شخص قابل سزا ہوگا جو لوگ قرآن پڑھتے اور حدیث کی قابلیت رکھتے ہیں لیکن سند نہیں رکھتے تو وہ بھی سند یافتہ کے حلقۂ درس میں برسوں رہ کر اور سُنا کر سند حاصل کرتے ہیں تب وہ اس لائق ہوتے ہیں کہ لوگ اُن سے پڑھیں ورنہ نہیں۔ آج تک جس قدر قرّاء ہوئے اور ہیں وہ تمام اپنی قرأت اور قرآن کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں جس سے اس امر میں کسی قسم کا شُبہ نہیں رہتا کہ مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح سے قرآن پہنچا ہے اور صحابہ نے جس طرح انھیں پڑھایا تھا وہ آج تک بلا کسی تغیر و تبدل کے برابر پڑھتے چلے آئے ہیں اور اسی طرح مسلمانوں میں اس کا رواج ہے۔ جو اختلاف صحابہ کے قرأتوں میں تھا وہ اب بھی ان کے شاگردوں میں ویسے ہی محفوظ ہے۔ قرار صحابہ کی قراتیں ہم تک بتواتر پہنچی ہیں جن میں شبہہ کی اصلاً گنجائش نہیں۔ اب ان متواتر اور یقینی باتوں پر اس ایک شخص کی خبر کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اور ایسی ظنی اور وہمی باتوں سے ہم یقین اور تواتر کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتے اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تمام قرأت صحابہ کی سندیں آج تک رائج ہیں اور صحابہ نے جس ملک میں تعلیم دی اور وہاں کے

باشندوں کو جس طرح سے پڑھایا آج تک وہاں کے باشندے اسی طرح پڑھتے ہیں۔ تو پھر خلیفہ سوم کے اختلاف قرارت کے مٹانے کی روایت کا پورا پورا حال معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی صحت اور صداقت کا پایہ جو ہے وہ ہر شخص پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم کتاب الفصل میں لکھتے ہیں۔ فلو رام عثمان ما ذکروا ما قدر علیٰ ذلك ـــ یعنی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے تمام قرارت مٹا کر ایک قرارت رکھی ہے کی غلطی ہے۔ یہ امر حضرت عثمانؓ کے اختیار میں نہ تھا۔ اور جب ہم اس وقت دیکھ رہے ہیں کہ قرارت صحابہ کا اختلاف قرارت اس وقت بھی ان کے شاگردوں میں برابر چلا آ رہا ہے تو پھر حضرت عثمانؓ نے کس اختلاف کو مٹایا۔

(۵) زید نے خلیفہ اول کے عہد میں ان صحائف میں تمام قرآن نقل کیا تھا مگر تعجب ہے۔ بارہ تیرہ سال تک یہ ویسے ہی جزدان میں رکھا رہا۔ کسی نے نہ دیکھا۔ اور دیکھا بھی تو کسی کو اس کا پتہ نہ چلا کہ سورۃ احزاب سے ایک آیت اس میں لکھنے سے رہ گئی۔ جس کا پتہ اس وقت خلیفہ سوم کے عہد میں نقل کراتے وقت ہوا۔ اور تعجب ہے کہ آنحضرتؐ کے عہد مبارک سے خلیفہ سوم کے عہد تک سورۃ احزاب کی اس آیت کو کسی نے نہیں لکھا سوائے خزیمہ کے اور کسی کے پاس نہ نکلی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہی ایک بات اس روایت کی صداقت اور عدم صداقت کی عمدہ دلیل ہے۔ علاوہ اس کے زید نے خلیفہ اول کے عہد میں جب نہایت کوشش اور سعی سے قرآن جمع کیا' اور زید کو قرآن یاد بھی تھا۔ تو اس وقت سورۃ احزاب کی آیت کا لکھنے سے رہ جانا ایک ایسی بات ہے جو انسانی فہم سے بالاتر ہے۔ اور جب زید کے لکھنے اور حفظ کی یہی حالت ہے تو ممکن ہے کہ اس میں اور بھی بعض آیات چھوٹ گئی ہوں۔ اگر زید تیسری بار پھر نقل کرتے تو ممکن تھا کہ وہ پھر زید کو یاد آ جاتیں بمسلمانوں کے یہاں ایسی روایات کی جو وقعت ہے وہ اسے خوب جانتے ہیں جن کو ایسی روایات میں

دخل ہے کیا محض زید کے لکھنے اور ان کی یاد کے بھروسے اور وثوق پر قرآن مان لیا گیا ہے۔ اور کیا محض زید کے کہنے اور لکھنے سے قرآن میں کسی آیت کا اضافہ ممکن تھا۔ این خیال ست و محال ست وجنون۔ ہزاروں قرآن کے نسخے بلکہ لاکھوں اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوں گے اور اس سے بھی بہت زیادہ حفاظ قرآن موجود تھے۔ اور مسلمانوں کے چھوٹے بڑے۔ مرد۔ عورت۔ ادنیٰ۔ اعلیٰ کی زبان پر قرآن کا حرف حرف برق کی طرح رواں تھا۔ مسجدیں اور نمازیں اِس کی صدا سے گونج رہی تھیں۔ اس پچیس ۲۵ سال میں بلکہ سینتیس ۳۷ سال میں جس قدر قرآن کی اشاعت ہوگئی تھی وہ زید اور خلیفہ سوم کی سعی سے بے نیاز تھی۔ اور اتنے مسلمانوں کے دلوں سے کسی حرف یا قراءت کا دھو دینا کسی انسان کا کام نہیں تھا۔

ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ قرآن کے الفاظ خدا کے الفاظ ہیں اور وحی الٰہی کے جو لفظ تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بعینہ انھیں الفاظ کو پہنچایا۔ اُن آسمانی الفاظ کے بجائے دوسرے لفظوں کو رکھنا خواہ وہ آسمانی لفظوں کے ہم معنی ہی کیوں نہ ہوں نہ آنحضرتؐ سے ممکن ہے اور نہ کوئی مسلمان ایسا کرسکتا ہے۔ آنحضرتؐ کی نبوت سے ۲۵ھ تک یعنی اڑتیس سال کی مدت میں تمام اسلامی شہروں میں اس کی اشاعت کمال عروج تک پہنچ گئی تھی۔ اور مسلمانوں کے سینوں اور سفینوں دولوں میں قرآن کا ہر ایک لفظ آفتاب و ماہتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ رمضان میں اسلامی دنیا کی ہر مسجد میں کم سے کم ایک بار ضرور پڑھا جاتا تھا۔ پنجگانہ نمازیں۔ آخر رات میں روزانہ تلاوت میں اس کا معمول تھا۔ اس وقت قرآن کی یہ حالت نہ تھی کہ اس سے مسلمان ناواقف ہوں۔ یا جو قرآن مسلمانوں کے دلوں۔ زبانوں۔ صحیفوں۔ تعلیم گاہوں میں داخل ہوگیا تھا اس پر شک وشبہ کا پردہ کوئی ڈال سکے۔

اب ایسی حالت میں خلیفہ سوم کا ان لوگوں کو جو قرآن لکھنے پر مقرر کئے گئے

تھے یہ ہدایت کرنا (اگر کسی لفظ میں تمھیں اختلاف ہو تو ایسی صورت میں وہ لفظ لکھنا جو قریش کے یہاں مستعمل ہو۔ کیونکہ قرآن قریش ہی کی لغت میں نازل ہوا جیسا اس روایت میں ہے۔ وَقَالَ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّيْنَ الثَّلَاثَةِ مَا اخْتَلَفْتُمْ اَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَاِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ یعنی خلیفہ سوم نے ان لوگوں میں سے جو قرآن لکھنے پر مقرر کئے گئے تھے قریشوں کو کہا کہ تم سے اور زید سے اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو اپنی زبان کا لفظ لکھنا کیونکہ تمہاری ہی زبان میں قرآن اترا ہے) اس روایت کے اعتبار کو مسلمانوں سے کیا مخالفین اسلام کی نظروں سے بھی کھو دیتا ہے۔ اور جو شخص مسلمانوں کی حالت اور قرآن کی تاریخ سے واقف ہے وہ ہرگز کسی حالت میں اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن اس ہی روایت کے موافق جب قریش کی لغات میں نازل ہوا ہے قریش کی زبان کے سوا کسی دوسری زبان کا لفظ اس میں نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن جن الفاظ میں نازل ہوا ان ہی الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا اور مسلمانوں نے وہی الفاظ یاد کئے۔ لکھے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ زید جو انصار سے ہیں نہ قریش سے ان کے قرآن میں کوئی ایسا لفظ ہو جو قریشی نہیں یعنی وہ درحقیقت قرآن کا لفظ نہیں یا ان کو قرآن کے الفاظ کے بجائے دوسرے لفظ یاد ہوں۔ حالانکہ زید وہ شخص ہیں جو پچیس سال تک برابر قرآن پڑھاتے رہے۔ قرآن کا درس دے کر کئی ہزاروں کو قرآن کا حافظ بنایا۔ عہد مبارک میں وحی یعنی قرآن لکھتے تھے۔ آخر سال میں حضرت جبریل سے جو آنحضرتؐ نے دو بار قرآن کا دور کیا تھا تو اس میں یہ زید برابر کے شریک تھے۔ تمام قرآن آنحضرتؐ کے عہد میں یاد کیا تھا۔ اور لکھا تھا۔ خلیفہ اول و دوم نے ان کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دی اور انھیں پر اپنا زیادہ اعتماد ظاہر کیا اسی لئے انھیں کو تنہا قرآن لکھنے پر مقرر کیا۔ اور اس وقت کسی قریشی کو اس کام میں ان کا شریک نہ کیا اور نہ یہ ہدایت کی کہ قریش کی زبان میں لکھنا۔ اب ایسی صورت میں خلیفہ سوم کا زید کے ساتھ ان کو یعنی سعید،

عبدالرحمٰن، عبداللہ جو قریش ہیں شریک کرنا اور یہ فرمانا کہ تم تینوں سے اور زید سے اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو وہاں زید کا اعتبار نہ کرنا۔ بلکہ اپنی زبان کے موافق لکھنا۔ حالانکہ یہ تینوں شخص نہ مشہور قرار سے ہیں اور نہ زید کی مثل ماہر ہیں اور نہ اس قابل ہیں کہ زید کے مقابلہ میں ان کا پلہ بھاری ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سعید اور عبداللہ نو۹ سال کے تھے۔ عبدالرحمٰن دس۱۰ برس کے اور آنحضرتؐ سے انھوں نے کچھ نہیں پڑھا تھا۔ اور زید نے تمام قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا۔ پھر ایسی صورت میں زید سے یہ تینوں اگر قرآن کے کسی لفظ میں اختلاف کریں تو بمقابلہ زید کے پھر بھی ان کا اعتبار ہوتا، مسلمان اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور کیا یہ ممکن تھا کہ زید نے جن الفاظ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خود سُنا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تعلیم فرمایا۔ ان الفاظ کو چھوڑ کے خلیفہ کی ہدایت کے موافق ان تینوں کے بتائے ہوئے لفظوں کو لکھتے۔ ہرگز نہیں اور کیا کوئی مسلمان اس کا یقین کر سکتا ہے کہ خلیفہ نے زید کو اس قسم کی ہدایت کی ہوگی کہ تم نے جن الفاظ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن الفاظ کو تمھیں تعلیم دیا۔ جن الفاظ کو تم اب تک پڑھتے رہے۔ اور ایک بڑی جماعت کو تم نے تعلیم کیا۔ ان الفاظ کو تم محض اس لئے چھوڑ دینا کہ وہ قریش کی لغت کا نہیں۔ اور قرآن قریش کی لغت میں نازل ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ زید نے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن میں عربی کے سوا دوسری زبان کا لفظ بھی سنا یا پڑھا ہوتا تو پھر تمام عالم کے کہنے سے بھی وہ اس لفظ کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ خواہ ان کو یوں سمجھا یا ہی جاتا کہ قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا ہے اور یہ لفظ عربی نہیں۔ کیونکہ کسی لفظ کا قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سُن لینا یا آپ سے تعلیم پانا ایک ایسی مضبوط اور مستحکم دلیل ہے کہ قرآن کی تمام عمارت اِسی پر قائم ہے نہ کسی قیاس اور گمان پر۔ اور کیا ایسے قیاسات سے کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے یا قریش کی

زبان میں نازل ہوا ہے۔ قرآن کا کوئی حرف اپنی جگہ سے متزلزل ہوسکتا ہے۔ اور مسلمانوں کے اس یقین میں جو انوار نبوت سے حاصل ہوا ہے کسی قسم کی تاریکی کا دھبہ پڑ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کے علاوہ تمام قرآن کا قریش کی لغات کے موافق ہونا خود صحیح نہیں۔ بلکہ قریش کے سوا دوسرے الفاظ بھی قرآن میں ہیں۔ پھر جب یہ بات خود ثابت نہیں اور خلاف ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ قرآن کے متعلق ایک غلط بات فرمائیں اور زید بن ثابت اسے تسلیم کریں۔ اور اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا فرمایا تھا اور واقعی یہ امر صحیح بھی تھا کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے تو پھر یہ ضروری تھا کہ یہ موجودہ قرآن جو اس وقت تمام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور حضرت عثمانؓ کا لکھا ہوا ہے اس میں کوئی لفظ غیر قریش کا نہ ہوتا۔ حالانکہ اس میں قریش کے سوا بھی دیگر اہل عرب کے لغات ہیں اب موجودہ قرآن کو اس روایت کے اس معیار پر جانچو اور دیکھو کہ یہ وہی قرآن ہے جس کو حضرت عثمانؓ نے قریشی لکھایا تھا۔ یا ویسا نہیں۔ اور اسی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ روایت کس درجہ قابل تسلیم ہے۔

(۷) قرآن اگر قریش ہی کی زبان سے مخصوص ہے تو ایسی بات نہیں جس کو صرف حضرت عثمانؓ ہی جانتے ہوں بلکہ یہ وہ امر ہے جسے اس وقت کا ہر قرآن داں جو عرب کا باشندہ تھا جانتا ہوگا۔ خصوصاً خلیفہ اول اور دوم تو ہرگز اس سے ناواقف نہ ہوں گے۔ پھر جو قرآن زید سے خلیفۂ اول نے بمشورہ خلیفہ دوم لکھایا تھا ضرور وہ قریش ہی کی زبان میں لکھایا ہوگا۔ اور ضرور خلیفہ اول اور دوم کی نظر سے گذرا ہوگا۔ اب یہ ناممکن ہے کہ اس قرآن میں کوئی اس زبان کا لفظ ہو جس میں قرآن نازل نہیں ہوا۔ کیونکہ اول تو زید نے خود ہی اس قرآن میں ایسے لفظ نہ لکھے ہوں گے۔ اور اگر غلطی سے لکھے بھی ہوں تو خلیفہ اول اور دوم نے ضرور اس کی اصلاح فرما کر اس غلطی سے زید کو متنبہ کیا ہوگا تاکہ پھر یہ غلطی نہ ہو کہ قریش کے لغات کے سوا دیگر اہل عرب کی لغات کا کوئی لفظ قرآن شریف

یں لکھا جائے اور اس اصلاح اور تنبیہ کے بعد ناممکن ہے کہ اس قرآن شریف میں جو خلیفۂ اول کے وقت میں لکھا گیا تھا پھر ایسا لفظ ہوتا جو قریش کی لغات سے نہ ہوا اور دیگر اہل عرب کے لغات سے ہوتا اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خلیفہ اول اور خلیفہ دوم کی تاکید اور تنبیہ کے باوجود زید سے پھر بھی ایسی غلطی ہوئی ہو کہ کوئی لفظ قریش کے لغات کے سوا کا ایسا رہ گیا ہو جس پر زید کی نظر کسی وجہ سے نہ پڑی ہو لیکن خلیفہ سوم کے عہد میں جب قرآن شریف کے نقل کی خدمت زید کو ملی اور سعید اور عبد الرحمٰن عبد اللہ بن زبیر کا (جو بطون قریش سے ہیں) اس لئے تقرر ہوا۔ کہ جب کسی لفظ میں اختلاف ہو تو لغت قریش کے موافق اسے لکھیں اور پھر حسب حکم خلیفہ سوم کے ان لوگوں نے لکھا تو اب ایسی حالت میں یہ غیر ممکن تھا کہ قرآن شریف میں کوئی ایسا لفظ رہ گیا ہو جو قریش کے لغات سے نہ ہو۔ مگر واقعہ اس کے خلاف ہے اور قرآن شریف میں اس وقت بھی ایسے الفاظ ملتے ہیں جو قریش کے لغات کے سوا دیگر اہل عرب کی لغات سے ہیں جس سے صاف اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔

(۸) زید کا یہ بیان کہ سورۂ احزاب کی اس آیت کو جسے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا تھا نہیں پایا۔ اور تلاش کے بعد خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس سے ملی یہ وہ بات ہے جو بالکل خلاف عقل ہے اس لئے کہ زید کے پاس خود اپنا ذاتی لکھا ہوا قرآن ایسا صحیح موجود تھا جس کو زید نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود آپ کی زندگی کے اس آخری رمضان میں سنایا تھا جس میں آپ نے دو مرتبہ قرآن شریف حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دور فرمایا تھا۔ علاوہ اس کے اور دوسرے صحابہ جیسے معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت ابو دردا، ابو زید، محمد بن عبید، عثمان بن عفان، تمیم داری، عبادۃ بن صامت ابو ایوب کے پاس بھی پورا قرآن شریف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھایا ہوا

موجود تھا پھر یہ بات کس طرح قابل تسلیم نہیں ہو سکتی کہ تلاش کے بعد محض ابو خزیمہ یا خزیمہ کے پاس ملی بلکہ یہ ایک ایسی ناقابل قبول بات اس روایت میں ہے جو اس روایت کو معیار صحت سے گرادینے کے لئے کافی ہے بالخصوص جبکہ اس کے خلاف پورے قرآن شریف کے عہد نبوی میں لکھے جانے کے متعلق اس کثرت سے روایتیں موجود ہیں جو تواتر کے مرتبہ کو پہونچ گئی ہیں۔

(۹) اشتباہ کی تیسری روایت جو بخاری کی ہے اس میں زید کا بیان ہے کہ میں نے کھجور کے پتوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور آدمی کے سینے سے قرآن جمع کیا اور لکھا یعنی کسی آیت یا کسی سورۃ کو محض لکھے ہوئے ٹکڑوں پر اعتماد کر کے خلیفہ اول کے عہد میں قرآن میں نہیں لکھا گیا تھا بلکہ حفاظ صحابہ پر بھی آیت اور سورۃ پیش کی گئی تھی اس کے بعد لکھا گیا تھا۔ تو اب حیرت ہے کہ ایسی حالت میں جب سورۃ احزاب حفاظ پر پیش کی گئی کس طرح اس کے آخر کی آیتیں لکھنے سے رہ گئیں جو خلیفہ سوم کے عہد میں نقل کے وقت معلوم ہوئیں ؟ کیا حفاظ صحابہ کی جماعت میں سب کو ایک قلم یہ آیت ذہول ہو گئی تھی اور کسی کو سورۂ احزاب کی آخری آیتیں یاد نہ تھیں جس کی وجہ سے مصحف صدیقی ناقص رہا۔ اور خود زید کو بھی جو مصحف صدیقی کے کاتب تھے اور قرآن کے حافظ تھے وہ بھی اس کو سارے حفاظ صحابہ کے ساتھ بھول گئے تھے۔ ایسے واقعہ پر کوئی آنکھ بند کر کے صحت کی مہر کر دے۔ مگر کوئی ذی ہوش اور صاحب بصیرت ایسے ناقابل قبول واقعہ پر ایک منٹ کے لئے اعتماد نہیں کر سکتا ہے۔ بالخصوص یہ کہ عہد صدیقی میں حفاظ صحابہ پیش کر کے قرآن جمع کیا جاتا ہے اور خلفائے راشدین رحمہم اللہ موجود ہیں اور چاروں قرآن کے حافظ ہیں پھر بھی مصحف صدیقی میں سورۂ احزاب کی آخری آیتیں لکھی نہیں جاتی ہیں یہ سورہ ناقص رہتی ہے حالانکہ خلیفہ اول اور خلیفہ دوم کو قرآن کی حفاظت اور اس کی صحت اور اس کے لفظ لفظ کی درستگی پر

جس قدر اہتمام تھا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات ایسی خلاف درایت معلوم ہوتی ہے جس کو کوئی ذی علم جو حفاظ صحابہ اور خلفاء راشدین کی زندگی سے علم رکھتا ہو ہرگز صحیح نہیں سمجھ سکتا ہے۔

(۱۰) اس روایت میں جس قرآن کو حضرت حفصہؓ کے پاس سے خلیفہ سوم نے طلب کیا تھا وہی قرآن ہے جس کے متعلق بخاری کی حدیث میں زید کا بیان یہ ہے کہ میرا لکھا ہوا قرآن زندگی بھر خلیفہ اکبر کے پاس رہا۔ ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پھر ان کے بعد ان کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا مگر اتنے زمانہ تک جن صحابیوں کے پاس یہ قرآن رہا آیا اس طرح رہا۔ جس طرح مسلمان تبرکاً قرآن اپنے گھروں میں رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین اور ازواج مطہرات کے متعلق ایسا خیال ایسی بدظنی ہے جو بعض الظن اثم کے مصداق ہے۔ بہرحال ان بزرگوں کی زندگی پر نظر رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ضرور اس قرآن سے تلاوت کی جاتی ہوگی کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کہ یہ یاد سے دیکھ کر تلاوت کو وہی فضیلت ہے جو فرض نماز کو نفل پر صحابہ کرام کی ذات سے بالکل مستبعد ہے کہ اس علم کے بعد ان کی خواہش اور کوشش نہ ہو۔ کہ دیکھ کر تلاوت کریں بالخصوص خلفاء راشدین اور ازواج مطہرات۔ پس باوجود اس کے کہ مصحف صدیقی خلیفہ سوم کے عہد تک ہمیشہ ایسے لوگوں کے پاس رہا جو حافظ تھے اور جو بفحوائے حدیث مذکور باوجود حافظ ہونے کے دیکھ کر تلاوت فرماتے ہوں گے مثلاً حضرت ابوبکر پھر اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ باوجود حافظ ہونے کے فضیلت مذکور کی بنا پر ضرور دیکھ کر تلاوت فرماتے ہوں گے۔ اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی باوجود حافظ ہونے کے دیکھ کر تلاوت فرماتی ہوں گی۔ تو ایسی حالت میں سورۂ احزاب کے آخر کی آیتوں کے متعلق کسی کو خبر نہ ہو اور اس غلطی کا اتنے دنوں تک رہ جاتا اور خلیفہ سوم کے عہد میں زید کو اس کے نقل کے

وقت معلوم ہوتا ایک ایسی بات ہے جو انسان کی فہم سے بالا تر ہے کہ ایک حافظ نہیں بلکہ تین تین حافظوں نے اس زمانہ تک جس قرآن میں تلاوت کی ہو اس میں ایسی غلطی رہ گئی ہو اور پھر خصوصیت یہ کہ ان تین حافظوں میں دو تو خلفاء راشدین کے سرتاج حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ تیسرے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عمرؓ کے گھر میں پلی ہوں اور ان کی تربیت میں نشوو نما پائی ہو اس پر بھی غلطی رہ جائے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ میرے نزدیک ایسے اختلاف قرآن کے مٹانے کے لئے جس کو خود حضورؐ نے سن کر سمجھ کر جائز رکھا تھا اور خلیفہ سوم کا قرآن شریف کی نقل پر زید کو مامور کرنا۔ اور اس کی نقل کے لئے باوجودیکہ خود زید کے پاس اپنا لکھا ہوا اور جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو سنایا ہوا قرآن موجود تھا۔ حضرت حفصہؓ کے پاس سے قرآن شریف طلب کرنا اور باوجود اس کے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پورا قرآن جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا موجود تھا۔ سورۂ احزاب کی آخری آیتوں کا محض خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس ملنا ایسی باتیں ہیں جو یا تو بالکل بے اصل ہیں یا درمیان کے کسی راوی کے بیان کی وہ غلطی ہے جو اقتضاء بشریت سے بعید نہیں ہے۔ بہر حال یہ تمام روایات بمقابلہ اس تواتر اور توارث کے جس سے قرآن ہمیں ملا ہے لائق اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبداللطیف رحمانی

علامہ تمنا | حضرت مفتی صاحب کی اس تحریر کے بعد اب قارئین کرام علامہ تمنا عمادی کی تحقیقات ملاحظہ فرمائیں جو انشاء اللہ ع

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

کی مصداق ثابت ہوں گی ــــ امام زہری کے متعلق تفصیلی گفتگو علامہ تمنا کے اس مقالہ میں کی جائے گی جس کا عنوان "امام زہری و طبری" ہے۔ اسی میں مولانا

قمرالدین سیالوی سابق صدر جمعیۃ علمائے پاکستان ۔ مولانا احمد شاہ بخاری خلیفہ مولانا احمد علی لاہوری، اور مولانا دوست محمد قریشی سابق صدر تنظیم اہل سنت کی امام زہری کے تشیع کے متعلق تحریریں بھی پیش کی جائیں گی ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ تمنّا کی تحریر سے پہلے علامہ کے متعلق کچھ اہل علم اور ادباء کے تأثرات پیش کر دیئے جائیں تاکہ علامہ مرحوم کی عظمت وانفرادیت نکھر اور اُبھر کر سامنے آجائے ۔ ان تأثرات کا بڑا حصہ اس سے قبل الرحمٰن ٹرسٹ کی طرف سے شائع کردہ کتاب "ایصالِ ثواب کے متعلق مذاکرہ" مابین علامہ تمنّا عمادی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی تقدیم میں ہم پیش کر چکے ہیں مگر ان کی افادیت کے پیش نظر علامہ کے متعلق اپنی وہ تمام تحریریں یہاں بھی درج کئے دیتا ہوں تاکہ قارئین کرام کو علامہ تمنّا کی شخصیت سے متعارف ہونے کے لئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ رہے وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ

محمد طاہر

○ مفتی و مہتمم جامعہ مدینۃ العلوم اورنگ آباد کراچی ۔۱

○ سرپرست عالمی جمعیت تدریس القرآن ۔

○ اولین ناظم اعلیٰ کل پاکستان سُنّی کونسل ۔

○ سرپرست بزم خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم

○ جنرل سکرٹری ادارۂ فکر اسلامی کراچی

○ ترجمان متحدہ سُنّی محاذ گودھرا تحریک کراچی

تاثّرات بروفات

علاّمہ تمنّا عمادی مجیبی

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، ایم، اے، پی، ایچ، ڈی استاد فلسفۂ لسانیات، ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ مشیر امور اقلیات، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ۔ حال ناظم تعلیمات ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

برصغیر ہند و پاک کے ایک مقتدر عالم دین، وسیع النظر محقق اور اردو فارسی کے بلند پایہ ادیب و شاعر مولانا محی الدین تمناؔ نے ۸۷ سال کی عمر میں گذشتہ ماہ وفات پائی۔

وہ صوبہ بہار کے ایک مردم خیز قصبہ پھلواری کے رہنے والے تھے، اور ایک ایسے علمی و دینی خاندان کے رُکن تھے۔ جہاں کچھ اوپر دو سو سال سے علم و مشیخت کا سلسلہ قائم ہے، ان کو فارسی اور فن عروض میں ماہرانہ دستگاہ حاصل تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی ؒ نے اپنے ایک مقالہ میں بہار کی باکمال شخصیتوں کا تعارف کرایا ہے، اس میں مولانا عمادی مجیبی کا تذکرہ اسی حیثیت سے کیا ہے، یہ مقالہ سید صاحب کے مجموعۂ مقالات نقوش سلیمانی میں موجود ہے۔ مولانا عمادی مجیبی بہت ہی ذہین، اعلیٰ درجہ کے طباع اور نکتہ سنج تھے، انھوں نے درس نظامی کی تکمیل اپنے والد اور خاندان کے دوسرے بزرگوں مولانا حکیم علی نعمت اور مولانا محمد منظور احمدؒ سے کی تھی، اور کچھ عرصہ[1] تک متوسطات کی کتابوں کا درس بھی دیا تھا، ان کے والد مولانا شاہ نذیر الحق فائز ایک وسیع الاستعداد

[1] خود علامہ تمنا کے ارشاد کے مطابق اور علامہ تمنا کے شاگرد مولانا اسد القادری کی تحریر کے مطابق درس و تدریس کا زمانہ چودہ پندرہ سال پر محیط ہے۔ اور اس دوران ابتدائی کتابوں سے انتہائی کتابوں تک سب کا درس دیا۔ (طاہر)

عالم تھے۔ فارسی میں فکر سخن کرتے تھے۔ ان کے کلام کا مجموعہ پروفیسر ڈاکٹر افضل امام صاحب نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ مولانا عمادی کا ابتدائی تعارف بھی ایک شاعر کی حیثیت سے ہوا، ان کی شاعری زیادہ تر بلکہ تمام تر نعت نبوی پر مشتمل تھی، وہ فارسی اور اردو میں پرجوش اور پرکیف نعتیں کہتے تھے۔ نعتوں کے ضمن میں اصلاح و موعظت کے مضمون بھی بڑی خوبی سے نظم کرتے، ان کے شیخ طریقت اور استاد شاہ رشید الحق عمادی سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ پٹنہ، جو ان کے آبائی رشتہ سے چچا بھی تھے۔ مولانا تمنا عمادی کو "حسان الہند" کہا کرتے تھے، چنانچہ ان کی نظموں کے ابتدائی مجموعے "حسان الہند علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواری" کے نام سے شائع ہوا کرتے تھے افسوس کہ ان سطور کی تحریر کے وقت ان کے اشعار کا کوئی مجموعہ نہیں ہے جو نمونہ کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ البتہ چند متفرق اشعار جو حافظے کے گوشوں میں پراگندہ پڑے ہوئے ہیں ان کا یہاں درج کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کی ایک روایت شمائل ترمذی میں ہے کہ وہ ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو یمنی چادروں میں ملبوس دیکھ رہے تھے کبھی وہ چاند کو دیکھتے اور کبھی حضور انور کو! اور کہتے کہ مجھ کو حضور انور چاند سے زیادہ خوبصورت نظر آرہے تھے اس واقعہ کو مولانا تمنا عمادیؒ نے نظم کیا تھا اس نظم کا ایک شعر یہ ہے۔

رات بھر کیوں نہ تجھے چاند میں دیکھا ہی کروں
ان کی صورت سے بہت ملتی ہے صورت تیری

شاعری ان کے فن عروض میں ماہرانہ دستگاہ کا نتیجہ تھی۔ مگر پھر بھی اکثر اشعار سلیس اور رواں ہوتے تھے مثلاً ایک نظم کا پہلا شعر ہے۔

شیوۂ احبابؓ جدا، شکوۂ اغیار جدا
میرے افسانے کے ہیں دو باب، ہر اک باب جدا

لہ یہ مصرعہ فاضل مضمون نگار کے سہو قلم نے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ شاید اصل مصرعہ یوں ہو۔ "شکوۂ غیر جدا، شکوۂ احباب جدا"

ان کی شاعری کا اصل رنگ فارسی میں کھلتا تھا، ایک مشہور زمین میں ان کے یہ دو شعر سنئے۔

حاشا کہ دل از ناوکِ جاناں گلہ دارد ٭ برباد سرائے کہ ز مہماں گلہ دارد

دیوانہ بکار است چہ داند زدستش ٭ داماں گلہ دارد کہ گریباں گلہ دارد

مولانا تمنا عمادیؒ کے شاگردوں کی تعداد خاصی تھی جن میں بعض بہت کامیاب شعراء بھی رہے ہیں جیسے نجم، ارمان اور شفیع تمنائی پھلواروی، ان کے علاوہ خاندان کے اکثر و بیشتر نوجوان جن کے اندر شاعری کی امنگ پیدا ہوئی، مولانا سے ہی رجوع کرتے تھے۔ مگر شعر و ادب سے دلچسپی جوانی ہی کی عمر میں کم ہو گئی تھی، علمی و تحقیقی مصروفیات نے اس ذوق پر غلبہ حاصل کر لیا تھا لیکن شعر و ادب سے وہ کلیۃً مستعفی نہیں ہوئے تھے، اپنے وسیع اور عالی شان مکان کا نام انھوں نے "دارالادب" ہی رکھا تھا جو ان کی ہجرت پاکستان کے بعد دوسروں کے قبضے میں آیا مگر اس کے دروازوں کا کتبہ اب بھی باقی ہے۔

وہ خاندانی صوفی تھے، تصوف کی گودوں میں پلے تھے، ان کے جد امجد (چھٹی پشت کے دادا) حضرت تاج العارفین شاہ محمد مجیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے اخلاف کی دو خانقاہیں پھلواری اور پٹنہ میں موجود ہیں۔ ان کی خانقاہوں کے "رسوم و آداب" نہ خالص دیوبندی طرز کے ہیں نہ بریلوی انداز کے، ان دونوں کے درمیان ایک معتدل اور متوسط انداز کی رسمیں وہاں رائج ہیں جن میں رسم سماع بھی شامل ہے۔ مولانا تمنا عمادی ان مروجہ مراسم تصوف سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ ذکر، شغل، مراقبہ، قبور سے لے کر حال قال میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان مراسم سے دل برداشتہ ہو گئے بلکہ ان کے سخت مخالف ہو گئے۔ اس تبدیلی کا سبب خواہ کتاب و سنت کے مطالعہ کا خاص انداز رہا ہو یا کوئی دوسرا نفسیاتی سبب اس کا تعین دشوار ہے[1]۔ بہرحال یہ باتیں راقم الحروف

---

[1] خود علامہ تمنا کے ارشاد کے مطابق (جیسا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے نام خط میں انھوں نے تحریر کیا ہے) تصوف اور اس کی رسوم سے علامہ کے بُعد کی وجہ کتاب اللہ، سیرت رسول اللہؐ اور سیرت اصحابِ رسول اللہ کا غیر جانبدارانہ مطالعہ تھا۔ ورنہ ظاہر ہے ایک خاندانی پیر گھرانے کے فرد کے لئے صوفیانہ رسوم سے فائدے ہی فائدے تھے۔ (طاہر)

کے وجود سے پہلے کی ہیں۔ اس لئے ان پر رائے زنی آسان نہیں ہے کہ تصوف سے انحراف و انکار کا باعث کیا تھا۔ البتہ جو چیز ہوش سنبھالنے کے بعد دیکھی اور سُنی وہ یہ تھی کہ مولانا تصوف، خانقاہ اور خانقاہیت کے شدید منکر تھے۔ وہ اپنے گھر پر ہر جمعہ کو درسِ قرآن کا جلسہ کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم سے ان کو شغف تھا، عربی لغت و نحو پر ان کو عبور کامل تھا۔ تفسیروں پر نظر تھی۔ تصوف پر جب وہ نکیر کرتے تو کہا کرتے تھے کہ مجھے یہ الزام نہیں دیا جا سکتا کہ

ع لذت ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

تصوف کے انکار سے ان کے اندر ایک ذہنی انقلاب پیدا ہوا۔ انھوں نے اپنی عمر میں بار بار رائے نہیں بدلی۔ یہی ایک تبدیلی تھی جو اول و آخر ہوئی مگر اس کے نتائج بہت دور رس اور بعد میں تکلیف دہ حد تک غلو کی شکل میں نمایاں ہوئے۔ پہلا نتیجہ تو یہ نکلا کہ وہ تحقیق میں تقلید سے آزاد ہو گئے[1] وہ مسائل میں تحقیق کے وقت براہ راست قرآن و احادیث اور زیادہ تر قرآن کریم سے استشہاد کرتے۔ ائمہ مجتہدین اور ان کے پیرو بزرگوں کے اقوال ان کے لئے دلیل کا درجہ نہیں رکھتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے مقالات میں حوالے کبھی ثانوی مآخذ ——— (SECONDERY SOURCES) کے نہیں دیتے تھے۔ انکار تصوف کا دوسرا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ تصوف کے "سلسلۃ الذہب" سے ان کے اندر ایک کد پیدا ہو گئی اور مناظرانہ جوش میں وہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور خاندان رسالت کے افراد پر اس طرح تنقید کرتے جس طرح شیعہ سنی مناظرہ کرنے والے بعض اہل سنت علماء کرتے ہیں بلکہ ان سے بھی دو قدم آگے۔[2]

---

[1] یہ نتیجہ تو بہت مبارک تھا اسے "تکلیف دہ حد تک غلو" کہنا بڑی زیادتی ہے۔ تحقیق حق میں اگر کوئی شخص اپنے خاندانی یا علمی اکابر یا فرقہ کی تقلید سے آزاد نہ ہو تو وہ تحقیق کر ہی نہیں سکتا۔ (طاہر)

[2] علامہ تمنا خود محترم مقالہ نگار کے ارشاد کے مطابق حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے تھے یعنی ہندی محاورہ کے مطابق سید تھے لہٰذا حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ ان کے جد امجد تھے۔ پھر صحابی تھے اور علامہ کا مسلک تو ازاول تا آخر اسوۂ صحابہ کی تعمیل تھا جسے وہ قرآنی اصطلاح میں سبیل المؤمنین کہا کرتے تھے اور اس عنوان پر انھوں نے باقاعدہ ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ لہٰذا اگر وہ صحابۂ کرام کی اکثریت کے مقابلہ میں اپنے اجداد کی ایک آدھ خطاء اجتہادی کا اعتراف کرتے تھے تو یہ تو ان کی حق شناسی کا بہت بڑا ثبوت ہے نہ کہ "تکلیف دہ حد تک غلو" کا

غالباً یہی رگ تھی جس نے ان کے قلم سے محمود عباسی کے ان خرافات کی بھی تائید کرا دی۔ جن پر تحقیق کا لیبل علم پر ایک بدترین تہمت[1] ہے جس میں کھلا دجل، عبارتوں کی قطع و برید، غلط انتساب سب کچھ ہے۔

وہ حدیث کے منکر نہیں تھے۔ یہ ان پر اتہام ہے۔ وہ نام نہاد اہل قرآن کی طرح علم حدیث سے کورے نہیں تھے۔ بلکہ رجال احادیث پر ان کا اتنا بڑا کام ہے جس کی نظیر بہت سے شیخ الحدیثوں کے یہاں نہیں مل سکتی، وہ صرف یہ کہا کرتے تھے کہ حدیثیں قرآن کی ناسخ نہیں ہوسکتیں اور جو حدیثیں نص قرآن سے متعارض ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہوسکتیں۔ مگر ہند و پاک کے اس گروہ نے جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے مولانا کی تحریروں سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ احادیث کے متون اور رجال سند کی بحثیں جن کا جائزہ لینا ان کے بس میں نہ تھا اس کام کو مولانا عمادی انجام دیا کرتے تھے اس میں ان کی تائید کے پہلو مل جاتے، اُس کو اجاگر کر کے پیش کرتے، اس طبقہ کے اس طرزِ عمل نے مولانا کو کئی نقصان پہنچائے۔ ایک طرف تو مدارس کے علماء نے ان کو بھی

(بقیہ ص۵۶ کا حاشیہ) اگر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ۔ حواریٔ رسول حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی خطاءِ اجتہادی پر زور دینا اور اس کا پروپیگنڈہ کرنا بلکہ اسے عقیدہ بنا لینا جرم نہیں ہے تو حضرت علیؓ و حضرت حسینؓ کی کسی خطاءِ اجتہادی کا قائل ہونا جرم کیوں ہو؟ کیا ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ اور حواریٔ رسول حضرت زبیرؓ کی خطائے اجتہادی کا تذکرہ کرنے والے بھی "تکلیف دہ حد تک غلو" کے مرتکب کہلائیں گے یا ان کے خطاءِ اجتہادی کا تذکرہ کرنا جرم نہیں ہے؟ حضرت! اگر اصول ہو تو سب کے لئے یکساں ہونا چاہیئے۔ ورنہ صحابہ کرام میں سے کچھ کے لئے معیار جدا ہو، اور کچھ دوسروں کے لئے جدا معیار ہو یہ طرزِ عمل اصول اور عدل کے خلاف ہے اور فی الحقیقت "تکلیف دہ حد تک غلو" یہ طرزِ عمل ہے نہ کہ علامہ تمنا کی اصول پسندی جس کی وجہ سے تمام صحابۂ کرام کو ایک نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ (طاہر)

[1] محترم مقالہ نگار کا یہ فیصلہ بھی انتہاپسندانہ ہے۔ عباسی مرحوم کی یہ کتاب نہ اس قدر بری ہے جیسا کہ مقالہ نگار کا ارشاد ہے۔ نہ ایسی غیر معمولی جیسا کہ اس کتاب کے معتقدین سمجھتے ہیں۔ اگر محترم مقالہ نگار اس کتاب کو اس حد تک بدترین سمجھتے ہیں تو انھیں کسی مختصر مقالہ ہی میں ہی اس کتاب کی علمی تنقید کرنی چاہیئے تھی۔ جذباتی انداز کے الزامات نامناسب ہیں۔

پرویز جیسا مدعی علم سمجھ لیا اس لئے ان کی باتوں کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا اور کبھی ان کا نام بھی لیا تو اسی انداز سے جس طرح پرویز صاحب کا نام تحقیر و استخفاف کے ساتھ علمی و دینی حلقوں میں لیا جاتا ہے۔

دوسری طرف ان محمود عباسیوں، پرویزیوں اور اہلِ قرآنوں نے مولانا تمنا کی مکمل بات سامنے نہیں آنے دی۔ چند ماہ پہلے ماہنامہ فاران میں مولانا تمنا کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے اس مظلومیت کا اظہار کیا تھا۔

عالم باعمل بہر حال اپنے "موتی" کا ذکرِ خیر کرنا چاہیے، ان کی خاص بات جس کی شہادت ان کے انتقال کے بعد دی جا سکتی ہے اور جس کی شہادت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ وہ مخلص اور سچے مسلمان تھے، انھوں نے جو کچھ لکھا اور کہا وہ ان کے ضمیر کی آواز تھی اور ان کی تحقیق کا نتیجہ تھا، انھوں نے اپنے نظریہ کے تحت (کسی یافت کے لئے نہیں) اپنا جاجایا گھر، نیک نامی اور عزت کی زندگی، خوشحالی اور فارغ البالی کی معیشت کو چھوڑ کر ـــــ مشرقی پاکستان میں ہجرت کی، اپنے اعزہ اور خاندان کے افراد جن کی بے پناہ محبت ان کے دل میں تھی اور جن کے نازک سے نازک جذبات کا وہ احترام کرتے تھے، ان سب کی بے رخی مول لی۔ ان کے اخلاص و صداقت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی ایسے خاندان میں کر دی جس کو بہار کی ہندوانہ معاشرت سے متاثر مسلم معاشرہ نسبی اعتبار سے پست سمجھتا تھا، اور خاص طور سے "پھلواری" کے مشائخ کا خاندان جو اس کو "ناک کٹانے" کے مرادف سمجھتا تھا، وہاں انھوں نے کسی تنقید کی پروا نہ کی، یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ یہ اقدام وہی کر سکتا تھا جس کو اپنے عقائد پر اطمینان کامل ہو، لوں وعظ کہنا اور مضمون لکھ دینا آسان ہے مگر عملی اقدام وہی کر سکتے ہیں جو اولوالعزم ہوں!

ان کا دوسرا وصف یہ تھا کہ وہ عمر بھر ایک نہ تھکنے والے محنتی طالبِ علم رہے۔ اپنے ہوش سنبھالنے سے لے کر بسترِ مرگ تک جبکہ ان کو اپنی موت صاف نظر آرہی تھی علمی تحقیق و جستجو میں مصروف رہے، راقم الحروف کے پاس ان کا آخری خط نومبر کی کسی تاریخ کا ہے انتقال سے

دس پندرہ روز پہلے لکھا تھا۔ اس کی ابتدا اس طرح کی تھی کہ یہ خط اپنے بستر مرگ سے لکھ رہا ہوں' اس خط میں بھی قرآن کریم کے چند الفاظ اور ان کی تعبیر پر تحقیقات کا مفصل ذکر تھا۔ ان کے اس خط کو پڑھ کر مجھے ایک بزرگ عالم کا واقعہ یاد آیا کہ انھوں نے اپنے آخری لمحات زندگی میں کسی سے فرائض کے ایک مسئلہ کو دریافت کیا' لوگوں نے کہا یہ آپ کا آخری وقت ہے اس وقت آپ یہ معلوم کر کے کیا کریں گے انھوں نے جواب دیا کہ کسی شے سے واقف ہو کر مرنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ جاہل رہ کر مروں!

مولانا تمنا عمادی مجیبی ۱۳۰۸ھ میں ایک کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے اور ۱۳۹۲ھ میں کراچی میں مسافرانہ بیکسی کی حالت میں فوت ہوئے حق تعالیٰ جل شانہ کی شانِ رحمت جو مغفرت کے لئے بہانہ ڈھونڈتی ہے ان کو بخش دے۔ (آمین)

(ماہنامہ فاران کراچی)

دیگر اہلِ علم کے تأثرات

۲۔ مولانا اسد القادری

گل کہوں، بلبل کہوں، گلشن کہوں یا باغباں
تو سبھی کچھ ہے کہوں میں کیا تجھے اے جانِ جاں

مفسّر، محدث، فقیہ، ادیب و شاعر، جامع العلوم وحید العصر، مولانا تمنا عمادی مجیبی کی شخصیت اس قدر جامع الکمالات، جامع الحیثیات اور جامع الجہات ہے کہ فی الحقیقت اپنی مثال نہیں رکھتی۔

چودہ سال تک بخاری و مسلم، بیضاوی و کشاف اور حماسہ و متنبیّ جیسی کتابیں پڑھاتے رہے، میرزاہد، ملاّ جلال اور صدرا وغیرہ فلسفہ و منطق کی معرکۃ الآراء کتابوں پر اس قدر بلند پایہ حواشی و شروح لکھیں کہ اکابر علماء نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا، دیوان امرأ القیس و مقامات کی شرح لکھی، عربی صرف و نحو پر محققانہ کتاب لکھی، اردو، فارسی اور عربی گرامر پر ایسا عبور شاید ہی کسی کو حاصل ہو۔ علم عروض و قوافی میں امام وقت تفسیر و تنقید احادیث میں وسیع النظر ماہر۔ قرآن مجید کے مشہور مفسر، پھر عربی، فارسی، اردو شاعری میں استادانہ مہارت رکھنے والا اگر صرف ایک آدمی ڈھونڈیں تو حضرت استاد ممدوح کے سوا اور کوئی ہندو پاک کی وسیع آبادی میں آپ کو نہ ملے گا۔ شاعر کے الفاظ میں۔ ع

آپ بے بہرہ ہیں جو معتقدِ میر نہیں

۳۔ فراہی مکتب فکر کے مولانا جاوید الغامدی۔ (مدیر ماہنامہ اشراق لاہور)

علامہ تمنا کی تحقیقات سے میں نے بہت استفادہ کیا ہے۔

۴۔ مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی

فن اسماء الرجال پر علامہ تمنا کو جو عبور ہے اس کے پیش نظر ان کے سامنے میں خود کو طفل مکتب سمجھتا ہوں۔

۵۔ مولانا افتخار احمد بلخی

مصنف "فتنۂ انکار حدیث کا پس منظر و پیش منظر" جسے جماعت اسلامی کے پروفیسر خورشید احمد نے اپنے مکتب چراغ راہ کراچی سے شائع کیا ہے۔ بلخی صاحب علامہ مرحوم کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اپنی اس کتاب کے حصۂ سوم میں جگہ جگہ علامہ تمنا کے تبحر علمی اور حجیت حدیث کے قائل ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

۶۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی

جو حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، کپور تھلہ کی جامع مسجد کے خطیب تھے جہاں سر سلطان محمد آغا خاں نے بھی ان کے پیچھے نماز ادا کی۔ جماعت اسلامی کے بانی اراکین میں سے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور کے مقبول ترین مصنف تھے ـــ مولانا جعفر شاہ صاحب نے علامہ تمنا سے بہت استفادہ کیا ہے۔ علامہ کے سوانح نگار جناب انیس الرحمٰن ایڈوکیٹ نے مولانا جعفر شاہ کو علامہ مرحوم کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ مولانا جعفر کہا کرتے تھے کہ مجھے پیر پرستی اور اکابر پرستی کی دلدل سے نکال کر سبیل المؤمنین (راہِ صحابہؓ) پر ڈالنے والے علامہ تمنا ہیں۔ ان جیسا جامع العلوم شخص میری نظر سے نہیں گذرا۔

۷۔ مبلغ اسلام پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا اعتراف۔

شارح اقبال اور علامہ اقبال کے قائم کردہ تبلیغی کالج لاہور کے پرنسپل (جہاں سے قاضی مظہر حسین وغیرہ فضلاء دیوبند نے تبلیغ کی تربیت حاصل کی)

کہتے ہیں کہ : قرآن کریم اور قدیم فلسفہ پر علامہ تمنّا کو جو عبور حاصل ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ فلسفہ کی قدیم کتابوں اور شیخ اکبر ابن عربی کی فتوحات مکیہ و فصوص الحکم پر گفتگو کرتے ہوئے وہ ان کے صفحوں کے صفحے زبانی سناتے چلے جاتے ہیں۔

۸۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔

علامہ تمنّا کے بڑے صاحبزادے مولانا امام الدین فائق۔ جماعت اسلامی کے تاسیسی رکن تھے۔ مودودی صاحب نے ان سے ملاقات کے موقعہ پر کہا کہ آپ کے والد اپنے مجتہدانہ ذوق اور علمی تبحّر کے اعتبار سے برصغیر کے امام ابن حزم ہیں۔

۹۔ مولانا اسدالرحمٰن قدسی بھوپالی

جو عالم ہونے کے ساتھ مُرشد طریقت بھی تھے۔ کہا کرتے تھے کہ تصوف پر جس قدر فنی عبور علامہ تمنّا کو حاصل ہے، اتنا ان کے کسی ہم عصر کو حاصل نہیں ہے میں تصوف کا مسند نشین ہونے کے باوجود ان کی تصوف پر تنقیدات کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

۱۰۔ حکیم الامت علامہ اقبال

کی فرمائش پر جب علامہ تمنا عمادی نے انتظار مہدی و مسیح کی روایات پر فن اسماء الرجال کی رُد سے تنقید کی تو علامہ اقبال بہت متاثر ہوئے اور قادیانیت کے خلاف اپنے انگریزی مضامین میں انتظار مہدی و مسیح کے عقیدے کو غیر اسلامی اور مجوسی تصور قرار دیا۔ مولانا عرشی امرتسری سے (جن کی وساطت سے علامہ اقبال نے ان روایات پر تبصرے کی علامہ تمنّا سے فرمائش کی تھی) اپنے تاثر کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا کہ میرا خیال ہے علامہ ابن حجر عسقلانی کے بعد سے (جن کو عرصہ چھ سو سال کا ہوتا ہے) اتنا بڑا ماہر فن اسماء الرجال کوئی عالم نہیں ہوا جیسا کہ علامہ تمنّا عمادی ہیں۔

۱۱۔ حضرت شاہ سلیمان پھلواروی۔

جن کا احترام سرسید اور علامہ اقبال بھی کرتے تھے۔ سرسید نے اپنے رسالہ تہذیب الاخلاق

میں ان کی تقاریر شائع کی ہیں اور علامہ اقبال نے استفادہ کے لئے شاہ صاحب کو جو خط لکھا تھا وہ شاہ صاحب کے مجموعۂ مکاتیب میں شائع ہو چکا ہے۔ شاہ صاحب علامہ تمنّا کے رشتہ دار تھے اور ان سے مختلف مباحث پر تحریری و تقریری مذاکرے بھی ہوتے رہتے تھے۔ مولانا جعفر شاہ کی روایت کے مطابق ان کے والد محترم نے علاّمہ تمنّا کی مہارت حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر دس شیوخ حدیث کی مہارت فن یکجا کی جائے تو ایک مولانا تمنّا بنتے ہیں۔

۱۲۔ خواجہ احمد امرتسری۔

(علامہ اقبال کے وہ ممدوح جن کی وفات پر علامہ نے فرمایا تھا کہ "ایسے عالم باعمل روز روز پیدا نہیں ہوتے۔" اور صوفی تبسم کے نام خطوط میں علامہ نے فقہ کی جدید تدوین کی فرمائش بھی انھیں سے کی تھی) خواجہ صاحب نے ایک مرتبہ علاّمہ تمنّا سے یہ سوال کیا کہ دو سجدوں کا قرآن مجید میں کہیں ذکر ہے؟ تو علامہ تمنّا نے جواب دیا کہ جی ہاں ایک تو سجدۂ عبودیت کا حکم ہے (فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا' سورۂ نجم ۶۲/۵۳) اور دوسرے سجدۂ قربت کا (وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ سورۂ علق ۹۶/۱۹) خواجہ صاحب یہ استدلال سن کر جھوم گئے اور فرمایا بلاشبہ جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا' واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے نظیر ذہانت سے نوازا ہے۔

علاّمہ تمنّا ادیبوں کی نظر میں

علامہ تمنا مرحوم نے سر علی امام کی فرمائش پر شوق سندیلوی کی کتاب اصلاح سخن پر تنقید لکھی جو ایضاح سخن کے نام سے ڈھائی سو سے زیادہ صفحات میں کئی مرتبہ شائع ہوئی اس پر اہلِ نظر ادبا اور شعرا نے جو خراج عقیدت پیش کیا اس کی چند جھلکیاں دوسرے اڈیشن (۱۹۶۱ء) سے ملاحظہ ہوں۔

۱ ۔ حضرت نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار لکھنؤ

شوق سندیلوی کی اصلاح سخن تو محض ایک تفنّن تھا، لیکن مولانا تمنا عمادی نے جو اپنے فضل و کمال و جامعیت علوم کے لحاظ سے اس وقت اپنا جواب نہیں رکھتے، ایضاح سخن لکھ کر اسے فن میں تبدیل کر دیا۔

نہ شوق کی غزل میں کوئی خاص بات تھی، نہ اس کی اصلاحوں میں۔ لیکن مولانا تمنّا عمادی نے بہ سلسلۂ تشریح و تنقید سیکڑوں لغوی، لسانی، فنی نکات ایسے پیش کر دیے کہ کتاب ایک عالمانہ تصنیف بن گئی۔ سچ ہے جو بھی پارس پتھر کو چھولے تو وہ بھی سونا بن جاتا ہے۔ ص ۲۶۵

۲ ۔ حضرت جوش ملیح آبادی

حضرت مولانا تمنا عمادی کی کتاب "ایضاح سخن" کے سرسری مطالعے سے میں جس تعجب انگیز مسرت سے دوچار ہوا، اس کی شرح نہیں کی جا سکتی۔

یہ فیصلہ کر کے میں بہت اداس اور مایوس تھا کہ اب شعر و ادب اور لسانیات کے مقامات و نکات سے یہ عصر، یک سر خالی اور بیگانہ ہو چکا ہے اور

ع "آں قدح بشکست وآں ساقی نماند"

کے بعد زبان و ادب کی وادی پر اس قدر گھپ اندھیرا چھا چکا ہے کہ اس گوشے سے اب کوئی کرن پھوٹ نہیں سکے گی۔

لیکن جس وقت اس کتاب کو کہیں کہیں سے پڑھا میری آنکھیں روشن ہو گئیں اور نہایت خوشی کے ساتھ کہنا پڑا کہ ع

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

میری تمنا ہے کہ حضرت تمنا کے سے ماہر زبان وفن، تادیر تندرست اور زندہ رہیں اور اسی کے دوش بدوش میری یہ آرزو بھی ہے کہ وہ سجادے سے دور ہو کر پھر ایک بار مسند ادب پر جلوہ افروز ہو جائیں اور ادب اردو کے مطلع کو دوبارہ جگمگا دیں۔

مت سہل انھیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں

تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں (۲۶۹)

۳۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی۔

ایضاح سخن کا ایک نسخہ صادر ہوا۔ عزت افزائی کا شکر گذار ہوں۔

..... فن شعر پر آپ کو جو عبور ہے اس پر اعتقاد نہ رکھنے والا "آپ بے بہرہ ہے" آپ ایسے کامل الفن اب بہت کم ملیں گے، گو یہ خراج تحسین وہ پیش کر رہا ہے جو شاعری کے فن میں کورا ہے۔

میرا کچھ اس طرح کا خیال ہے کہ ایضاح سخن سے آجکل کے طلبہ نہیں بلکہ ان کے والدین اور اساتذہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں بشرطیکہ ایسے والدین اور اساتذہ رہ بھی گئے ہوں جو فن کے غوامض سے بہرہ یاب ہوں۔ یوں تو ان دنوں والدین اور اساتذہ سے زیادہ ارزاں متاع شاید ہی کوئی اور ہو۔

میں آپ کے تبحر علمی کا جتنا قائل ہوں اتنا ہی اس پر شرمندہ اور متاسف ہوں کہ آپ نے اس کتاب پر اتنا قیمتی وقت اور بے بہا استعداد صرف کی..... البتہ آپ نے اس سلسلہ میں جو نکاتِ فن، زبان اور اس کے متعلقات بیان کر دئے ہیں وہ ہر اعتبار سے نہایت قابل قدر ہیں جس کے لئے خدمت گذارانِ شعر و ادب آپ کے احسان مند رہیں گے۔ (ص۲۶۹)

۴ ڈاکٹر عندلیب شادانی (صدر شعبۂ اردو، فارسی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی)

ایضاح سخن بظاہر شوق سندیلوی کی اصلاح سخن پر تبصرہ ہے لیکن درحقیقت یہ دلچسپ کتاب تخلیقی ادب کا مرتبہ رکھتی ہے۔ فن شعر و ادب کے کتنے ہی مسائل اس خوبی اور شرح و بسط کے ساتھ معرض تحریر میں آئے ہیں کہ بے اختیار آفرین کہنے کو جی چاہتا ہے۔

..... اصلاح شعر کے موضوع پر اردو میں اور بھی کئی کتابیں موجود ہیں لیکن ایضاح سخن میں جس طرح داد سخن دی گئی ہے اس کی مثال دوسری جگہ مشکل سے ملے گی۔ (ص ۲۶۳)

علامہ تمنا کہ ہیں اک علم کا دریا — واقف نہیں کون آپ سے ادنیٰ ہو کہ اعلیٰ
اخلاق میں اطوار میں تقویٰ میں عمل میں — ذات ان کی نمونہ ہے بزرگان سلف کا
کل عمر ہی گو دین کی خدمت میں لگا دی — دنیا میں صلہ اس کا کسی سے نہیں چاہا
لکھا ہے مہمات مسائل پہ بہت کچھ — آسان نہیں جملہ تصانیف کا احصا
بھٹکا نہ کسی تنگیِ اسباب معیشت — سائل نہ ہوا غیر سے اللہ کا یہ بندا
گو شاعری ہے آپ کے رتبہ سے فروتر — جاتا ہے ادھر سے بھی دلِ فیض کو رستا
اس رنگ میں بھی اپنے حریفوں سے ہے ممتاز
استادِ گراں مایہ، گراں پایہ تمنا (ص ۲۷۱)

۵۔ پروفیسر ڈاکٹر شوکت سبزواری۔ (مدیر اردو لغت ترقی اردو بورڈ کراچی)

قدیم و جدید کی آویزش یوں تو قدیم زمانہ سے ہے اور ہر عہد میں جدید کو قدیم کے مقابلے میں "لذیذ" سمجھا گیا ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں جدید نے یورش کر کے قدیم کو تہس نہس کرنے کی جو آخری کوشش کی ہے وہ اب مجھے پھل ہوتی نظر آتی ہے۔ جدید علوم و فنون ابھر رہے ہیں۔ قدیم مٹتے جا رہے ہیں۔ جدید تنقیدی نقطۂ نگاہ کی چمک قدیم انداز فکر و نظر کو ماند کر رہی ہے اور اب یہ کیفیت ہے کہ قدیم علوم کے ماہر اور قدیم فنون کے حامل جو محققانہ انداز فکر کے ساتھ گہری تحلیلی نظر بھی رکھتے ہوں، خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

اور یادگار زمانہ سمجھے جاتے ہیں۔ میرے محترم بزرگ مولانا تمنا عمادی حَرَسَہُ اللّٰہُ مِنْ شَرِّ الْاَعَادِیْ انھیں یادگار روزگار ہیں سے ہیں وہ بقیۃ السلف ہی نہیں "بقیۃ المغتنمات" بھی ہیں۔ خدا تعالٰے ان کی عمر دراز کرے۔ آمین

مولانا مدظلہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ادبی ذوق بھی رکھتے ہیں۔ بہت سی علمی، فنی، ادبی کتب و رسائل کے جن کا پایۂ نقد و تحقیق بہت بلند ہے، مصنف ہیں۔ ان کی لذیذ تر تصنیف "ایضاح سخن" اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس میں مولانا مدظلہٗ نے شوق سندیلوی کی "کتاب اصلاح سخن" کی اصلاحات پر ناقدانہ نظر ڈال کر ان کی استادانہ شرح و تنقید کی ہے۔ ضمناً بہت سے علمی و ادبی اور لغوی مسائل بھی زیر بحث آگئے ہیں۔ مولانا مدظلہٗ نے دقت نظر اور علمی تبحر سے کام لے کر جس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے اس کی تحقیق و تنقید کا حق ادا کر دیا ہے۔ خدا تعالٰے ان کو اس کی جزا اور خیر الجزا عطا فرمائے۔ آمین (ص۲۶)

۶۔ مفتی انتظام اللہ شہابی ۔ جنرل سکرٹری پاکستان اردو اکیڈمی

ایضاح سخن ایک صاحب فضل و کمال بزرگ کا علمی و فنی محاکمہ ہے جن کی علمی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ علامہ تمنا عمادی مدظلہ کی مذہبی اور ادبی تصانیف ایک امتیازی خصوصیت کی حامل ہیں۔ جناب کے علمی تبحر کا میں عرصہ سے معترف ہوں۔ ایضاح سخن کے مطالعے سے واضح ہوا کہ علامہ ممدوح کو شاعرانہ بصیرت اور فن شعر کی مہارت میں بھی یدِطولیٰ حاصل ہے۔ معاصر شعراء کی اصلاح کو فن کے اعتبار سے غیر جانبدارانہ طور سے جانچا، پرکھا اور ان امور کی نشان دہی کی ہے جہاں کلام ہو سکتا ہے۔

شعر و شاعری کے سلسلہ میں ایضاح سخن اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔ سخن سنجوں اور سخنوروں کے لئے ایک دعوتِ فکر ہے۔ اس کتاب کی یہ بڑی خوبی ہے کہ اس میں تعلّی اور کج بحثی نہیں ہے۔ (ص۲۷)

۷۔ پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی ۔ سابق پروفیسر سینٹ کولمباز کالج بہار۔

ایضاح سخن مولانا تمنا عمادی پھلواروی کی اس تصنیف کی جدید اشاعت ہے جو آج سے

چالیس سال پیشتر شوق سندیلوی کی ایک غزل پر اساتذۂ عصر کی اصلاحات پر تنقیدی تبصرہ کے طور پر لکھی گئی تھی . . . . . مولانا نے قریب قریب ہر علمی جولانگاہ میں جولانی دکھائی ہے، وہ عروضی و نحوی بھی ہیں - ایک نغز گو شاعر بھی اور محقق علوم و فنون بھی مگر اب ان کی منزل ادبیات سے بلند تر ہے اور وہ دینیات کے مرد میداں ہیں . بالخصوص علم الرجال میں ان کی نظیر ہند و پاکستان میں نظر نہیں آتی - ان کا تفنّنِ طبع اور تنوع ذوق مولانا شبلی مرحوم کی یادؒ تازہ کرتا ہے - اللہ امت کو ان کی تحقیقات سے مستفیض رکھنے کے لئے انھیں تا دیر بخیر و عافیت سلامت رکھے - (ص ۶۴)

۸ - حضرت ماہر القادری ایڈیٹر فاران کراچی

علامہ تمنا عمادی علم و فضل کا سمندر تھے - ان کا مطالعہ اتنا وسیع تھا کہ دور حاضر میں اس قدر کثیر المطالعہ علماء خال خال ہوں گے - وسیع الاطراف جامع شخصیت ! تجوید کے فن سے عام طور پر بڑے بڑے علماء دین واقف نہیں ہوتے مگر علامہ تمنا اس فن میں بھی درک رکھتے تھے . شعر و سخن اور فن عروض میں انھیں استادی کا مرتبہ حاصل تھا - آخر عمر میں ہزاروں صفحے قدیم مطالعہ، یادداشت اور حافظہ کی مدد سے لکھ ڈالے لکھنا اور مسلسل لکھنا ان کی زندگی تھی، تحریر دی رات دن کا مشغلہ تھا، بلکہ یوں کہئے کہ اسی شغف، جذبے اور شوق و مشغولیت کے سہارے جی رہے تھے -

امام مالک ہوں، امام ابو حنیفہ، امام غزالی اور امام ابن تیمیہ ہوں، ان تمام اکابر کے مداح بھی تھے اور کسی نہ کسی مسئلہ میں ناقد بھی - اپنے مطالعہ اور تفکر و تدبر پر انھیں بڑا اعتماد تھا ——— مسٹر پرویز کی لغات القرآن پر علامہ تمنا عمادی نے بڑی

---

[1] علامہ تمنا کی سوانح میں ہے کہ پھلواری کی ابتدائی تعلیم میں سید سلیمان ندوی اور علامہ تمنا ایک ساتھ پڑھتے رہے ہیں، اس کے بعد سید سلیمان تو ندوہ لکھنؤ چلے آئے اور علامہ نے دینی تعلیم کی تکمیل تو پھلواری ہی میں کی لیکن شاعری میں وہ علامہ شبلی سے مستفید ہوئے - اس طرح وہ اپنے تفنّن طبع اور تنوع ذوق کے اعتبار سے تو علامہ شبلی کا پرتو کمال ہیں ہی، شعر و سخن میں باقاعدہ علامہ شبلی کے شاگرد ہیں - (طاہر)

کس کر تنقید کی ہے۔ ان کے کئی مضامین فاران میں بھی چھپ چکے ہیں اور اس موضوع پر نہ جانے کتنے بہت سے مضامین غیر مطبوعہ ہی رہے !

علامہ تمنا عمادی سر سے پیر تک دینی آدمی تھے اور حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد امجاد کے لئے دل میں جذبۂ احترام رکھتے تھے، لیکن شیعیت کی ضد اور مخالفت نے ان کو اس سطح تک پہونچا دیا کہ سات ہزار اشعار جمل و صفین اور حرہ و کربلا کے تاریخی واقعات پر کہے اور ان کو القصیدہ الزہراء کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا اپنی اس کتاب پر انھوں نے طویل مقدمہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ جو روایتیں امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ رضی اللہ عنہم اور مروان و یزید کے بارے میں مشہور ہیں وہ شیعی مورخین کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ واقدی وکلبی تو الگ رہے وہ ہشام اور سدی کو بھی کاذب کہتے ہیں۔

کوئی شک نہیں القصیدۃ الزہراء کے مقدمہ کا انداز محققانہ ہے۔ بعض باتیں دل کو لگتی ہیں مگر علیؓ و معاویہؓ کی نزاع میں حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور جو تحقیق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطاکار ٹھہرائے وہ تحقیق کوئی وزن نہیں رکھتی [1]۔ حضرت حسینؓ امت کے محبوب و مخدوم ہیں اور یزید و مروان مبغوض اور ناپسندیدہ [2] شخصیتیں ہیں۔

---

[1] حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ معصوم نہ تھے۔ ان سے بھی نیک نیتی کے ساتھ غلطی ہو سکتی ہے۔ اگر حضرت علیؓ کے برخلاف دوسری رائے رکھنے والے صحابۂ کرام یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ عشرۂ مبشرہ میں سے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ۔ حضرت معاویہؓ و حضرت مغیرہؓ۔ و حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ کو غلطی پر کہا جا سکتا ہے تو حضرت علیؓ کو خطائے اجتہادی مان لینا جرم کیوں ہو؟ اسی طرح حضرت حسینؓ کو خروج سے روکنے والے صحابۂ کرام کی رائے برحق اور حضرت حسینؓ کی خطائے اجتہادی کیوں نہ تسلیم کی جائے ؟ ——— بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی رافضیوں کی طرح ان حضرات کو معصوم سمجھنے کے جراثیم پیدا ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے ماہر صاحب نے یہ جذباتی رویہ اختیار کر لیا ہے۔ [2] کسی کے ناپسندیدہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بلا دلیل ہر الزام اس پر تھوپ دیا جائے۔ قرآن مجید کا صاف ارشاد ہے لا یجرمنکم شنآن قوم ۔۔۔

علامہ تمنا عمادی مرحوم اسلام اور ملت کی خیر خواہی کا بڑا شدید جذبہ رکھتے تھے، دین ان کی گھٹی میں پڑا تھا! نماز میں اللہ اکبر بڑے ہی سوز درد کے لہجے میں ان کے منہ سے نکلتا! اپنی اہلیہ کے انتقال پر مجھے خط لکھا کہ کینسر کا مریض ہوں اور میرا بھی اب چل چلاؤ کا وقت ہے! ان کا گمان ٹھیک نکلا۔ اسی مرض میں ان کا انتقال ہوا۔ عمر نوے کے قریب پائی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی لغزشوں سے درگذر فرمائے۔

علامہ تمنا عمادی سے انٹرویو

از حبیب الرحمٰن شامی (ایڈیٹر قومی ڈائجسٹ و ہفت روزہ زندگی)

اگر یہ سچ ہے کہ مکان کی عزت اور عظمت مکین سے ہوتی ہے تو پھر اس شہر کراچی میں ہی نہیں پورے برصغیر پاک و ہند میں معدودے چند مکان ہی "العمران"[۱] کی طرح باعزت اور باعظمت ہوں گے۔ بظاہر تو العمران بھی شرف آباد کا ایک خوبصورت سا مکان ہے بالکل دوسرے مکانوں کی طرح۔ لیکن اس کے مکین اس ذات ستودہ صفات کے معنوی اور حقیقی جانشین ہیں جس کے انوار ذہنی اور روحانی کی بارش ایک مدت تک پورے برصغیر کو احاطہ کئے رہی۔ حضرت شاہ سلیمان پھلواروی ہماری ملی تاریخ کے ان نامور سپوتوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے دم سے ایک دنیا سے اندھیر دور ہوا۔۔۔ اسی العمران میں آجکل ایک تراسی سالہ بزرگ علامہ تمنا عمادی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ علامہ بھی پھلواری کے اس نامور خاندان کے ہی چشم و چراغ اور حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد انھوں نے چاٹگام میں سکونت اختیار کی لیکن گاہے گاہے وہ کراچی تشریف لاتے رہتے ہیں۔ علامہ تمنا کے نام سے ایک دنیا واقف ہے۔ ان کے علم و فضل سے انکار ممکن ہی نہیں۔ صوبہ بہار میں انھوں نے پہلی مسلم لیگ قائم کی تھی اور اس کے بعد تو تحریک پاکستان کے لئے تن من دھن سب کچھ وقف کر دیا۔ جمعیۃ علماء ہند سے معرکے ہوئے اور متحدہ قومیت کے بُت کو پاش پاش کرنے میں انھوں نے بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا۔

---

[۱] یہ نام کراچی میں اس مکان کا ہے جہاں مولانا جعفر شاہ صاحب پھلواروی کی صاحبزادی اور مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کی پوتی رہتی ہیں۔ اور جہاں علامہ تمنا عمادی ڈھاکہ سے تشریف لا کر کئی ماہ سے قیام پذیر تھے۔ اور ادارۂ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) کے لئے علمی کام کر رہے تھے۔ علامہ تمنا کی وجہ سے مولانا عبدالعزیز میمنی اور دوسرے اکابر اہل علم کا یہاں ہر وقت آنا جانا رہتا تھا (ط بہ م)

علامہ تمنا بابائے صحافت الحاج مولانا اکرم خاں صاحب کے پرانے رفیق ہیں۔ ان سے مولانا اکرم خاں کی دوستی

ع نصف صدی کا قصہ ہے، دو چار برس کی بات نہیں

مولانا اکرم خاں نے بفضلہٖ عمر کے نناویں سال میں قدم رکھا تو میں نے سوچا کہ چلیے علامہ تمنا کے حضور پہونچ کر کچھ مولانا اکرم خاں کی زندگی کے نشیب و فراز کے متعلق ہی گفتگو کی جائے۔ میں نے یہ تمنا مولانا حسن مثنیٰ ندوی کے سامنے رکھی (جو رشتہ میں علامہ تمنا کے پوتے ہیں) تو وہ اپنے مخصوص انداز میں "خوب بہت خوب" کا نعرہ لگاتے مجھے مولانا تمنا عمادی کے پاس لے گئے۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں بڑے بڑے تکیوں سے ٹیک لگائے علامہ تمنا تشریف فرما تھے۔ سامنے ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ مولانا کچھ بولے جا رہے تھے اور وہ نوجوان[1] لکھتا جا رہا تھا۔ چاروں طرف عربی اور فارسی کی موٹی موٹی کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ اگرچہ علامہ کی نظر بھی خاصی کمزور ہو چکی ہے اور سننے بھی بہت اونچا ہیں۔ اس کے باوجود تحقیق و تالیف کا مشغلہ جاری ہے۔ (اس کے بعد مولانا اکرم خاں کے متعلق علامہ تمنا سے گفتگو کی تفصیل ہے جسے یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں، آخر میں شامی صاحب لکھتے ہیں۔)

---

[1] جس وقت شامی صاحب مولانا حسن مثنیٰ ندوی کے ہمراہ علامہ سے انٹرویو لینے آئے تھے اس وقت علامہ اپنی ایک کتاب "تنقید لغات القرآن" کا مسودہ راقم کو املا کرا رہے تھے۔ اس کتاب میں علامہ مرحوم نے پرویز صاحب کے اس نقطہ نظر پر سخت تنقید فرمائی ہے کہ وہ اسلامی اصطلاحات کا مفہوم بھی لغات سے متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو درست نہیں، اصطلاحات کا صحیح مفہوم وہی ہے جو تعامل کے ذریعے عہد نبوی سے آج تک منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ یہی نقطہ نظر علامہ فراہی اور خود میرے حقیقی استاد مولانا اسلم جیراجپوری کا بھی ہے۔

(طاہر)

ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا اس لئے نشست برخواست کر دی گئی۔ میں مولانا حسن مثنیٰ کے ساتھ ہی علامہ تمنا عمادی صاحب کے گھر سے باہر نکلا۔ میرے دل و دماغ پر اس صاحب علم و عمل کی ہیبت سی چھائی ہوئی تھی، میں سوچ رہا تھا کہ جس مقصد کے لئے اس مرد ذی فضل نے اپنی زندگی گذاری اور اپنی تمام صلاحیتیں اس کے لئے وقف کر دیں وہ یہی تو تھا کہ پاکستان میں ایک اسلامی معاشرہ قائم ہو۔ اب اس شخص کے قویٰ جواب دے چکے ہیں۔ یہ سمٹا ہوا اجالا جانے کب رخصت ہو جائے لیکن اس کی تمنا اور آرزو ——— جانے کب پوری ہو گی!

(ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی ۹ جون ۱۹۷۶ء ص۱)

علامہ تمنّا کی تصانیف اور ان کے شاگرد

جناب انیس الرحمٰن ایڈوکیٹ ہائی کورٹ کراچی کی مرتب کردہ علامہ تمنّا کی
سوانح جامع العلوم سے مستفاد
از ابوالحسن حجازی

کتاب جامع العلوم کے مطابق علامہ تمنّا عمادی مرحوم کی کتابوں کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱) وہ کتابیں یا مضامین جو مطبوعہ ہیں اور کسی کتب فروش کے ہاں یا کسی لائبریری میں انھیں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۲) جو مطبوعہ ہیں مگر نایاب ہیں۔

(۳) جو غیر مطبوعہ ہیں۔

نمبر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) جمع القرآن اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کاغذ اور چمڑوں پر کتابی شکل میں لکھا جاچکا تھا، اس کے برخلاف جن روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں یا حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جمع کیا گیا، وہ سب گھڑی ہوئی ہیں اور ان سب کا منبع حدیث کے مدون اول ابن شہاب زہری ہیں جو مسلکاً شیعہ تھے۔

اسی کتاب میں "استوانہ المصحف" والا مضمون بھی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مسجد نبوی کا وہ ستون جس کے پاس عام مسلمانوں کے نقل کرنے کے لئے سرکاری مصحف نبوی رکھا رہتا تھا، عہد نبوی ہی میں "مصحف والا ستون" کے نام سے مشہور ہوچکا تھا۔
اسی کتاب میں ایک مقالہ اس پر بھی ہے کہ "قرآن کریم روایات کے آئینہ میں" کس طرح پیش کیا گیا ہے۔

اب یہ کتاب شائع ہوکر آپ کے ہاتھ میں موجود ہے۔

(۲) اعجاز القرآن واختلافِ قراءات | اس کتاب میں قرآن کریم کا سب سے بڑا اور عام فہم اعجاز، اس کے محفوظ ہونے کو بتایا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ تاریخ مصاحف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قصۂ زیدؓ و زینب کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ محاذ حدیث کے تحت مثلہ معہ پر تنقید ہے۔ مسند احمد کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ محاذ تفسیر کے تحت آیۂ تطہیر آیۂ ولایت سورۂ تحریم و ایلاء النبی روایت افک اور جادو کی روایات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ محاذ قراءات کے تحت قراء سبعہ کے حالات اور نقطوں کی ایجاد پر گفتگو کی گئی ہے۔

یہ کتاب اس ادارہ نے شائع کر دی ہے۔

(۳) حدیث کے مدونِ اول ابن شہاب زہری اور تاریخ و تفسیر کے مدونِ اول ابن جریر طبری | اس کتاب میں ان دونوں حضرات کی سوانح اور ان کے ایسے کارناموں کا تعارف کرایا گیا ہے جو انکشاف کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۴) انتظار مہدی و مسیح کی حقیقت | اس کتاب میں علامہ تمنا نے علامہ اقبال کی فرمائش پر مہدی و مسیح کی روایات پر تنقید کی ہے اور انھیں قرآن کی روشنی میں پرکھا ہے۔

یہ دونوں کتابیں بھی الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ نے شائع کر دی ہیں۔

(۵) ایصال ثواب | یہ چھوٹا سا کتابچہ ہے جس میں مروجہ ایصال ثواب پر تنقید کی گئی ہے۔ (اسے الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی نے شائع کر دیا ہے۔)

(۶) ایصال ثواب (مذاکرہ) | اس کتاب میں علامہ تمنا اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے درمیان ایصال ثواب کے جواز و عدم جواز پر جو تحریری مباحثہ ہوا تھا اس کی تفصیل ہے۔ (یہ کتاب بھی الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ شائع کر چکا ہے)

(۷) **القصیدۃ الزہراء** | یہ کتاب کئی ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں عہد عثمانؓ و علیؓ اور معاویہؓ کے متنازعہ تاریخی معاملات پر قرآن کریم اور درایت کی روشنی میں نظر ڈالی گئی ہے۔ شروع میں طویل نثری دیباچہ ہے جس میں جنگ جمل و صفین و کربلا پر نہایت اعتدال و توازن کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب جناب محمود احمد عباسی صاحب نے اپنے مکتبہ محمود سے شائع کی ہے۔

(۸) **القصیدۃ العظمیٰ** | یہ قصیدہ زہراء کی تلخیص ہے جسے مشہور شاعر جناب عبدالعزیز خالد صاحب کے لئے لکھا گیا تھا۔ شائع کردہ مکتبہ محمود۔

(۹) **سبیل المؤمنین** | اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت وہی ہے جس پر صحابہ کرامؓ عمل پیرا رہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے تعامل صحابہؓ (سبیل المؤمنین) کو حجت قرار دیا ہے۔ اور اس راہ سے جدا رہنے والوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔ یہ کتاب بھی عباسی صاحب نے مکتبہ محمود سے شائع کی ہے۔

(۱۰) **اختلاف امت رحمت ہے یا زحمت** | اس میں بتایا گیا ہے کہ اصول و عقائد میں اختلاف امت کے لئے رحمت نہیں ہے بلکہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ اور اختلاف امتی رحمۃ والی روایت گھڑی ہوئی اور جعلی ہے۔

یہ کتاب بھی عباسی صاحب نے اپنے مکتبہ سے شائع کی ہے۔

دوسری قسم کی کتابیں علامہ تمنا کی وہ کتابیں جو اگرچہ کبھی طبع ہوئی تھیں مگر اب نایاب ہیں درج ذیل ہیں۔

(۱۱) **مثنوی کتاب و سنت** | جس میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ کا باہمی تعلق واضح کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم اصل ہے سب سے پہلے اس پر توجہ ہونی چاہئے۔ اس کے بعد اس کی شرح (سنت رسولؐ و صحابہؓ) پر نظر ڈالنی چاہئے۔ سنت کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار بھی قرآن کریم ہے۔ نہ کہ اس کے برعکس قرآن کو پرکھنے کا معیار سنت ہو۔ قرآن کریم سنت پر قاضی و حاکم ہے نہ کہ حدیث و قرآن پر قاضی و حاکم ہو۔ جیسا کہ بہت سے گستاخ روایت پرست کہتے ہیں۔ وغیرہ یہ ایک

اشعار پر مشتمل فارسی مثنوی ہے۔

(۱۲) **مثنوی مذہب وعقل** — اس میں مذہب وعقل کی جنگ کی تفصیل اور اس کا قطعی فیصلہ دکھایا گیا ہے۔ چار سو فارسی اشعار کی یہ مثنوی کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف نے شائع کی تھی۔

(۱۳) **مثنوی معاش ومعاد** — اس میں بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی اتنی ہی قطعی و یقینی ہے جتنا دوپہر کے وقت روشن آفتاب۔ بغیر عقائد صحیحہ، عبادات، صادقہ اور اعمال صالحہ کے نجات آخرت غیر ممکن ہے تناسخ وغیرہ پر بھی مکمل بحث ہے۔ یہ آٹھ سو فارسی اشعار کی مثنوی بھی کتب خانہ اشرفیہ نے شائع کی تھی۔

(۱۴) **محکم ومتشابہ** — قرآنی ارشاد محکمات ومتشابہات کی توضیح کی گئی ہے اور عرفان نفس وعرفان رب یعنی مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی مغالطہ آمیز تشریحوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ کتب خانہ اشرفیہ سے شائع ہوئی۔

(۱۵) **ہدایت واضلال** — یعنی یھدی من یشاء اور یُضِلُّ مَنْ یشاء کی نہایت مفصل اور واضح تشریح۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ

(۱۶) **اصولِ خمسہ** — وہ پانچ اسلامی اصول جن سے فرقہ پرور علماء اختلاف رکھتے ہیں۔ ناشر کتب خانہ اشرفیہ۔

(۱۷) **الدینُ القیّم** — اسلام کے بنیادی اصولوں کا تعارف۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف

(۱۸) **جہالتِ کَفَرہ** — دنیا کے بنانے والے (اللہ) اور یوم احتساب (آخرت) کا انکار کرنے والے دہریوں کا جہل مرکب (نہ جاننے کے باوجود ہمہ دانی کا دعویٰ) شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ۔ پھلواری شریف۔

(۱۹) **حقیقت التقویٰ** — تقویٰ نام ہے خلوص کا۔ اور بغیر خلوص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ شائع کردہ کتبخانہ اشرفیہ پھلواری شریف

(۲۰) **حقیقت الصوم** | خلوص پیدا کرنے اور ریاکاری ختم کرنے کی سالانہ پریکٹس روزہ ہے۔ مگر شیطان کے غلاموں نے اسے بھی ریاکاری کا ذریعہ بنالیا ہے۔ اس لئے اس سے اصل مقصد حاصل کرنے کی کیا کیا شرائط ہیں۔ ان کی تفصیل۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ۔ پھلواری شریف۔

(۲۱) **جوہر الصرف** | فن صرف کے بنیادی اور ضروری قواعد پر مشتمل ایک نئے انداز کی کتاب۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف

(۲۲) **روح النحو** | نحو کے بنیادی اور ضروری قواعد پر مشتمل ایک نئے انداز کی کتاب۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف۔

(۲۳) **جوہر الادب** | قرآن کریم اور صحیح احادیث کے جملوں پر مشتمل عربی ریڈر۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ۔ پھلواری شریف۔

(۲۴) **ایضاح سخن** | اردو ادب پر ایک نہایت بلند پایہ تنقیدی کتاب جس کا دوسرا اڈیشن نواب گنج ڈھاکہ سے شائع ہوا۔

(۲۵) **افعال مرکبہ** | اردو گرامر کی کسی کتاب میں بھی افعال مرکبہ پر اس قدر سیر حاصل بحث نہیں ملے گی جتنی ۱۰۷ صفحات کی اس کتاب میں ہے۔ اس میں افعال مرکبہ کے علاوہ افعالِ متصلہ اور افعال کی صرف کبیر و صرف صغیر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسے مکتبۂ اسلوب ۲۰۹ مسلم لیگ کوارٹرز ناظم آباد کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۲۶) **الطلاق مرتان** | تقریباً دو سو صفحات کی اس کتاب میں قرآن مجید کے طریقۂ طلاق پر صرفی، نحوی، لغوی، ادبی اور فقہی ہر اعتبار سے بڑی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ نواب گنج ڈھاکہ ۱؎ سے شائع ہوئی تھی۔

(۲۷) **نماز پنجگانہ اور قرآن کریم** | پنجگانہ کی تائید میں قرآن مجید کی آیات سے استدلال کیا گیا ہے۔ کراچی سے شائع ہوئی۔

(۲۸) **دُرِّ ثمین** | ملک یمین لونڈی اور غلاموں کے متعلق قرآنی ارشادات کی تشریح مکتبہ البیان امرتسر نے شائع کی۔

(۲۹) **تحفہ اہل بہا** | بہائیوں کے سوالات کے جوابات پر مشتمل تقریباً دو سو صفحات کی کتاب، مکتبہ البیان امرتسر نے شائع کی۔

(۳۰) **انسان اور اسلام** | تخلیق انسانی اور حیاتِ انسانی کے مختلف عنوانات پر اسلامی احکامات کا مجموعہ۔

(۳۱) **حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ** | حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی عمر بوقت نکاح از رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چالیس نہیں اٹھائیس سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی ورقہ والی روایت کی حقیقت۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر بوقت نکاح از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ روایت افک اور روایت ایلاء و تحریم کی حقیقت۔ کراچی سے شائع ہوئی۔

(۳۲) **بناتُ النبیؐ** | یہ کتابچہ خاتون پاکستان کراچی کے رسول نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔

(۳۳) **وصیت و وراثت** | دارالقرآن نسبت روڈ لاہور سے شائع ہوئی۔ اس میں لا وصیۃ لوارث والی روایت پر تنقید کی گئی ہے۔

(۳۴) **مختلف مقالات و مضامین** | جو ہند و پاکستان کے مختلف رسائل میں شائع ہوئے۔

تیسری قسم کی کتابیں

جو غیر مطبوعہ ہیں اور ان کا تذکرہ علامہ تمنا کے مختلف مضامین میں آیا ہے۔

(۳۵) **الکلالہ** | جس میں قرآن مجید کی آیت کلالہ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

(۳۶) **البدعہ** | بدعت کیا ہے اور کیا نہیں، اس پر قرآن و سنت کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔

(۳۷) **القول الصواب فی ایصال الثواب** | مولانا محمد منظور نعمانی اور بعض دوسرے اہلِ علم کے جواب میں ایصال ثواب

کتاب وسنت، تعامل صحابہ اور ائمۂ اربعہ کے ارشادات کی روشنی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

(۳۸) حدیث کساء | آیۂ تطہیر کا قرآنی مفہوم بگاڑنے کے لئے گھڑی گئی روایت کسا (آلِ عبا) کا تحقیقی تجزیہ۔

(۳۹) رواۃ صوفیہ | اسماء الرجال کی کتابوں میں جن صوفی راویوں کا تذکرہ ہے ان کی تفصیل۔

(۴۰) رواۃ شیعہ | صحاح ستہ کی کتابوں میں جو جو راوی شیعہ ہیں ان کا تذکرہ۔

(۴۱) تنقید لغات القرآن | پرویز صاحب کی مرتب کردہ لغات القرآن کے مختلف مقامات کی تنقید۔

علامہ تمنا کے سوانح نگار جناب انیس الرحمٰن ایڈوکیٹ نے اپنی کتاب "جامع العلوم" کے صفحہ ۴۴ پر علامہ کی دو اور کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ردیف پر ایک رسالہ کا اور قوافی پر ایک رسالہ کا۔ اور ص۴۳ پر علامہ کے صاحبزادے مولوی امام الدین فائق کی کتاب "بحر العروض" کا تذکرہ کیا ہے جو ظاہر ہے علامہ کے افادات پر مشتمل ہے۔ سوانح نگار کا کہنا ہے کہ "یہ کتاب مکمل محفوظ ہے جس نے عروض جدید کی بنیاد رکھدی ہے۔"

ص۴۲ ہی پر علامہ کی ایک اور کتاب "عرفان نفس و عرفان ادب" کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ سوانح نگار کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ علامہ نے عرفان نفس و عرفان لاَ کا جملہ اپنی کتاب محکم و متشابہ کے تعارف کے طور پر اس کے شروع میں لکھا ہے۔ یا ممکن ہے سوانح نگار کی معلومات کے مطابق یہ کوئی مستقل علیحدہ کتاب ہو۔

قلمی مسودات | قلمی کتب کے یہ مسودات یا تو علامہ کے چھوٹے صاحبزادے کے ہاں چاٹگام میں ہوں گے جہاں علامہ رہائش پذیر تھے، یا پھر علامہ کے داماد کے ہاں ہوں گے جو مشرقی پاکستان سے ہجرت کرکے کراچی آ گئے تھے اور علامہ کا انتقال انہیں کے گھر میں ہوا۔ یا کچھ مسودات وہ ہیں جو علامہ نے لاہوری بلاغ القرآن والے اہل قرآن حضرات کے دلائل کے جواب میں لکھے تھے۔

اور مولانا جعفر شاہ پھلواروی مرحوم کے پاس تھے جو انھوں نے اپنے ایک شاگرد قاضی کفایت اللہ صاحب کے سپرد کر دیئے تھے جیسا کہ ایک ملاقات میں قاضی صاحب نے مفتی طاہر صاحب کو بتایا تھا، قاضی صاحب کا پتہ یہ ہے۔ ادارہ ندائے فرقان ۱۲۔ عالمگیر اسٹریٹ، اسلامیہ پارک لاہور ۲۵

شیعہ اور صوفی رواۃ کے متعلق علامہ کے مسودات کے متعلق سنا ہے کہ وہ جناب محمود احمد عباسی صاحب کے پاس تھے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ مسودات اور خود مرحوم عباسی کے حضرت علیؓ کی سوانح اور نہج البلاغہ وغیرہ کے متعلق کئی مسودات بالکل غائب ہیں کہا جاتا ہے کہ کوئی رضوی صاحب سُنّی کے روپ میں اس قدر آگے بڑھے کہ عباسی صاحب کے انتقال کے فوراً بعد محمود اکیڈمی بنا کر اس کے صدر بن گئے اور مرحوم کی جس قدر علمی وراثت تھی وہ سب غائب کر دی، حتیٰ کہ عباسی مرحوم کے واحد جسمانی وارث ان کے نواسے کے پاس بھی اب کوئی مسودہ نہیں رہا (یاد رہے کہ عباسی مرحوم کا کوئی لڑکا نہیں تھا، صرف صاحبزادی تھیں، ان سے مرحوم کے نواسے عباسی صاحب کے وارث ہوئے۔

انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

علامہ تمنا کے شاگرد شاعری میں تو علامہ تمنا کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ایضاح سخن کے آخر میں بھی علامہ کے شاگرد کئی شاعروں کے قطعات موجود ہیں جن میں وہ اپنے نام کے ساتھ تمنائی لکھتے ہیں۔

اہل علم میں جو حضرات علامہ کے سوانح نگار نے ان کے شاگرد کی حیثیت سے گنوائے ہیں وہ یہ ہیں۔ مولانا اسرار القادری (ص۹۰) مولانا جعفر شاہ پھلواروی (ص۹۲) مولانا جعفر شاہ کے بھائی مولانا غلام حسنین پھلواروی (ص۹۰) سر فخر الدین وزیر تعلیم صوبہ بہار (جنکی عربی تعلیم کے لئے علامہ نے صرف و نحو کی کتابیں مرتب کی تھیں) جناب عبد العزیز بیرسٹر ڈاکٹر عندلیب شادانی۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری، اور بہت سے اہل علم مثلاً مولانا افتخار احمد بلخی جو کراچی یونیورسٹی میں لیکچرار تھے اپنی کتاب "انکار حدیث کا پس منظر و پیش منظر" کی تیسری جلد میں علامہ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا بھی تذکرہ کرتے ہیں کہ میں پھلواری شریف

یاں علامہ کا شاگرد رہ چکا ہوں۔ اسی طرح مفتی طاہر صاحب کے سامنے علامہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ دکن کے نواب بہادر یار جنگ صاحب نے علامہ کو کئی ماہ اپنے ہاں بیت الامت میں ٹھہرا کر قرآن مجید کے مشکل مقامات حل کروائے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے ایک خلیفہ جو صوبہ بہار کے تھے اور اسی حوالہ سے "صحیح بہاری" کے نام سے ایک کتاب کے مؤلف بھی ہیں جس میں بریلوی معتقدات کی تائید پر مبنی احادیث جمع کی گئی ہیں، علامہ کے ابتدائی دور کے طلبہ میں سے تھے۔ ان کے علاوہ بھی معلوم نہیں کتنے حضرات نے علامہ کے پندرہ سالہ دور تدریس میں ان سے استفادہ کیا ہوگا۔ لیکن چونکہ ان کی تفصیلات معلوم نہیں اس لئے ہم اس عنوان کو یہیں پر ختم کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین

الحمد للہ رب العلمین وسلام علی المرسلین لاسیما علی خاتم النبیین وعلی اتباعہ وصحبہ اجمعین

مقدمہ

الحمد للہ کہ میں ایک مسلم ہوں اور مسلم جینے اور مسلم ہی مرنے کا آرزومند ہوں۔ اللہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتا ہوں۔ سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنّتِ خلفائے راشدینؓ پر عمل کرتا ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ جو قرآن ہم لوگوں کی تلاوت میں ہے یہ لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً بالکل اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا تھا اور آپ نے مرتّب و مدوّن، صحابہؓ کو دیا تھا۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید ۝ باطل نہ اس کے آگے آ سکتا ہے نہ اس کے پیچھے۔ حکمت کے مالک، حمد و ستائش کے تنہا مستحق کی طرف سے اترا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے۔ نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ۝ ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ان علینا جمعہ وقرآنہ اس کو جمع کرا دینا اور پڑھوا دینا میرے ذمے ہے یہاں تک کہ ثم ان علینا بیانہ یعنی پھر اس قرآن کو تم سے بیان کرا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

ان وعدوں کے ہوتے کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن کا نقطہ بھی اِدھر کا اُدھر ہو جائے؟ ایک حرف بھی بدل جائے؟ اور کوئی لفظ بھی چھوٹ جائے؟ چہ جائیکہ کوئی آیت غائب ہو جائے؟ معاذ اللہ من ذالك! قرآن مبین میں یہ اعلان واضح بھی موجود ہے کہ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا o اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا یعنی انسانی تصنیف ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات لوگ پاتے۔ یعنی تقریباً تئیس برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا مختلف وقتوں اور مختلف احوال اور مختلف زمانوں میں لوگوں کی تعلیم اور حفظ کی سہولت کے خیال سے نازل ہوتا رہا۔ اس وقت بھی جب مسلمان مشرکین مکہ کے مظالم جھیل رہے تھے، اس وقت بھی جبکہ مسلمانوں کی ایک جماعت مشرکین مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئی تھی، اس وقت بھی جبکہ صحابہؓ اور خود رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت کر کے مدینے چلے آئے تھے اور یہاں بھی دشمنوں کے حملے کی وجہ سے اطمینان و سکون مسلمانوں کو پوری طرح حاصل نہ تھا۔ اور اس وقت بھی جبکہ مسلمان ایک فاتح قوم تھی اور اس کی دھاک سارے عرب میں بیٹھ گئی تھی۔ اتنے مختلف احوال اور مختلف ماحول میں ایک انسان کی باتیں یقیناً مختلف ہی ہوں گی مگر قرآن کی ابتدائی تعلیم، وسطی تعلیم اور آخری تعلیم سب کو ملا کر دیکھیئے تو ایک ہی زنجیر کی کڑیاں نظر آئیں گی اور کسی طرح کی نامناسبت کہیں نہیں معلوم ہو گی۔ اختلاف کا کیا ذکر ہے۔

مگر جب فرقہ بندی کا دور آیا تو پھر کونسا دینی مسئلہ ہے جس میں ہمارے اسلاف نے اختلاف پیدا نہ کیا۔ اسلامی توحید بھی وحدتِ وجود وحدتِ شہود کے الجھاوے میں پھنس کر اختلاف سے نہ بچ سکی۔ نماز جیسا اہم فریضہ جس کو ہر مسلم مرد، عورت، بوڑھا جوان یہاں تک کہ بچے بھی عہدِ نبویؐ سے لے کر آج تک ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ مرتبہ پڑھتے چلے آرہے ہیں، چار پانچ طریقے سے پڑھی جارہی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی آخری نماز یقیناً کسی ایک ہی طریقہ کی ہوگی اور جب بوجہ معذوری آپؐ خود مسجد نہ جا سکے تو آپؐ نے فرمایا کہ مروا ابا بکر یصلی با الناس ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں میں نماز پڑھائیں تو یقیناً حضرت صدیق اکبرؓ نے اسی طرح نماز پڑھائی ہوگی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نماز پڑھی تھی اور تمام صحابہؓ نے بھی اسی طرح پڑھی ہوگی پھر بعد وفات نبوی کے صدیق اکبرؓ تاحیات اسی ایک طریقہ سے نماز پڑھتے اور پڑھاتے رہے ہوں گے اور سب نے اسی ایک طریقے سے برابر پڑھی ہوگی۔ اسی طرح ہر خلیفہ نے اسی ایک طریقہ سے ہمیشہ نماز پڑھی اور پڑھائی ہوگی۔ سارے اہل مدینہ اسی ایک طریقہ سے نمازیں پڑھتے رہے ہوں گے۔ کوئی وجہ ہی نہیں ہے کہ ان میں کسی قسم کا اختلاف ہو۔ پھر یہ چار پانچ طریقے کی نمازیں کہاں سے آگئیں ؟ کوئی ہے جو اس کی صحیح وجہ بتائے[1]

غرض تفسیر اور مطالب میں تو طرح طرح کے اختلافات پیدا ہی کیے گئے ، الفاظ میں بھی اختلافات پیدا کئے بغیر نہ رہا گیا اور اس کے ثبوت کے لئے انزل القرآن علی سبعۃ احرفٍ ایسی حدیث پیش کی گئی جس کے صحیح اور قطعی معنی آج تک کوئی نہ سمجھ سکا کہ احرف سے کیا مراد ہے اور پھر اختلافاتِ قرأت کا طومار لگا دیا گیا اور اس طرح قرآن کے عدم اختلاف کے دعوے کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ دیکھو ہر طرح کا اختلاف لفظاً و معناً دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ سینکڑوں موجود ہیں مگر قرآن کا بھی عجب اعجاز ہے اس کے بارے میں پہلے ہی کہہ دیا کہ ان الذین اختلفوا فی الکتٰب لفی شقاقٍ بعید ہ جن لوگوں نے اللہ کی کتاب میں اختلاف پیدا کیا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ صدق اللہ ومن اصدق اللہ قیلا ۔

---

[1] : میں نے اپنی کتاب " اقام الصلوٰۃ " میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب ابھی تک چھپی نہیں ہے۔

نفسِ قرآن مجید کے بارے میں ایسی ایسی روایتیں ملتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ ان روایتوں کو محدثین نے کس طرح اپنی کتابوں میں داخل کر لیا مثلاً

نمبر۱۔ صحیح بخاری جلد اوّل آخر باب اوّل از کتاب البیوع صـ۲۷۵ میں منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم (بقرہ ۲۵) کے بعد فی مواسم الحج کے اضافہ کے ساتھ یہ آیت نازل ہوئی تھی اور ابن عباسؓ اس اضافے کے ساتھ پڑھتے تھے۔

نمبر۲۔ ترمذی (جلد۲ صـ۱۱۱) میں ہے کہ سورہ واللیل میں جو وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ہے اس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو درداؓ وَالذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ پڑھتے تھے (نیز صحیح مسلم جلد۱ صـ۲۷۴)

نمبر۳۔ ترمذی جلد۲ صـ۱۱۷ میں یہ بھی ہے کہ سورہ ذاریات میں جو اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ہے اس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اِنِّیْ اَنَا الرَّزَّاقُ (الآخر) پڑھا کرتے تھے۔ (ابو داؤد جلد۲ صـ۱۹۹)

نمبر۴۔ ابن مردویہ کی کتاب سے کنز العمال (جلد ۱ صـ۱۸۹) مؤلفہ سنہ ۹۵۷ھ میں منقول ہے کہ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا ج اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ سَاءَ سَبِيْلًا جو سورہ بنی اسرائیل ۳۲ میں ہے اس کو حضرت ابی بن کعبؓ یوں پڑھتے تھے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا ج اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ط وَسَاءَ سَبِيْلًا ط اِلَّا مَنْ تَابَ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ہ حضرت عمرؓ نے ٹوکا تو کہنے لگے کہ میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سیکھا ہے اور تمہارا تو بازار کی خرید و فروخت کے سوا کچھ کام نہ تھا۔ [۱] (یہ روایت ابی یعلےٰ میں بھی ہے)۔

---

[۱]: حضرت عمرؓ جیسے محقق یہ سُن کر چپ رہ گئے اور دوسرے صحابہؓ سے نہ پوچھا کہ ابی بن کعب کے سوا اور بھی کسی نے رسول اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سیکھا یا پڑھتے سُنا؟

نمبر ۵۔ کنز العمال (تالیف ۹۵۷ھ) کے اسی صفحے میں ہے کہ ابی بن کعبؓ[۱] نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا کا سورہ پڑھا اور اس میں یہ آیتیں بھی پڑھیں اِنَّ ذَاتَ الدِّيْنِ عِنْدَ اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ لَا الْمُشْرِكَةُ وَلَا الْيَهُوْدِيَّةُ وَلَا النَّصْرَانِيَّةُ وَمَنْ يَّعْمَلْ خَيْرًا فَلَنْ يُّكْفَرَهُ اور رسول اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے یہ بھی پڑھا لو کان لابن آدم وادٍ لابتغى اليه ثانيا ولو اعطى اليه ثالثا ولا يملأ جوف ابن آدم الا التراب ويتوب الله من تاب

نمبر ۶ سورۃ فتح میں ہے اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (کنز العمال صفحہ ۲۷۹) میں بحوالہ نسائی وکتاب المصاحف ابن ابی داؤد ومستدرک حاکم وصحیح ابن خزیمہ منقول ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ اس آیت میں حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ کے بعد وَلَوْ حَمِيْتُمْ كَمَا حَمُوْا نَفْسَهٗ لَفَسَدَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ کا فقرہ بھی پڑھتے تھے (نَفْسَهٗ کا ضمیر کا مرجع مجھے معلوم نہ ہوا شاید اَنْفُسَهُمْ ہو) اس اضافہ کے سلسلے میں حسب روایت منقولہ حضرت ابیؓ نے حضرت عمرؓ کے ٹوکنے پر کہا کہ "تم جانتے ہو کہ میں[۲] رسول اللہ صلی اللہ

---

[۱]: ابی بن کعبؓ انصاری ہیں۔ عقبہ ثانیہ میں ایمان لائے لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سورہ مکی ہے اور مکہ کی ابتدائی سورتوں میں سے ابی بن کعبؓ سے زیادہ حضرت عمرؓ واقف تھے۔ اگر یہ اضافہ مدینہ میں ہوا تو حضرت عمرؓ ابی بن کعب سے سن کر ضرور دوسرے صحابہ سے اسکو پوچھتے چھپ نہ رہ جاتے۔

[۲]: صفحہ بعد۔

علیہ وسلم کے پاس رہتا تھا اور وہ ہمیں اپنے سے قریب رکھتے تھے اور تم دروازے پر رہا کرتے تھے۔ اگر تم پسند کرتے ہو کہ میں لوگوں کو قرآن پڑھاؤں۔ اس کے مطابق جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھایا ہے تو میں پڑھاؤں گا ورنہ جب تک زندہ رہوں گا کبھی کسی کو کچھ نہیں پڑھاؤں گا۔

نمبر ۷۔ حضرت عمرؓ کہیں جا رہے تھے ایک لڑکے کو مصحف دیکھ کر قرآن پڑھتے سنا۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (سورہ احزاب رکوع اوّل) اور اس کے بعد اس نے پڑھا وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ حضرت عمرؓ نے سن کر فرمایا۔ اے لڑکے اس فقرے کو مٹا دو۔ اس لڑکے نے کہا یہ مصحف ابیؓ کا ہے۔ حضرت عمرؓ ابی بن کعبؓ کے پاس گئے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھ کو تو قرآن اپنی طرف مشغول رکھتا تھا اور تمہیں بازار کی خرید و فروخت اپنی طرف مشغول رکھتی تھی۔ (کنز العمال جلد ۱ صہ ۲۷۹ بحوالہ صحیح سعید بن منصور اور مستدرک حاکم)۔

مد ۲۔ صہ ۸۷ سے۔ یہ کس زمانے کا واقعہ ہے؟ کہ حضرت عمرؓ دروازے پر رہا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں اُبی کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا کرتے تھے۔ کسی رافضی کذاب کا افترا ہے جو اظہر من الشمس ہے۔

مد ۔ یہ عبارت خود بتلا رہی ہے کہ اس حدیث کا گھڑنے والا کوئی رافضی خبیث تھا۔ حضرت عمرؓ کوئی بہت بڑے تاجر نہ تھے کہ دن رات اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے اور حضرت ابی بن کعب کو حضرت عمرؓ پر قرآن دانی اور قرآن فہمی میں کوئی فضیلت نہ تھی۔ عہد نبوی سے رسول اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہی کو اپنے میں سب سے افضل سمجھتے تھے۔ حضرت ابی بن کعب ایسا خلافِ واقعہ کلمہ کیوں کہنے لگے یہ ان پر صریحاً اتہام ہے۔

نمبر ۸۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پاس پڑھا[1] لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغَى الثَّالِثَ وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ابن عباسؓ نے کہا کہ مجھ کو ابی بن کعب نے یہ پڑھایا ہے۔ حضرت عمرؓ ابی کے پاس آئے اور پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھایا ہے۔ (کنز العمال بحوالہ مسند احمد و سعید بن منصور و ابو عوانہ) مگر حضرت عمرؓ نے کسی دوسرے صحابی سے کبھی اس کو دریافت نہیں فرمایا۔ تعجب ہی تعجب ہے۔

نمبر ۹۔ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۶۹ میں ہے کہ "قرآن میں اترا تھا کہ دس گھونٹ دودھ پینے سے رضاعت کی حرمت ہو جاتی ہے۔ پھر وہ منسوخ ہو گئی اور پانچ گھونٹ کا حکم آیا یعنی خَمْسُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ کی آیت اتری جو قرآن میں پڑھی جاتی ہے۔" کوئی ہے جو بتلائے کہ قرآن میں یہ عبارت کہاں پر ہے؟ یہ روایت نسائی جلد ۲ ص ۸۱ میں بھی ہے۔

---

[1] : یہ عبارت نمبر ۵ میں گزر چکی ہے وہ خاص ابی بن کعب سے روایت کرنے والے نے روایت کی ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ وہاں کی عبارت اور اس عبارت کو ملا کر دیکھیے کس قدر فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے ان حدیثوں کے گھڑنے والوں کو وہ خوب جانتا ہے اس سے پہلے ہی فرما دیا کہ إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کریں گے وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے (حٰمٓ ع ۵ ص ۲۴۰) یہ کیسے ممکن ہے کہ ابی بن کعب وغیرہ کے ایسے ایسے جواب سُن کر بھی حضرت عمرؓ جیسا آدمی خاموش رہ جاتا۔ کیا آپ یہ نہ کرتے کہ تمام صحابہؓ کو یکجا کر کے سب سے پوچھتے کہ آپ لوگوں نے کبھی اس طرح ان الفاظ کو قرآن کے جز کی حیثیت سے رسول اللہ علیہ وسلم سے سنا؟ فوراً حقیقت کھل جاتی۔

نمبر۱۰۔ سنن ابنِ ماجہ جو صحاح ستہ کی ایک کتاب ہے اس کے ص۱۴۲ باب رضاع الکبیر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف یہ جھوٹ روایت منسوب کی گئی ہے کہ نعوذ باللہ انھوں نے فرمایا کہ آیت رجم اور رضاعت کبیر (دس گھونٹ) والی آیت ایک صحیفے میں تھی میرے تخت کے نیچے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے اور ہم لوگ اس حادثے میں مشغول ہو گئے تو گھر کی پالتو بکری آگئی اور اس صحیفے کو کھا گئی (یعنی اسی وجہ سے وہ آیت رجم اور سن رسیدہ آدمی کی رضاعت کے لئے جس آیت میں دس گھونٹ دودھ کی مقدار بتائی گئی تھی قرآن میں داخل نہ ہو سکی۔ اور وہ آیتیں ضائع ہو گئیں)۔ معاذاللہ من ذالک۔

نمبر۱۱۔ معوذتین (قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس) کے بارے میں حضرت ابی بن کعب نے کہا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ نے کہا قل یعنی کہو تو میں نے کہا۔ ابی کہتے ہیں کہ میں بھی کہتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا یعنی بغیر لفظ[۱] "قل" کے صرف اعوذ برب الفلق الخ اور اعوذ برب الناس الخ وہ پڑھتے تھے)۔ (بخاری جلد۲ ص۷۴۲ قبل کتاب ابواب فضائل القرآن)۔ تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد وغیرہ سے بھی متعدد روایتیں اسی مضمون کی نقل کی ہیں۔ حضرت ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعودؓ دونوں کے بارے

---

[۱] مگر تعجب ہے کہ قل ھو اللہ احد کے بارے میں بھی حضرت ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعودؓ نے یہی کیوں نہ کہا۔ یہاں بھی تو وہی ھو اللہ احد (الآخر) کہنے کا حکم ہے اس کو بھی بغیر "قل" کے پڑھتے مگر یہ سب بہتان ہیں ان صحابہ کرام پر۔ ملاحدہ و زنادقہ کی من گھڑت حدیثیں ہیں۔ بغیر قل کے پڑھنا صرف حکم کی تعمیل ہوگی تلاوتِ قرآن نہ ہوگی اور قل کے ساتھ اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے پڑھنا تلاوت بھی ہوگی اور حکم کی تعمیل بھی۔ کیا اکابر صحابہ اتنا نہیں سمجھ سکتے تھے؟

میں اس قسم کی روایتیں ہیں بلکہ مسند احمد کی ایک روایت میں تو صاف ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ صاف انکار کرتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں کتاب اللہ سے ہیں ہی نہیں۔ یہ تو صرف جھاڑ پھونک کے لئے بطور افسوں کے ہیں۔ نعوذباللہ من ذالک۔

نمبر۱۲ اسی سلسلے میں تفسیر ابن کثیر کے آخر میں اس کی روایتیں بھی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مصاحف سے معوذتین کو مٹا دیا کرتے تھے کیونکہ وہ ان دونوں سورتوں کو قرآن میں داخل نہیں سمجھتے تھے اور یہ کہ حضرت ابی بن کعب بھی ان کے ہم خیال تھے۔ ابن کثیر نے بطور خود حسن ظن ظاہر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تمام صحابہؓ سے الگ ایک راہ اختیار نہیں کی ہوگی انہوں نے ضرور اپنے خیال سے رجوع کر لیا ہوگا مگر رجوع کی کوئی روایت پیش نہیں کی ہے۔

نمبر۱۳۔ آیت رجم کے بارے میں ایک روایت تو سنن ابن ماجہ سے ہم نمبر۱۰ میں نقل کر چکے ہیں کہ اس کو بکری کھا گئی۔ اس کے علاوہ اتنی متضاد و متغائر متعدد حدیثیں اس کے متعلق ہیں کہ میرا ایک مستقل رسالہ ہی ان حدیثوں کی تنقید میں بصورت مسودہ موجود ہے۔ قرآن میں داخل نہ ہونے کی وجہ ایک روایت میں یہ ہے کہ جمع قرآن کے وقت جو شخص جو حصہ قرآن لاتا تھا اگر اپنے ساتھ ایک گواہ بھی لایا تو وہ حصہ درج کیا جاتا تھا گواہ نہ ملتا تو درج نہیں کیا جاتا تھا۔ آیت رجم کو صرف حضرت عمرؓ لائے تھے اور کوئی دوسرا گواہ اس کا نہ ملا اس لئے قرآن میں درج نہ ہو سکی۔ مگر اللہ جانے کیوں اس کو صرف منسوخ التلاوۃ مانا گیا اور اس کا حکم باقی رکھا گیا۔ جب قرآن کی آیت نہیں تسلیم کی گئی تو پھر اس کا حکم کیوں باقی رکھا گیا ؟

نمبر۱۴۔ آخر سورۂ توبہ کی دو آیتوں کے بارے میں حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو ہم ان کو ایک سورہ قرار دے دیتے مگر یہ دو آیتیں ہیں ان کو کسی سورہ کے آخر میں ملا دو (اتقان) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ اپنے اختیار سے سورتیں بنا لیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف منتشر آیتیں چھوڑ گئے تھے۔ معاذاللہ من ذالک

نمبر۱۵۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس کو کسی ایسی سورت میں لکھ دو جس میں اس قسم کی آیتیں ہوں۔ یہ روایت اتقان وغیرہ متعدد کتابوں میں ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نئی نازل شدہ آیت کا مقام و محل تعین کرکے نہیں بتاتے تھے۔ کہ فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد لکھو۔ کاتبین اپنی سمجھ کے مطابق مضمون کی مناسبت دیکھ کر رکھ دیا کرتے تھے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم تھا۔ معاذ اللہ

نمبر۱۶۔ حضرت عمرؓ نے کسی آیت کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا تو کہا گیا کہ وہ تو فلاں شخص کے پاس تھی جو جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (اتقان وکنزالعمال وغیرہ کے جلد اوّل صفحہ ۲۸) یعنی وہ آیت دنیا سے ہی ناپید ہو گئی۔ ایسی حدیثوں کے بنانے والے تو یقیناً منافق تھے مگر ان روایتوں کو اپنی کتاب میں درج کرنے والوں کو میں کیا کہوں؟

نمبر۱۷۔ سورہ حج کے ساتویں رکوع میں جو فرمایا گیا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ الآیہ اس کی تفسیر میں سرخیل مفسرین ابن جریر الطبری اور بزّار[1] اپنی مسند میں، بیہقی نے دلائل النبوّۃ میں، بغوی نے اپنی تفسیر میں اور ابن ابی حاتم وغیرہ متعدد محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں اور بہتیرے مفسرین نے اپنی اپنی تفسیروں میں یہ شیطانی روایت درج کی ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ نجم پڑھ رہے تھے اور سامعین میں مومنین و مشرکین سب تھے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ

---

[1]۔ ابن احمد بن عمرو بن عبدالخالق ابوبکر بزّار۔ ایک مشہور جامع حدیث تھے۔ ان کی کتاب المسند الکبیر محدثین میں مشہور ہے مگر نایاب ہے۔ ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔ تیل وغیرہ کا نیل نکال کر بیچتے تھے اسی لئے "بزّار" کہے جاتے تھے۔

لَاُخْرٰی پڑھا تو فوراً شیطان نے آپ کی زبانِ مبارک سے بلوا دیا (اس کا معنیٰ ہے یہ خوبصورت لڑکیاں جن کی شفاعت کی اُمید کی جا سکتی ہے)۔ (تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ تُرْتَجٰى)۔ جس کو سن کر مشرکین مکہ بہت خوش ہوئے کہ انہوں نے ہمارے بتوں کی تعریف کی اور جب آخر سورہ نجم پر آپ نے سجدہ کیا تو مسلمانوں کے ساتھ تمام مشرکین نے بھی سجدہ کیا بجز ولید بن مغیرہ کے کہ اس نے صرف ایک مٹھی خاک اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگا لی اور کہا کہ یہی کافی ہے۔ وغیر ذالک من الھفوات۔ متاخرین مفسرین نے اس روایت کو مرسل قرار دے کر ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دینے کی کوشش کی ہے مگر دبی زبان سے۔ کسی کی یہ ہمت نہیں پڑی کہ صاف صاف کہہ دیں کہ یہ ملاحدہ و زنادقہ کی گھڑی ہوئی روایت ہے اور منافقین نے اس کو مشہور کر دیا ہے۔

نمبر ۱۸۔ ترمذی میں عوف بن ابی جمیلہ جس کو تہذیب التہذیب میں قدریہ رافضی شیطان لکھا ہے اسی سے مروی ہے کہ ابن عباس رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ سے پوچھا کہ تم لوگوں نے سورہ انفال کو جو "مثانی" میں سے ہے اور سورۂ توبہ جو "مئین" میں سے ہے ساتھ ساتھ کیوں کر دیا؟ اور پھر درمیان میں بسم اللہ[1] بھی نہیں لکھی اور اس کو تم لوگوں نے "سبع طوال" میں قرار دے دیا۔ ایسا کیوں کیا؟ حضرت عثمان رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں اترتی تھیں تو جب کوئی آیت اترتی تو کسی کاتب کو آپؐ بلا لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس آیت کو اس سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں باتوں کا ذکر ہو اور انفال مدینہ کی سورتوں میں سے اوائل کی سورتوں میں سے ہے اور براءت آخر قرآن میں ہے اور اس کا قصہ اس کے قصے[2]

---

[1] بسم اللہ ایک پیامِ رحمت ہے سورہ براءت بیزاری کا اعلان اور عذاب کی دھمکی سے شروع ہوتی ہے جس کو پیامِ رحمت سے شروع کرنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ حضرت علی رضؓ سے بھی اسی قسم کی توجیہہ مروی ہے اور صحیح ہے۔

[2] صفحہ ۹۴ پر۔

سے مشابہ تھا تو ہم لوگوں نے گمان کیا کہ سورۂ برأت سورہ انفال ہی کا جز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تا وفات اس کے بارے میں ہم لوگوں سے کچھ بیان[۱] نہیں فرمایا اس لئے ہم لوگوں نے دونوں[۲] کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا اور درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی اور اس کو سبع طوال میں قرار دیا۔ اس حدیث کا راوی وہی عوف اعرابی ہی ہے جو رافضی شیطان تھا۔ مگر اتقان وغیرہ کتابوں میں یہ حدیث معتبر قرار دے کر برابر نقل در نقل ہوتی چلی آئی اور مستدرک وغیرہ میں مروی ہے۔

نمبر ۱۹ سورۂ اعراف کے چوبیسویں رکوع میں ہے: هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ط الآیہ اس آیت میں فَلَمَّا تَغَشَّاهَا کے بعد اَحَدٌ مِّنْكُمْ

---

۲ ص۹۳ سے۔ دونوں سورتوں کے قصوں میں کوئی خاص مشابہت نہیں ہے بلکہ آخر انفال اور اول برأت کو ملا دیا جائے تو دونوں کے مضامین میں بُعد المشرقین بعید معلوم ہوگا اور مطلق مناسبت محسوس نہ ہوگی۔

۱ ۔ یعنی تعلیم کتاب جس کے لئے آپ مبعوث ہوئے۔ اس مفوضہ خدمت کی ایک اہم بات رہ گئی۔ موت اگر مبعوث کے اختیار کی بات نہ تھی تو باعث کے اختیار میں تو تھی اللہ تعالےٰ نے مفوضہ خدمت کی تکمیل سے پہلے کیوں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی۔ یہ الزام تو رسول ہی پر نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ پر بھی ہے۔

۲ یہ بالاتفاق مسلّم ہے کہ ہر سورہ کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھا چاہے توفیقاً چاہے اجتہاداً، جو بھی سمجھا جائے تو سورہ برأت اور سورۂ توبہ" یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے رکھے ہوئے تھے اسی طرح سورۂ انفال کا نام بھی آپ ہی نے رکھا۔ تو جب دو سورہ تھے تو دونوں کو الگ الگ رکھنا ہی تھا۔ ہر سورہ کے ساتھ بسم اللہ نازل ہوتی تھی اس لئے لکھی جاتی تھی۔ اس سورہ کے آغاز میں نہیں نازل ہوئی نہیں لکھی گئی لکھنے والے اپنی طرف سے تو بسم اللہ لکھتے نہ تھے۔

کا لفظ محذوف ہے اور اسی طرح کے محذوفات قرآن میں اور کلام عرب میں بلکہ ہر زبان میں بہت ہوا کرتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو کسی کو بتائی جائے ہر عربی داں آشنا خود سمجھ سکتا ہے مگر اس کی تفسیر میں ابن جریر، ابن کثیر، مسند امام احمد، مستدرک حاکم حتیٰ کہ ترمذی میں بھی یہ ہے کہ حضرت آدم و حوّا کے اولاد بچتی نہ تھی، جو بچہ پیدا ہوا مر گیا۔ آخر ابلیس نے ان دونوں کو مشورہ دیا کہ اب کے جو بچہ پیدا ہو تو اس کا نام "عبدالحارث" رکھنا وہ بچہ نہیں مرے گا۔ چنانچہ پھر جو بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھا اور "حارث" نام تھا ابلیس کا۔ اسی پر قرآن میں فرمایا گیا کہ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ جب اللہ نے ان دونوں کو جیتا جاگتا بچہ دیا تو لگے وہ دونوں شرک کرنے۔

فرمائیے۔ صرف ایک شجر ممنوعہ کا پھل کھا لینے سے تو عتاب میں پڑے اور جب تک توبہ نہ کی منصب خلافت نہ ملا اور منصب خلافت ملنے کے بعد شرک کر گئے اور توبہ[1] بھی نہ کی مگر کچھ نہ ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے بالکل چشم پوشی فرمائی۔ صرف شکایتاً قرآن میں ذکر کر دیا حالانکہ اسی قرآن میں ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر گناہ معاف کر سکتا ہے (بے توبہ کے بھی) مگر شرک کو (بغیر توبہ کے) کبھی معاف نہیں کرے گا۔

نمبر۲ یہ تو بطور نمونہ چند مثالیں ان حدیثوں کی ہیں جن کے ذریعے منافقین و ملاحدہ و زنادقہ نے لفظی و معنوی تحریفیں اور اختلافات پیدا کئے ہیں ورنہ اگر زیر زبر اور نقطوں کے فرق، بعض الفاظ یا حروف کی تبدیلی اور معنوی تحریفوں کی فہرست پیش کروں تو اس کے لئے ایک مستقل دفتر کی ضرورت ہے۔ انہ عمل غیر صالح (ہود) کی جگہ اِنَّهٗ عَمِلَ غَيْرَ صَالِحٍ جیسی مثالوں سے قرأت کے دفتر بھرے پڑے

---

[1] اگر یہ کہا جائے کہ آدم و حوا نے اس کے بعد توبہ کر لی ہوگی تو نہ اس کی طرف کوئی اشارہ آیت میں ہے نہ روایت میں۔ پس نے ایسا کہنے کا کوئی حق کسی کو نہیں۔

ہیں اور ان تمام لفظی تحریفوں کا سرچشمہ وہ حدیث ہے جس کو ابن جریر نے اپنے مقدمہ تفسیر میں متواتر ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور ہر حدیث کی کتاب میں آپ کو متعدد طُرق سے مروی ملے گی یعنی اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ والی حدیث۔ خلاصہ روایت یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ قرآن ایک ہی حرف پر پڑھا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا۔ میری امت ضعیف ہے ایک حرف پر نہیں پڑھ سکتی۔ اس لئے سہولت و عافیت کی التجا ہے تو دو حرفوں پر پڑھنے کا حکم ہوا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو واپس کیا کہ میری امت ضعیف ہے اس کے لئے اور سہولت بخشی جائے یہاں تک کہ سات حرفوں پر پڑھنے کی اجازت ملی۔ "حرفوں" سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق محدثین ہی نہیں بلکہ بقول راویان خود اکابر تابعین میں سخت اختلاف ہے یہاں تک کہ صحابہ کے بیانات بھی مختلف ہی بیان کئے گئے ہیں جو درحقیقت صحابہ پر بہتان ہے۔ یہ سات قرأتیں جو قرأت کی کتابوں میں مذکور ہیں ان کے بارے میں خود قرأ کا اقرار ہے کہ سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ سے یہ قرأتیں مراد نہیں ہیں۔ زیادہ تر لوگ یہی لکھتے ہیں کہ ان سے مراد سات لغات ہیں جو فصحائے عرب کے ممتاز لغات ہیں مگر ان سات لغات پر پڑھنے کی اجازت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دوڑا دوڑا کر بڑی منت سماجت سے حاصل کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان میں سے چھ حروف کو ملیا میٹ کر دیا اور صرف ایک ہی حرف پر تمام امّت کو پڑھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ تو اللہ بھلا کرے اہل کوفہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے کہنے کے مطابق اہل کوفہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب کی قرأت محفوظ رکھی بلکہ اور بھی جتنی قرأتیں ان کو جہاں جہاں سے ملیں یا خود یہ پیدا کرتے گئے' سب کا ایک انبار لگا دیا کہ آج قرأت کا دفتر ہمارے کتب

خانوں میں موجود ہے۔ میری کتاب اعجاز القرآن اور " اَلزُّخْرُفْ " میں اس موضوع پر مفصل بحث آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ان روایتوں کے دیکھنے کے بعد بے اختیار دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت میں جمع قرآن کیوں نہیں کرا دیا تھا قرآن کب جمع ہوا اور کس نے جمع کرایا اور کس طرح جمع ہوا؟ تو اب جمع قرآن کی روایتوں پر ایک نگاہ ڈال لیجیے۔ بخاری و ترمذی و نسائی والی حدیث جمع قرآن پر تو پوری بحث ہی اصل کتاب میں آپ کے سامنے آتی ہے۔ ان کے علاوہ غیر صحاح میں جو حدیثیں ہیں مجملاً ہی سہی، ان کے مضامین بھی آپ کے پیشِ نظر آجائیں تو بہتر ہے اس لئے چند مشہور روایتیں جن کو اتقان وغیرہ میں نقل کیا ہے نمبروار ان کے تراجم بیان کرتا ہوں۔

نمبرا۔ جمع قرآن کی جو اصل روایت ہے جس پر اس وقت تمام لوگوں کا اعتماد ہے وہ تو وہی ہے جو بخاری و ترمذی و نسائی میں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن کسی کتاب کی صورت میں لکھا مجتمع نہ تھا بلکہ ٹھیکری، ہڈی، چھال وغیرہ پر منتشر آیتیں لکھی ہوئی تھیں وہ بھی مختلف جگہ مختلف لوگوں کے پاس۔ بعض لوگوں کو قرآن کی متعدد سورتیں یاد تھیں۔ بڑے بڑے اکابر کو غالباً زیادہ سورتیں یاد ہوں گی۔ ان حافظوں کی جماعت میں سے ایک بڑی جماعت جنگِ یمامہ میں شہید ہوگئی جن کو قرآن کے بہت سے حصے یاد تھے تو حضرت عمرؓ نے قرآن کے ضائع ہو جانے کا خطرہ محسوس کیا اور حضرت ابوبکرؓ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ وہ گھبرا گئے کہ جس کام کو رسول اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ کام ہم کس طرح کریں۔ حضرت عمرؓ کے بار بار کہنے سے وہ راضی ہوگئے اور حضرت عمرؓ کے سامنے ہی زیدؓ بن ثابت کو بلوایا اور ان کو جمع قرآن کے لئے کہا۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ کام آپ

لوگ کس طرح کرنا چاہتے ہیں مگر سمجھانے سے وہ بھی بمشکل راضی ہو گئے اور لگے قرآن جمع کرنے۔ تو ٹھیکری، ہڈی، چھال وغیرہ جس جس کے پاس تھا سب سے لے لے کر بیٹھے اور منتشر آیتوں کا جوڑ ملاتے ہوتے اور جن کو جو کچھ یاد تھا ان سب سے پوچھتے ہوئے وہ جمع کر رہے تھے۔ سورہ توبہ کے آخر کی دو آیتیں تلاش کرنے کے بعد صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ انصاری کے پاس زید رضؓ کو ملیں اور انہوں نے ان کو لکھ لیا۔ وہ صحیفے حضرت ابو بکرؓ کی زندگی تک انہی کے پاس رہے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد (حضرت عثمان رضؓ کے پاس رہتے مگر اللہ جانتے کیوں) حضرت حفصہؓ کے پاس چلے گئے۔ اس روایت کو صرف ابن شہاب زہری صرف عبید بن السباق سے اور وہ صرف زید بن ثابتؓ سے بیان کرتے ہیں مگر محدثین نے اس روایت کو متواتر، یقینی اور قطعی بلا دلیل تسلیم کر لیا ہے۔ اسی روایت پر پوری بحث اس کتاب میں موجود ہے۔

نمبر۲۔ حضرت عثمانؓ کے وقت میں حضرت حذیفہؓ بن الیمان نے عراق سے آ کر مسلمانوں کے قرآن میں باہمی اختلافات کا حال بیان کر کے کہا کہ امت کی خبر لیجئے حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس سے قرآن کے صحیفے منگوائے واپس کر دینے کے وعدے پر اور اس کی متعدد نقلیں چار آدمیوں سے کرائیں اور ایک نقل رکھ لی اور ایک ایک مختلف ممالک میں بھیج دی کہ لوگ اپنے اپنے مصحف کو اسی سے ملا ملا کر درست کر لیں اور جو اس سے مختلف لکھے ہوتے اوراق وغیرہ ہوں ان کو جلا دیں۔ لکھنے والوں میں صرف زیدؓ بن ثابت انصاری تھے۔ باقی تین قریشی۔ قریشیوں سے حضرت عثمان رضؓ نے کہہ دیا تھا کہ زیدؓ سے اختلاف ہو تو لغت قریش کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن ایک قریشی پر اترا ہے۔ اس روایت کے کے بعد فوراً دوسری روایت ہے کہ نقل مصاحف کے وقت سورہ احزاب کی ایک آیت یاد آئی وہ بھی صرف زیدؓ کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے

تھے۔ ڈھونڈھنے سے خزیمہ بن ثابت کے پاس ملی من المومنین رجال الآیہ تو اس کو مصحف میں لگا دیا۔ ترمذی میں یہ بھی ہے کہ تینوں کاتبوں میں تابوت اور تابوہ کا اختلاف ہوا تو حضرت عثمان رضؓ نے تابوت کا فیصلہ کیا۔

نمبر۳ ابن ابی داؤد کی کتاب سے کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۸ میں ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے پورا قرآن خود کاغذ پر لکھ کر جمع کیا تھا اس پر نظرثانی کے لئے انہوں نے زید بن ثابت سے کہا۔ زید نے انکار کیا تو حضرت عمر رضؓ کی سفارش سے زید بن ثابت نے اس پر نظرثانی کی۔ تو وہ زید رضؓ کی نظرثانی کی ہوئی کتاب حضرت صدیق اکبر رضؓ کی زندگی تک ان کے پاس رہی۔ ان کے بعد حضرت عمر رضؓ کے پاس۔ ان کے بعد حضرت حفصہ رضؓ کے پاس رہی۔ حضرت عثمان رضؓ نے (اپنے عہد خلافت میں) اس کی نقلیں لینے کے لئے حضرت حفصہ رضؓ سے ان صحیفوں کو مانگ بھیجا تو انہوں نے دینے سے انکار کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضؓ نے واپس کرنے کا عہد کیا تو حضرت حفصہ رضؓ نے وہ صحیفے ان کے پاس بھیج دیئے حضرت عثمان رضؓ نے چند مصاحف اس سے نقل کرائے اور وہ صحیفے حضرت حفصہ رضؓ کے پاس واپس بھیج دیئے۔ جو انہیں کے پاس برابر رہے۔ اس کے بعد پھر زہری ہی سے روایت ہے کہ مروان رضؓ (جو ۴۱ھ میں بعہد خلافت امیرالمومنین حضرت معاویہ رضؓ والئ مدینہ تھے) حضرت حفصہ رضؓ کے پاس آدمی بھیج بھیج کر برابر وہ صحیفے مانگ بھیجتے تھے مگر وہ نہیں دیتی تھیں تو جب حضرت حفصہ رضؓ کی وفات ہو گئی تو مروان رضؓ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے شدت کے ساتھ ان صحیفوں کو وصول کر لیا اور صحیفوں کو پھاڑ کر ضائع کر دینے کا حکم دیا اور وہ ضائع کر دیئے گئے مروان رضؓ نے کہا کہ ہم نے یہ اس لئے کیا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ صحیفوں میں لوگوں کے پاس لکھا جا چکا اور محفوظ ہو چکا۔ میں ڈرا کہ زمانۂ دراز کے بعد اس مصحف کے بارے میں کوئی شک کرنے والا شک نہ کرے اور کہے کہ اس میں کوئی چیز تھی جو نہیں

لکھی گئی۔ اس واقعہ پر بحث اصل کتاب میں آتی ہے۔ دیکھیے فہرست میں "مروان کی دور اندیشی"۔

نمبر۴ ابن سعدؓ کی روایت سے اسی صفحہ کنزالعمال میں ہے کہ ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں کہ اہل یمامہ کے قتل کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ اور زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر تم دونوں بیٹھ جاؤ اور جو شخص کوئی حصہ قرآن ایسا لے کر آئے جس کو تم نہ جانو[1] تو اس سے اس پر دو گواہ طلب کرو جب اس کو لکھو اور یہ اس لئے حکم دیا کہ یمامہ میں ان صحابہؓ کی شہادت ہوگئی تھی جنہوں نے قرآن جمع کیا تھا۔

نمبر۵ اتقان صہ ۸۳ میں ہے کہ زہری ہی عبید بن السباق سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے اور قرآن کسی چیز پر بھی لکھا[2] ہوا نہ تھا اس روایت کو ابن حجر نے فوائد دیرعاقولی سے فتح الباری میں بھی نقل کیا ہے۔

نمبر۶۔ اسی صفحے میں عمارہ بن عزیہ سے یہ بھی روایت ہے کہ زید بن ثابتؓ نے کہا کہ مجھ کو ابوبکرؓ نے حکم دیا تو میں نے قرآن کھال اور چھال پر لکھا۔ جب ابوبکرؓ نے وفات پائی اور عمرؓ کا زمانہ آیا تو میں نے ایک صحیفے میں قرآن لکھ ڈالا جو ان کے پاس رہا۔

نمبر۷۔ اور پھر یہیں پر مؤطا امام مالک (بروایت ابن وہب) میں زہری ہی سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کاغذ پر قرآن جمع کیا۔ اس میں زید بن ثابتؓ سے مدد چاہی تو انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ سے سفارش کرائی تو زیدؓ نے مدد دی (جیسا کہ نمبر۲ میں گزرا)۔

---

[1] ۔ قرآن کا ایسا بھی کوئی حصہ ہو سکتا تھا جس کو حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نہ جانتے ہوں۔ معاذاللہ من ذالک۔

[2] ۔ یعنی ہڈی، ٹھیکری، کھال یا چھال پر بھی نہیں۔

نمبر ۸۔ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۸۰ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے قرآن جمع کرنے کا ارادہ کیا تو لوگوں میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی قرآن سیکھا ہو وہ اس کو ہمارے پاس لائے اور لوگوں نے اس کو مصحف تختوں اور چھال وغیرہ پر لکھ رکھا تھا اور کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کی جاتی تھی۔ جب تک دو گواہ اس پر گواہی نہیں دیتے تھے تو حضرت عمرؓ شہید کر دیئے گئے اسی حال میں کہ قرآن ان کے پاس جمع ہو رہا تھا تو حضرت عثمانؓ اٹھے اور انہوں نے اعلان کیا کہ جس کے پاس بھی قرآن کا کوئی حصہ ہو وہ ہمارے پاس لائے اور نہیں قبول کرتے تھے جب تک دو گواہ اس پر گواہی نہ دیں تو خزیمہ بن ثابتؓ الانصاری نے آکر کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں نے دو آیتوں کو چھوڑ دیا۔ نہیں لکھا۔ لوگوں نے کہا وہ کونسی دو آیتیں ہیں؟ خزیمہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ آخر سورہ تک۔ تو حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ تو پھر تم ان کو کہاں رکھنا مناسب سمجھتے ہو؟ تو خزیمہؓ نے کہا کہ اسی پر ختم کرو اس سورہ کو جو آخری سورہ قرآن کا ہے۔ تو ان دونوں آیتوں کو آخر سورہ برأت میں رکھ دیا گیا۔ (ابن ابی داؤد ابن عساکر)۔

نمبر ۹۔ اس کے بعد اسی صفحے میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب ارادہ کیا امام کے لکھنے کا تو صحابہؓ کی ایک جماعت (لکھنے کے لئے بٹھائی) اور کہا کہ اس کو لکھو قبیلہ مضر کی زبان میں۔ کیونکہ قرآن ایک مُضری شخص پر اترا ہے۔ (ابن ابی داؤد)

نمبر ۱۰۔ اسی کے بعد ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مصاحف کو نہ لکھیں مگر نوجوانانِ قریش یا نوجوانانِ ثقیف۔ (ابو عبید و ابن ابی داؤد)

۱ہ۔ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۸۰ میں ابن سعد اور مستدرک سے منقول ہے کہ محمد بن سیرین نے کہا کہ حضرت عمرؓ شہید ہو گئے اس وقت تک قرآن جمع نہیں ہوا تھا۔

نمبرا۔ پھر اسی کے بعد ہے کہ ابن شہاب زہری ہی سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے دن حفاظ قرآن بہت سے کٹ گئے۔ قریب چار سو اشخاص کے تو زید بن ثابتؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ یہی قرآن ہم لوگوں کے دین کا جامع ہے۔ اگر قرآن چلا گیا تو ہم لوگوں کا دین چلا گیا۔ اس لئے ہم نے قرآن کے جمع کر لینے کا ارادہ کیا ہے ایک کتاب میں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ٹھہر جاؤ ہم ابوبکرؓ سے پوچھ لیں تو دونوں حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا کہ جلدی نہ کرو ہم مسلمانوں سے مشورہ کرلیں تو حضرت ابوبکرؓ نے مجمع کو خطبہ دیا اور لوگوں کو صورتحال اور ضرورت جمع قرآن سے مطلع کیا۔ لوگوں نے جمع قرآن کی رائے کو پسند کیا تو ان لوگوں نے قرآن جمع کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ منادی کر دے کہ جس کے پاس قرآن کا کچھ بھی حصہ ہو تو اس کو لائے تو حضرت حفصہؓ نے کہا تم لوگ جب حَافِظُوْ عَلَى الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى پر پہنچو تو مجھ کو خبر کرو۔ جب یہاں تک لکھنے والے پہنچے اور خبر کی تو حضرت حفصہؓ نے کہا کہ اس کے بعد لکھو وهي صَلٰوةَ الْعَصْرِ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا تمہارے پاس اس کے قرآن ہونے کی کوئی دلیل (گواہ) ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا واللہ قرآن میں نہیں داخل ہو سکتی کوئی ایسی چیز جس کو صرف ایک عورت بلا دلیل وگواہ بیان کرے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ لکھو والعصر ان الانسان لیخسر و انہ فیہ الی آخر الدھر ○ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہٹاؤ میرے سامنے سے اس بدوؤں جیسی عبارت کو۔ (کتاب المصاحف ابن الانباری) (تعجب ہے کہ ابی بن کعب نے اس موقع پر حضرت عمرؓ کو نہیں ڈانٹا کہ تم بانار کی دوڑ دھوپ میں رہا کرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن سیکھا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی ڈانٹ کس طرح سن کر چپ رہ گئے اور ان کا لایا ہوا حصۂ قرآن رد کر دیا گیا پھر بھی وہ کچھ نہ بولے)۔

نمبر۱۲۔ خزیمہ بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ میں لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ والی آیت کو عمر بن الخطابؓ اور زید بن ثابتؓ کے پاس لایا تو زیدؓ نے کہا کہ تمہارے پاس کون گواہ ہے؟ تو میں نے کہا کہ اس کو واللہ میں نہیں جانتا۔ تو خود زیدؓ نے کہا کہ میں اس کی شہادت دیتا ہوں (کنز العمال جلد۱ صنہ۲۸ منقول از ابن سعد)۔

ان روایات کے دیکھنے کے بعد کمزور ایمان والے تو جانے کن کن شکوک شبہات میں پڑے ہوں گے اور پڑ سکتے ہیں۔ محدثین کے اکابر بھی قرآن کے متعلق صحیح عقیدہ قائم نہ کر سکے۔ ابن حجر فتح الباری صہ۱۲۴ جزو بستم باب جمع القرآن کی پہلی حدیث جمع صدیقی والی روایت کی شرح میں متعدد روایتوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ کلام مخصوص طور سے مخصوص صفت کے ساتھ لکھنے میں ہے۔ ورنہ پورا قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لکھا جا چکا تھا۔ لکن غَیْرَ مَجْمُوْعٍ فِیْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ وَّلَا مُرَتَّبُ السُّوَرِ لیکن ایک جگہ مجتمع نہ تھا اور نہ سورتیں مرتب تھیں یعنی منتشر آیتیں کچھ کسی کے پاس کچھ کسی کے پاس تھیں۔ آیات سے سورتوں کی ترتیب بھی قائم نہ تھی۔ یہ سب کام صحابہؓ نے اپنی سمجھ سے بطور خود کیا۔ معاذ اللہ من ذالک۔

نمبر۱۳۔ اور پھر بخاری میں یہ بھی ہے کہ چار انصاریوں نے عہد نبویؐ میں قرآن جمع کیا تھا ابی بن کعب، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابو زیدؓ دوسری روایت میں ابی بن کعب کی جگہ ابو درداؓ کا نام ہے۔ اس روایت پر بحث اصل کتاب میں آتی ہے اور ابن سعد سے کنز العمال جلد۱ صنہ۲۸ میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں پانچ انصاریوں نے قرآن جمع کیا تھا معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابی بن کعبؓ، ابو ایوبؓ اور ابو درداؓ۔

نمبر۱۴۔ اور کنز العمال جلد۱ صہ۲۸۱ میں ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب جب قرآن

جمع کرنے لگے تو انہوں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ مَنْ اَعْرَبُ النَّاس ؟ سب سے زیادہ عربیت کا ماہر کون ہے ؟ لوگوں نے کہا کہ سعید بن العاصؓ۔ پوچھا زیادہ اچھا لکھنے والا کون ہے ؟ لوگوں نے کہا کہ زید بن ثابتؓ۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو سعیدؓ لکھوائیں اور زیدؓ لکھیں۔ تو لوگوں نے چار مصحف لکھے جن میں سے ایک مصحف کوفہ، ایک بصرہ ایک شام میں بھیجا ایک حجاز کے لئے رکھا۔ ابن الانباری

نمبر ۱۵۔ کنز العمال جلد ۱ صہ ۲۸۴ میں ابن ابی داؤد اور ابن عساکر کی کتابوں سے منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جماعتِ صحابہؓ و تابعین میں خطبہ دیا اور کہا کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو تیرہ ہی برس ہوئے ہیں کہ تم لوگ قرآن میں اختلاف پیدا کرنے لگے اور کہتے ہو کہ قرآت ابی بن کعبؓ و قرأت عبداللہ بن مسعودؓ۔ ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ تمہاری قرآت ٹھیک نہیں ہے تو میں تم میں سے ہر شخص پر لازم گردانتا ہوں جس کے پاس کچھ بھی قرآن ہو وہ لے آئے اس کو۔ تو لوگ اوراق پر اور کھال پر لکھے ہوئے قرآن لانے لگے تو ان سبھوں کو جمع کیا گیا۔ پھر حضرت عثمانؓ آئے اور سب سے قسم کھلائی کہ اسی طرح انہوں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے انہیں یہ لکھوایا ہے ؟ تو وہ کہتے کہ ہاں۔ تو جب حضرت عثمانؓ سب سے ان کے لائے ہوئے مکتوبات پر قسم کھلوا چکے تو لوگوں سے انہوں نے پوچھا کہ کون سب سے زیادہ اچھا لکھنے والا ہے ؟ لوگوں نے کہا کہ زید بن ثابتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب۔ پھر پوچھا کون عربیت کا سب سے زیادہ ماہر ہے ؟ لوگوں نے کہا کہ سعید بن العاصؓ۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ سعیدؓ لکھوائیں اور زیدؓ لکھیں تو زیدؓ نے لکھا اور اس کے ساتھ چند مصاحف لکھے تو حضرت عثمانؓ نے اس مصحف کو لوگوں میں پھیلایا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے بعض صحابہ کو یہ کہتے سنا کہ کیا اچھا کام کیا حضرت عثمانؓ نے۔ ایک روایت اور بھی اس کے بعد ہے جس میں تیرہ سال کے عوض مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی وفات کو پندرہ برس ہو گئے" اور اس میں سعید ابن العاصؓ نے سب سے زیادہ فصیح لکھا ہے اور آخر میں ہے کہ مصعب بن سعدؓ راوی نے کہا ہے کہ کسی شخص نے بھی حضرت عثمانؓ کے اس فعل کو برا نہ سمجھا۔

نمبر۱۶ صـ۲۴۳ میں کتاب المصاحف ابن ابی داؤد سے منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان مصاحف کو (جن میں غلطیاں تھیں یا دوسری قرأتیں تھیں) ان کو قبر مبارک اور منبر کے درمیان دفن کرا دیا۔

نمبر۱۷ اسی صفحے میں ابن ابی داؤد ہی سے ایک روایت اور منقول ہے جس کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ لوگ قرآن پڑھتے تھے اور ایک دوسرے کو اختلاف قرأت کی وجہ سے کافر قرار دیتے تھے تو یہ صورت حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوئی۔ انہوں نے بارہ آدمی قریش اور انصار میں سے منتخب کیے جن میں ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور سعید بن العاصؓ بھی تھے۔ پھر حضرت عمرؓ کے گھر سے وہ پٹاری منگوائی جس میں قرآن تھا اور ان لوگوں کی نگرانی کرتے رہے۔ یہ لوگ لکھتے رہے اور جس جگہ باہم اختلاف ہوتا تھا اس کو (بعد میں غور کرنے کے لئے) اٹھا رکھتے تھے۔ غالباً اس لئے اٹھا رکھتے تھے کہ دیکھا جائے کہ کون سی قرأت (جبرئیل کے) عرضۂ اخیرہ کے مطابق ہے تو اس کو لکھیں۔

نمبر۱۸ اسی صفحے میں ابن ابی داؤد ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ بنی ہذیل اور بنی ثقیف لکھیں (مگر نہ سعید بن العاصؓ بنی ہذیل سے تھے نہ زید بن ثابتؓ بنی ثقیف سے)۔

نمبر۱۹ اسی صـ۲۴۳ کنز العمال میں ابن ابی داؤد اور ابن الانباری کی کتابوں میں منقول ہے کہ جب مصحف لکھ کر لوگوں نے تیار کیا تو حضرت عثمانؓ کے پاس لائے۔ انہوں نے اس پر نگاہ ڈالی تو کہا کہ تم لوگوں نے نہایت اچھا اور بہت خوب کام کیا مگر میں اس میں زبان کی کچھ غلطی محسوس کرتا ہوں جس کو عرب اپنی زبانوں سے

درست کریں گے۔

نمبر۲۰۔ مذکورہ بالا روایت عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر القرشی سے ہے (رجال کی کتابوں میں ان کو قرشی نہیں لکھا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ موالی قریش سے ہوں بصری تابعی لکھے جاتے ہیں۔) مگر دوسری روایت پہلی روایت کے بعد اسی صفحے میں ابن ابی داؤد اور ابن الانباری ہی سے قتادہ سے بھی مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جب مصحف کو دیکھا تو کہا کہ اس میں عربیت کی کچھ خامیاں ہیں۔ اہل عرب ان کو اپنی زبانوں سے ٹھیک کرلیں گے۔

آخر دو نمبر ۱۹ اور ۲۰ کے خط زدہ الفاظ پر ہر ایماندار کو میں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ نگاہ غور ڈالیں کہ جس قرآن کو سب سے زیادہ عربیت کے ماہر حضرت سعید بن العاصؓ سے حضرت عثمانؓ نے املا کرایا اور حضرت زید بن ثابتؓ سے لکھوایا اور اس کی نقلیں کرا کے تمام ممالک میں بھجوائیں کہ ہر شخص اپنے مصحف کو اسی سے ملالے اور اس سے ایک حرف ایک نقطے کا بھی فرق نہ کرے اور اس کے تمام نسخوں کو مٹا دینے اور جلا دینے یا پھاڑ دینے کا حکم دیا۔ اس نسخے میں بھی حضرت عثمانؓ ہی کے نزدیک عربیت کی خامیاں رہ گئی تھیں۔ وہ خامیاں یقیناً اللہ کی طرف سے تو نہیں اتری تھیں۔ ضرور اور بالضرور کچھ رد و بدل ہوا اور قرآن جس طرح اترا تھا بالکل اسی طرح جمع نہ ہوا لیکن حضرت عثمانؓ اور تمام صحابہؓ نے اسی ناقص قرآن کو جس میں بعض عربیتؓ کی کچھ خامیاں تھیں۔ مجبوراً گوارا کیا۔ یہ بھی نہ کیا کہ ان خامیوں کو نکال دیں اور وہاں کی عبارت درست کردیں بلکہ حضرت عثمانؓ نے یہ کہہ کر ان خامیوں کو چھوڑ دیا کہ اہل عرب جب پڑھیں گے تو عربی ان کی مادری زبان ہے

---

۱۹ پہلی روایت کی اصل عبارت یہ ہے أَرَىٰ شَيْئًا مِّنْ لَحْنٍ سَتُقِيمُهُ الْعَرَبُ بِأَلْسِنَتِهَا کنز العمال جلد ۱ صـ ۲۸۳

روانی میں صحیح عبارت ہی ان کی زبان سے نکلے گی یعنی غلط لکھا ہوا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پڑھنے والے عرب اس کو صحیح پڑھ لیں گے۔ معاذ اللہ من ذالك ثم معاذ اللہ من ذالك۔ کتنا بڑا اتہام ہے حضرت عثمانؓ پر۔ اور کتنا بڑا بہتان ہے قرآن مجید پر۔ اللہ اکبر۔

نمبر۲۱۔ اسی کے بعد[۱] ابن الانباری اور ابن ابی داؤد ہی کے حوالہ سے منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ کے پاس جب مصحف لایا گیا تو انہوں نے اس میں عربیت کی کچھ خامی دیکھی تو کہا کہ اگر لکھوانے والا قبیلہ ہذیل کا اور لکھنے والا قبیلہ ثقیف کا ہوتا تو یہ خامی اس میں نہ رہ جاتی یعنی قریشیوں میں جو سب سے زیادہ عربیت کے ماہر تھے سعید بن العاصؓ وہ بھی قریشی زبان کی خامیاں درست نہ کر سکے تو کس نے منع کیا تھا جو ہذیل و ثقیف سے یہ کام نہ لیا گیا؟

نمبر۲۲ کنزالعمال کے اسی صفحے میں ابن سعدؒ سے یہ روایت منقول ہے جو اتقان وغیرہ میں بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے وفات نبوی کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں دیر کی تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے پوچھ بھیجا کہ کیا آپ نے میرے ہاتھ پر بیعت ناپسند کی؟ تو حضرت علیؓ نے کہلا بھیجا کہ ایسا نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ اپنی چادر نماز کے وقتوں کے سوا اور کسی وقت نہ اوڑھوں گا جب تک قرآن نہ جمع کر لوں اور لوگوں کا خیال یہ ہے کہ وہ ترتیبِ نزول کے مطابق جمع کر رہے تھے۔ محمد بن سیرین اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ کاش میں وہ کتاب پا لیتا۔ اس میں بڑا علم تھا۔

---

[۱] جو قرآن دنیا بھر کو مقابلے کا چیلنج دے رہا ہو کہ ایسی ایک سورت بھی بنا کر پیش کرو اس قرآن کے بارے میں ایسی ملحدانہ روایتیں کس طرح محدثین نے اپنی کتابوں میں داخل کیں اور آج تک ان حدیثوں کے باوجود علماً ان کتابوں کا احترام جزو ایمان سمجھتے ہیں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔

ابن عون نے کہا کہ میں نے عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) سے پوچھا تو انہوں نے اس کے متعلق اپنی واقفیت نہیں بیان کی۔ اس روایت کو ابن حجر نے فتح الباری جزو بستم صہ۴۲ میں نقل کرتے ہوئے اس روایت کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور پھر تاویل بھی کی ہے کہ جمع سے مراد حفظ ہو گی۔ پھر لکھتے ہیں کہ اور جو اس حدیث کے بعض طرق میں صاف مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ فرمایا تھا کہ "جب تک میں قرآن کو بین الدفتین مجلد جمع نہ کر لوں" تو ابن حجر نے صاف کہہ دیا کہ یہ راوی کا وہم ہو گا مگر اسی روایت کی بنا پر حضرت علیؓ کے قرآن کے مطابق ترتیب نزول جمع کرنے کا عام طور سے شور مچایا جاتا ہے۔ خصوصاً شیعوں نے اس کو اپنی کتابوں میں بہت اچھالا۔ اس پر بحث اصل کتاب میں آئے گی۔ اگر شیعوں کی کتابوں کو دیکھیے تو اور بھی عجیب و غریب روایتیں ملیں گی جس کا جی چاہے کم سے کم اصول کافی ہی کا مطالعہ کرے۔

نمبر۲۳۔ کنز العمال جلد۱ صہ۲۸۲ میں ابن ابی داؤد کی کتاب سے منقول ہے کہ ابن شہاب زہری نے کہا کہ مجھ کو معلوم ہوا کہ قرآن بہت اترا تھا اور قرآن کے جاننے والے جنہوں نے اس کو حفظ کر لیا تھا یمامہ کے دن مارے گئے اور ان کے بعد نہیں جانا گیا[۱] اور نہ لکھا گیا تو جب ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نے قرآن جمع کیا اور ان کے بعد اور قرآن کسی کے پاس نہیں پایا گیا اور یہ بھی اس میں ہے جو ہم تک خبر پہنچی ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کی تلاش میں کوشش کی اور اس کو خلافتِ ابو بکرؓ میں اس ڈر سے مصحف میں جمع کیا کہ کہیں اور مسلمان بھی مختلف جگہ نہ

---

[۱]۔ اصلی عبارت یوں ہے وَلَمْ يُعْلَمْ بَعْدَهُمْ وَلَمْ يُكْتَبْ۔ یعنی وہ قرآن جو صرف انہی لوگوں کو یاد تھا۔ اس کے ان حصوں کا کوئی علم کسی کو نہ ہوا اسی وجہ سے مصحف میں وہ لکھے نہ جا سکے۔

مارے جائیں اور ان کے ساتھ (سینوں میں) بہت سا قرآن ہو تو جتنا قرآن جس کے ساتھ ہو وہ اس کو اپنے ساتھ لے کر شہید ہو جائے اور پھر ان کے بعد وہ کسی دوسرے کے پاس نہ ملے۔ اس لئے اللہ نے حضرت عثمانؓ کو توفیق دی کہ انہوں نے اس مصحف کو مصاحف میں نقل کرایا اور مختلف ملکوں میں ان مصاحف کو بھیجا اور مسلمانوں کے پاس پہنچایا یاؔ[1]

نمبر۲۴۔ اسی کے بعد بغیر کسی حوالے کے اسی صفحے میں ہے کہ حضرت عثمانؓ جب مصاحف نقل کرا رہے تھے تو ابی بن کعبؓ لکھوا رہے تھے۔ زید بن ثابتؓ لکھ رہے تھے اور سعید بن العاصؓ اس کی عربیت درست کر رہے تھے (یا اعراب لگا رہے تھے) تو یہ مصحف ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور سعید بن العاصؓ تینوں کی قرأت کے مطابق ہے۔

نمبر۲۵۔ ص۲۸۳ میں ہے بحوالہ مستدرک کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں پورا قرآن ختم کیا تھا اُن میں عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ (کنز العمال جلد ا ص۲۴۳)

غرض ان روایتوں کو دیکھنے کے بعد بے اختیار ایمانی غیرت نے مجھ کو مجبور کیا کہ میں ان حدیثوں کی چھان بین کروں جن کے ذریعے قرآن مجید کو اختلافات کی جولانگاہ اور مشتبہ بنانے کی مذموم کوشش کی گئی ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ انہیں ذخائرِ احادیث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے زمانے

---

[1] - یہ روایت بھی ابن شہاب زہری ہی سے ہے۔ خدا جانے ان پر اتہام ہے یا واقعی انہوں نے بیان کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ پورا قرآن جمع نہ ہو سکا اس کا کافی حصہ غائب ہو گیا جو کچھ مل سکا وہی جمع کر لیا گیا۔ کیا کہتے ہیں علمائے دین اس روایت کو؟

میں عام طور سے صحابہؓ کے پاس لکھے ہوئے مصاحف موجود تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو مصحف دیکھ کر پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے۔ مصحف لے کر سفر کرنے سے منع فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ مصحف ہی لے کر اور پڑھ کر اپنی بہن کے یہاں متاثر ہوئے اور وہیں سے ایمان لانے کے ارادے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور ایمان لائے تھے جس کی تفصیلی بحث اصل کتاب میں آتی ہے۔ ان باتوں کے ساتھ ان روایات کو دیکھیے جو باہم حد درجہ مختلف ومتضاد ہیں تو انگشت بدنداں رہ جاتیے۔

اب اگر ان تمام روایتوں کی میں تنقید کرنے بیٹھتا تو اس کے لیے ایک ضخیم دفتر کی ضرورت تھی اور کافی وقت کی بھی۔ اس لئے میں نے ان تمام روایتوں میں سے وہ روایتیں جو سب سے زیادہ مستند ومعتبر سمجھی جاتی ہیں یعنی صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جو ترمذی ونسائی وغیرہ میں بھی مذکور ہیں تنقید کے لئے منتخب کیں۔ تاکہ اہلِ انصاف غور فرمائیں اور سمجھیں کہ جب وہ حدیثیں جو از روئے روایت صحیح ترین سمجھی جاتی ہیں ان کا یہ حال ہے تو جن کو جامعین صحاح نے خود نظر انداز کر دیا اور اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا یا ان کے بعد بنائی گئیں اُن کا کیا عالم ہوگا ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا۔

واضح رہے کہ امام بخاری اور تمام جامعین احادیث کا میں بہت احترام کرتا ہوں اور میرے دل میں ان تمام بزرگوں کی بڑی عظمت ہے۔ ان کو محسنین اسلام میں بلند مرتبہ جانتا ہوں۔ اسی طرح عبداللہ بن سلیمان بن الاشعث السجستانی متوفی سنہ ۳۱۶ھ جو ابن ابی داؤد کے لقب سے مشہور ہیں اور ابوبکر بن محمد بن القاسم بن محمد بن محمد بشار النحوی متوفی سنہ ۳۲۸ھ جو ابن الانباری کہے جاتے ہیں۔ جلال الدین سیوطی متوفی سنہ ۹۱۱ھ جن کی کتاب جمع الجوامع کو شیخ علی متقی متوفی سنہ ۹۵۵ھ نے فقہا کے طریقے پر مرتب ومدوّن کر کے اس کا نام "کنز العمال فی سنن الاقوال

والافعال" رکھا۔ ان تمام بزرگوں کا بھی احترام کرتا ہوں۔ ان کے تقویٰ وطہارت دین و دیانت اور اعلیٰ علمی جلالت و ثاقت اور تاریخی خدماتِ اسلام کا قائل ہوں مگر ان میں سے کسی کو بھی معصوم نہیں سمجھتا۔ جمع احادیث کی تاریخ اور اس کی اہمیت سے پوری طرح واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر یہ لوگ حدیثیں جمع نہ کر جاتے تو آج جو کچھ بھی سنّتِ نبویہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ مل سکتا ہے وہ بھی نہ ملتا۔ اس لئے کہ جس طرح اکابر قوم نے محکمۂ قضا قبول کرنے سے بزمانۂ خلافتِ عباسیہ انکار کیا تو کیا مسندِ قضا خالی رہی؟ سیکڑوں نا اہلوں نے اس مسند پر جگہ حاصل کر لی۔ اسی طرح اگر یہ اکابر حدیثیں جمع نہ کرتے تو کیا حدیثیں جمع نہ ہوتیں؟ وہی وضّاعین وکذّابین خود جامعین احادیث بھی بن جاتے اور پھر بعد والوں میں انہیں کی جمع کردہ کتابیں بخاری ومسلم کی جگہ پر ہوتیں۔ نہ وہ اسماء الرجال مرتّب کرتے نہ موضوعات کو الگ چھانٹ کر رکھنے کی کوشش کرتے۔

ان جامعین احادیث کا زمانہ ۲۰۰ھ سے لغایتہ ۳۰۰ھ، وہ تھا جبکہ فرقہ بندی مضبوط نہیں ہوئی تھی۔ شیعہ، سُنّی، خارجی اور تمام فرقے ملے جُلے تھے۔ اتنا اعتراف تو خود شیعوں کے سب سے بڑے محدّث ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق الکلینی متوفی ۳۲۹ھ یا ۳۲۸ھ نے بھی اصول کافی صفحہ ۳۶۹ میں کیا ہے کہ کانت الشیعۃ قبل ان یکون ابوجعفر وھم لا یعرفون مناسک حجھم وحلالھم وحرامھم حتی کان ابوجعفر ففتح لھم وبین لھم مناسک حجھم وحلالھم وحرامھم حتی صار الناس یحتاجون الیھم من بعد ما کانوا یحتاجون الی الناس۔ یعنی شیعہ ابوجعفر (باقر محمد بن علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب) سے پہلے اپنے مناسکِ حج اور اپنے حلال اور اپنے حرام سے واقف نہ تھے۔ یہاں تک کہ ابوجعفر کا زمانہ آیا تو انہوں نے کھولا اور ان کے مناسکِ حج اور ان کے حلال وحرام کو بیان کیا۔ یہاں تک کہ لوگ ان کے محتاج

ہوئے جبکہ پہلے یہ (شیعے) لوگوں کے محتاج تھے۔

حضرت ابوجعفر کی ولادت اسی کتاب کے ص۲۹۸ میں ۵۶ھ لکھی ہے اور سال وفات ۱۱۴ھ اور عمر ۵۷ سال ابوجعفر الکلینی کے بیان سے اتنا معلوم ہو گیا کہ حضرت ابوجعفر نے جب تک شیعوں کے خاص مذہبی مسائل نہیں بتائے تھے اس وقت تک تمام شیعے حتیٰ کہ حضرت ابوجعفر کے والد ماجد حضرت علیؓ بن حسینؓ بھی تمام مسائل میں عام مسلمانوں کے طریقہ پر کاربند تھے اور شیعہ سنی میں اس وقت تک عملاً کسی طرح کا اختلاف نہ تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوجعفرؒ اور اُن کے صاحبزادے جعفر بن محمدؒ کی طرف ہزاروں من گھڑت حدیثیں ان لوگوں کے ایک صدی یا نصف صدی بعد مشہور کی گئیں اور تمام ارکانِ اسلام کے بارے میں ان حضرات سے سنّتِ متواترہ کے خلاف ایک نیا طریقہ منسوب کیا گیا اور اس نئے طریقے کے ارکان کے متعلق ان بزرگوں کی طرف روایتیں بنائی گئیں اور پھر چپکے چپکے اپنے حلقے میں ان کی اشاعت رفتہ رفتہ کی جاتی رہی۔ چنانچہ اس کا آغاز "اصولِ کافی و فروعِ کافی" سے ہوا۔ یعنی تیسری صدی کے اواخر سے۔ مگر عام طور سے شیعے تمام اعمالِ ظاہری میں عام مسلمانوں کی طرح تھے۔ درس و تدریس و تحدیث وغیرہ میں سب فرقے ایک دوسرے کے شریک و سہیم تھے۔ بعض شیعوں نے اپنے مخصوص عقائد و خیالات کی کوئی کتاب لکھی بھی تو اس کو عام نگاہوں سے بالکل پوشیدہ رکھتے تھے۔ شیعہ محدثین، اہلِ سنّت محدثین سے حدیثیں لیتے تھے اور روایت کرتے تھے اور اہلِ سنّت شیعوں سے۔ اسی طرح خارجی، قدریہ، جہمیہ وغیرہ۔ تقریباً چھٹی صدی میں شیعوں کو قومی و دینی بٹوارہ کر کے عامۃ المسلمین سے کٹ کر الگ ہو جانے کا موقع ملا جب ان کو کسی قدر سیاسی اقتدار حاصل ہوا۔ پھر حکومت ایران پر صفویوں کے تسلط جما لینے کے بعد تو کھل کر انہوں نے اپنی ان مخصوص کتابوں کو جنہیں ان کے اگلے مصنفین نے چپکے چپکے لکھ کر رکھا تھا اپنی مخصوص کتابیں قرار دے کر عام کیا اور نئی کتابیں بھی لکھیں اور سابقہ زمانہ تقیہ میں جو

تصنیفیں خود لکھتے گئے تھے مثلاً مستدرک وغیرہ اور اہل سنت محدثین کی کتابوں میں اپنے مطلب کی جو حدیثیں درج کراتے گئے تھے ان سب سے بالکل اس طرح مستغنی ہو کر بیٹھ گئے جیسے اب ان کو ان حدیثوں سے اور ان کتابوں سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ کوئی بتائے کہ جب بخاری و مسلم کی تدوین ہو رہی تھی اس وقت شیعہ محدثین اپنی کون سی کتاب جمع کر رہے تھے؟ اس سے واضح ہے کہ بخاری و مسلم وغیرہ کو صرف اہل سنت کی کتاب کہنا صریحاً ظلم اور بالکل غلط ہے یہ زمانۂ اجمال کی یادگاریں ہیں جب شیعہ مخصوص فرقہ کی صورت میں کھل کر سامنے نہیں آئے تھے اسی لئے ان میں شیعوں کا حصّہ رسدی بھی ہے اور خارجیوں کا حصّہ رسدی بھی قدریوں کا حصہ رسدی بھی ہے اور جہمیوں کا حصہ رسدی بھی۔ محدثین نے کتنے راویوں کے متعلق اپنے کتب رجال میں لکھا ہے کہ "یُکْتَبُ حَدِیْثُہٗ وَلَا یُحْتَجُّ بِہٖ" اس کی حدیث لکھ لی جائے گی مگر سند و حجت نہیں سمجھی جائے گی اس لئے صرف کسی حدیث کا ان کتابوں میں ہونا اس کی سند و حجت ہونے کی ضمانت نہیں۔ اس کے علاوہ ایک جماعت ان گہرے تقیہ باز روافض کی تھی جو اپنے کو اہل سنّت بلکہ خارجی تک ظاہر کرتی تھی اور ان میں سے بعض تو حضرت علیؓ پر نا ملائم کلمات بھی بولا کرتے تھے تاکہ ان کو خارجی سمجھا جائے اور شیعہ ہونے کا کوئی شبہ بھی نہ کرے مگر درحقیقت شیعہ خیالات و عقائد کی حدیثیں اہل سنّت محدثین سے روایت کرتے تھے اور ان کی کتابوں میں درج کرا دیتے تھے اور بعض کا تو یہ دستور تھا کہ اپنے اساتذہ اور ساتھیوں کی کتابوں میں جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر داخل کر دیا کرتے تھے۔ امام مالک کے کاتب حبیب بن ابی حبیب کے بارے میں امام ذہبی میزان الاعتدال جلد اوّل صـ۲۱ میں اور ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ۲ صـ۱۸۱ میں لکھتے ہیں کہ جلد بندی کا کام بھی کرتا تھا۔ محدثین اپنی حدیث کی کتابیں جلد بندی کے لئے دیتے تھے تو ان کی کتابوں میں ردو بدل اور جھوٹی

حدیثیں داخل کر دیا کرتا تھا۔ امام مالکؒ کا تو کاتب ہی تھا ان کی کتابوں کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ ابن وکیع کے وراق نے یہی کیا۔ کتنوں نے خوش نویسی سیکھ کر کتابت کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ محدثین اپنے مسودات صاف کرنے کے لئے دیتے تھے۔ ان کے مسودات کے ساتھ بھی یہ لوگ یہی صورت اختیار کرتے تھے۔ مسوّات میں اضافہ اور ردو بدل کر کے نقل کرتے تھے

میری ایک مستقل کتاب عربی زبان میں ہے البراغیث من الورّاقین وکتاب الاحادیث جس میں وراقوں اور کاتبوں کے حالات درج ہیں یہ صحیح ہے کہ سب وراق اور سب کاتب ایسے نہ تھے مگر اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ائمہ رجال نے فرمایا ان وراقوں، کاتبوں اور راویوں کا کچا چٹھہ کھولا ہے جن کا راز افشاء ہوگیا ورنہ ان میں کتنے ایسے چالاک اور عیّار ہوں گے جن کا راز ائمہ رجال پر نہ کھل سکا اور وہ اپنی ظاہری تزئین کی وجہ سے ثقہ اور معتبر سمجھ لیے گئے حالانکہ حقیقت میں ان میں سے کتنے بڑے عیّار اور جعل ساز تھے۔ امام بخاری و امام مسلم وغیرہ ائمہ حدیث کے ورّاق کاتب یا بعض تلامذہ بھی اگر ایسے عیار ہوں کہ ان کتابوں میں گھٹاؤ بڑھاؤ کر دیا ہو تو یہ کوئی بعید از عقل نہیں ہے بلکہ بہت قرین عقل ہے۔

غرض بخاری و مسلم میں گھٹاؤ بڑھاؤ ہو سکتا ہے ہم اس کو تسلیم کر سکتے ہیں مگر بخاری و مسلم کا بھرم رکھنے کے لئے قرآن مجید میں گھٹاؤ بڑھاؤ گوارا نہیں کر سکتے۔ امام بخاری و امام مسلم اور امام مالک سے ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ کسی موضوع حدیث کو صحیح سمجھ کر اپنی کتاب میں نادانستہ درج کر لیں مگر قرآن میں ایک نقطہ بھی تنزیل الٰہی کے خلاف داخل نہیں ہو سکتا اور نہ قرآن سے غائب ہو سکتا ہے۔ امام بخاری و امام مسلم وغیرہ کا کوئی شیخ عوف اعرابی کی طرح رافضی شیطان اور اسمعیل بن ابی اویس کی طرح کذاب ہو سکتا

ہے اور ائمہ رجال کے نزدیک ہے مگر حاملین قرآن مہاجرین و انصار اور والذین اتبعوھم باحسان یعنی ان حضرات کے متبع دوسرے صحابہ کرامؓ میں سے ایک شخص بھی متہم نہیں ہو سکتا۔ جن کو رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اور ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان کی خداوندی سند مل چکی ہے وہ بھی وان الذین اختلفوا فی الکتٰب لفی شقاق بعید کے مصداق نہیں ہو سکتے۔

مختصر یہ کہ میرے سامنے یہی سوال تھا کہ میں بخاری و مسلم وغیرہ میں گھٹاؤ بڑھاؤ و خطاء و قصور انسانی کو تسلیم کروں یا قرآن مجید میں؟ تو میرے ایمان نے فوراً یہ فیصلہ کیا۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں ائمہ حدیث کے سہو و خطا کی بناء پر گھٹاؤ بڑھاؤ اور دشمنوں کی دخل اندازی ہو سکتی ہے۔ مگر قرآن میں ناممکن ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ط تنزیل من حکیم حمید۔ مگر دیکھا کہ علماء کی ایک جماعت بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث کی حمایت میں قرآن کو مشتبہ ماننے پر تیار ہے تو میری غیرتِ ایمانی بے تاب ہو گئی اور مجھ کو بخاری کی حدیث جمع قرآن کی تنقید کرنی پڑی اور چونکہ جمع قرآن کی حدیثوں کے تنہا ذمہ دار صرف ابن شہاب زہری ہیں۔ ان کی تائید کے لئے بعد والوں نے بعض دوسروں سے بھی کچھ روایتیں بنالیں یہ اور بات ہے۔ اسی لئے صحاح کی تمام حدیثیں جو جمع قرآن کے متعلق ہیں وہ سب ابنِ شہاب ہی سے ہیں تو میں نے پہلے ابن شہاب ہی کا مکمل تعارف لوگوں سے کرا دیا۔ اب جمع قرآن کی حدیثوں کی تنقید ملاحظہ ہو۔

البتہ بعض جگہ امام بخاریؒ یا ترمذیؒ کے متعلق بعض الفاظ قلم سے ایسے ضرور نکل گئے ہیں جو ان بزرگوں کی شان کے خلاف ہیں۔ میں ان بزرگوں کی محترم

روحوں سے اس کی معذرت چاہتا ہوں۔ درحقیقت وہ الفاظ امام بخاری و ترمذی وغیرہ سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان کی کتابوں میں ان موضوعات کے داخل کر دینے والوں کے متعلق ہیں۔ کتاب چونکہ ان بزرگوں کی طرف منسوب ہے اس لئے مجبوراً ان بزرگوں کی طرف وہ الفاظ بھی منسوب ہو گئے۔ امید ہے کہ ناظرین میرے جذبۂ حمایتِ قرآن کو دیکھتے ہوئے ان الفاظ کے متعلق مجھے معاف فرمائیں گے۔ واعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئاتِ اعمالنا واستغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ اللھم اغفرلنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان و لا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف رحیم والحمد للہ رب العالمین۔

تمنا عمادی مجیبی غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

جمع قرآن بعہد حضرت صدیق اکبرؓ

اور اس کا

جھوٹا پروپیگنڈا

منافقین عجم جو ۶۰ھ سے تقریباً ۱۰۰ھ تک مومنین (تابعین) کے لبادے اوڑھ کر ممالک اسلام میں پھیلے ہوئے تھے اور اسلام کے خلاف ہر ممکن ریشہ دوانی میں ایک منظم مگر خفیہ سازش کے ماتحت مصروف تھے اور طرح طرح کی متخالف و متضاد حدیثیں بنا بنا کر ہر طرف پھیلا رہے تھے۔ جب ۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ میں مقام ایلہ پہنچ کر ابن شہاب زہری کو جمع حدیث پر آمادہ کر چکے اور وہ حدیثیں لکھ لکھ کر جمع کرنے لگے تو اکابر تابعینؒ نے کتابت احادیث کی مخالفت کرنی شروع کر دی اور وہ حدیثیں لکھنے اور جمع کرنے کی شدید مخالفت کرنے لگے۔ چونکہ ان منافقین میں کچھ اکابر تابعینؒ کے زمانے میں تھے اس لئے ان کو عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے میں آسانی ہوئی کیونکہ لوگوں نے ان کو بھی تابعی تصور کر لیا حالانکہ وہ عقیدۃً غیر تابعی عملاً منافق تھے۔ اور تابعین و صالحین سے ان کو کوئی

واسطہ نہ تھا۔

منافقین عجم کے شرکائے کار کوفہ و بصرہ، مصر و طائف وغیرہ مقامات کے ملاحدہ بھی ہو گئے تھے۔ عبید بن السباق بنی ثقیف کے ایک فرد یا ان کے موالی تھے اور بنی ثقیف کا تعلق زیادہ تر طائف سے تھا۔ عبید کو اسماء الرجال والے مدنی لکھتے ہیں مگر ان کے مدنی ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ چونکہ زہری ان سے روایت کرتے ہیں اور زہری کو مدنی مشہور کیا گیا ہے۔ غالباً اسی لئے ان کو بھی مدنی قرار دے دیا گیا ہے۔ بنی ثقیف کا خاص تعلق مدینہ طیبہ سے کبھی نہیں رہا اور اگر کوئی فرد یا کچھ افراد عہد پاک نبویؐ یا عہد خلفائے راشدین میں مدینہ میں آبسے بھی ہوں تو ان میں "سباق" نام کا کوئی شخص بھی نہ تھا۔ ان کے دادا پڑدادا کا حال تو مطلق معلوم ہی نہیں ان کے شیوخ میں جن اہل مدینہ کا نام آتا ہے ان سے ان کی بلا واسطہ روایت کا امکان نہیں۔ محدثین ان کے تلامذہ میں اسعد بن سہل بن حنیف کا نام لکھتے ہیں مگر یہ ان سے متقدم ہیں اور ان کے شیوخ میں ان کا نام کہیں مذکور نہیں۔ ایک عجیب طرح کی بات بھی ہے کہ جو اکابر صحابہؓ سے روایت کر رہا ہو وہ اپنے سے کم سن، کم مرتبہ اور غیر معروف تابعی سے کیوں روایت لینے لگا؟ لے دے کے ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے سعید ہیں اور زہری اور بس۔ باقی لوگ عبید بن السباق کے دادا پڑدادا کی طرح بالکل غیر معلوم الحال ہیں جن کا دنیائے رجال میں کہیں نام و نشان نہیں۔ مزید تفصیل ان کے حالات میں آتی ہے۔

غرض عبید بن السباق اور ان جیسے چند اور ذہین و چالاک ملاحدہ قسم کے لوگ ان منافقین عجم کے شریک کار ہو کر جو جھوٹی جھوٹی متضاد و خلاف درایت حدیثیں بنا بنا کر عامہ مسلمین میں پھیلا رہے تھے اور اکابر تابعین رح اور اصاغر صحابہؓ جو اس وقت زندہ تھے ان کی اشاعت و کتابت کی مخالفت

کر رہے تھے تو ان کو دراصل ان اصاغر صحابہؓ واکابر تابعین کی تشفی کرنا تو مقصود تھی نہیں اور نہ یہ کر سکتے تھے مگر عامہ مسلمین جو بیچارے دور دراز مقامات کے رہنے والے اور صحابہؓ کی صحبت سے محروم تھے وہ جب ان کی روایات پر یہ کہہ کر اعتراض کرتے کہ یہ تو قرآنِ کریم کے مطابق معلوم نہیں ہوتیں تو ان کے جواب میں ان کو دھوکہ دے کر مطمئن کرنے کے لئے ان منافقین و ملاحدہ کی جماعت نے جمع قرآن کا شاخسانہ نکالا اور عوام میں یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جمع نہیں ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں نے جمع کرنا شروع کیا تو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن جمع ہوا اسی طرح اگر اب حدیثیں جمع ہونے لگیں تو کیا مضائقہ ہے۔ حدیثوں میں آحاد روایتیں نوسونانوے فی ہزار تھیں احادیثوں پر ظنی ہونے کا الزام تھا تو جمع قرآن کے وقت سورہ توبہ کی آخری دو آیتوں کے متعلق یہ گھڑا کہ یہ دو آیتیں صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس ملیں۔ اسی طرح سورۂ احزاب کی بھی ایک آیت کے متعلق اسی قسم کا پروپیگنڈہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح لوگوں کو بتا سکیں کہ اگر باوجود آحاد ہونے کے یہ آیتیں قطعی ہو سکتی ہیں تو پھر حدیثیں آحاد ہونے کی وجہ سے کیوں ظنی ہو جائیں گی؟ جو لوگ حدیثوں کے پرستار اور روایتوں کے رسیا تھے وہ فوراً جمع قرآن کی ان جھوٹی روایتوں پر ایمان لے آئے اور لگے خود بھی ان منافقین و ملاحدہ کے ساتھ ان موضوع حدیثوں کا پروپیگنڈہ کرنے۔ یہ تھی جمع قرآن کے متعلق جعلی روایات گھڑنے کی اصل وجہ۔

اب یہ بھی ذہن نشین فرما لیجئے کہ جمع قرآن والی حدیث صرف زہری سے روایت ہے اور وہ تنہا عبید بن السباق سے روایت کرتے ہیں اور وہ تنہا زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں اس لئے زہری و عبید کے حالات سے واقفیت

ضروری ہے۔ زہری کے حالات تو ایک مقالہ میں ہم علیحدہ لکھ چکے ہیں اب عبید بن السباق کو بھی کسی حد تک پہچان لیجیئے۔ اس کے بعد جمع قرآن کی حدیث پر بحث و تنقید کی جائے گی۔

عبید بن السباق :- یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ ایک مجہول الحال آدمی ہیں۔ ان کے اسلاف کا حال بالکل معلوم نہیں۔ بنی ثقیف کا وطن طائف تھا اس لئے طائفی تھے۔ ان کا ترجمہ طبقات ابن سعد میں صرف ایک سطر کا ہے لکھتے ہیں کہ "مذی" کے بارے میں سہل بن حنیف سے ان کی روایت ہے اور ابن عباس سے بھی انہوں نے روایت کی ہے" اور بس۔ تعجب یہ ہے کہ ان سے بخاری میں جو جمع قرآن کی روایت زید بن ثابت سے ہے اس کا ذکر ابن سعد نے مطلق نہیں کیا۔ ابن عباسؓ سے کسی روایت کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ مسند احمد میں بھی جو مسند ابن عباسؓ ہے اس میں ایک حدیث میں بھی عبید بن السباق کا نام نہیں۔ ابن حجر نے بھی ابن سعد کے اتباع میں لکھ دیا ہے کہ یہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی وفات بقول صحیح ۶۸ھ یا ۶۹ھ میں ہے ابن سباق کی وفات ۶۸ سال کی عمر میں ۱۱۸ھ میں امام بخاری کی تاریخ کبیر میں مذکور ہے جس کو فتح الباری شرح صحیح بخاری کے حاشیہ پر شارح ابوداؤد مولانا شمس الحق محدثؒ نے اپنے قلم مبارک رقم سے نقل فرمایا ہے۔ اس حساب سے عبید بن السباق کی ولادت ۵۰ھ میں ٹھہرتی ہے۔ تاریخ صغیر میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں بھی ان کا تذکرہ نہیں۔ البتہ جلد ۱ ص ۹۷ میں ترجمہ عبداللہ بن بریدہ ختم کر کے ۱۱۵ھ میں کون کون تابعی زندہ تھے ان کے نام لکھے ہیں جن میں عبید بن السباق کا نام بھی موجود ہے جس سے صرف اسی قدر پتہ چلا کہ عبید بن السباق ۱۱۵ھ میں زندہ تھے تو جو شخص ۱۱۸ھ میں وفات پائے گا ۱۱۵ھ میں تو ضرور زندہ ہو گا۔ غرض ان کا ذکر فی الجملہ تفصیل کے

ساتھ اگر ہے تو صرف تہذیب التہذیب میں۔ مگر یہ سب کے سب سالِ ولادت و وفات اور عمر کا مطلق ذکر نہیں کرتے کہ کہیں ان کے شیوخ کے سال وفات سے ملا کر کوئی یہ پتہ نہ لگالے کہ ان میں سے تو کسی سے بھی ان کی روایت بلاکسی واسطہ کے ممکن ہی نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی وفات کے وقت یہ ۱۸ یا ۱۹ برس کے تو ہوں گے مگر ابن عباسؓ نے اپنی وفات سے کئی سال پہلے ہی سے روایت حدیث ترک کر دی تھی جیسا کہ ہم نے ابن شہاب زہری والے مقالہ میں صحیح مسلم کے حوالہ سے لکھا ہے اس لئے اس کی امید نہیں ہے کہ انھوں نے ابن عباسؓ سے کوئی حدیث سنی ہوگی۔ عبید بن السباق ابن شہاب زہری سے تقریباً دو برس بڑے تھے۔ ابن شہاب بھی عبداللہ بن عباسؓ سے بلا واسطہ روایت نہیں کرتے۔ باوجود اس کے کہ وہ مرسل روایت کے بے حد خوگر تھے اور ایسے لوگوں سے بھی روایت کرتے تھے جو ان کی ولادت سے پہلے وفات پا چکے تھے جیسا کہ میں نے لکھا۔ غرض عبید بن السباق کی روایت ابن عباسؓ سے نہ کہیں ملتی ہے اور نہ اس کا کوئی قرینہ ہے مسند احمد میں جو مسند ابن عباس ہے اس میں کوئی حدیث عبید بن السباق سے مروی نہیں۔

ابن حجر نے یہ کمال کیا کہ تہذیب التہذیب ترجمہ عبید بن السباق میں یہ بھی لکھ دیا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ بن حارث سے بھی یہ روایت کرتے ہیں حالانکہ ان سے بھی ان کی ایک روایت نہیں ملتی البتہ ان کے بیٹے سعید بن عبید بن السباق، محمد بن اسامہ بن زید سے صرف ایک روایت کرتے ہیں جو مسند احمد میں بضمن " حدیث اسامہؓ بن زید" جلد ۵ صفحہ ۲۰۱ میں منقول ہے۔ تو

۱؎ حاشیہ صفحہ ۱۲۲ پر دیکھئے۔

اس میں عبید بن السباق

اسامہؓ اور ابن السباق: راوی نہیں ہیں بلکہ عبید بن السباق کے بیٹے سعید راوی ہیں اور وہ اسامہؓ بن زیدؓ سے نہیں بلکہ اسامہؓ کے بیٹے محمد بن اسامہ سے روایت کرتے ہیں اور محمد بن اسامہ اپنے والد اسامہؓ بن زید سے روایت کرتے ہیں۔ اس روایت کا عبید بن السباق سے کوئی تعلق نہیں اور اس کے سوا اور کوئی ایسی روایت اسامہ بن زید سے منقول نہیں جس میں عبید بن السباق کا نام بھی آیا ہو۔ ابن حجر نے "سعید بن عبید بن السباق" کا لفظ دیکھ کر دھوکہ کھایا اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں اور درحقیقت اسامہ سے عبید کی روایت ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ اسامہؓ بن زید کی وفات ۷۵ برس کی عمر میں ۵۴ھ میں ہوئی ہے۔ عبید بن السباق ان کی وفات کے وقت چار سال سے زیادہ کے نہ تھے۔

سہیل بن حُنَیف اور ابن السباق: البتہ سہیل بن حنیف سے عبید بن السباق کی صرف ایک ہی روایت ترمذی و ابوداؤد و احمد وغیرہ میں ہے جو

حاشیہ صفحہ ۱۲۱ کا

ؔ: ان کی وفات ۵۴ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں ہے ۷۵ برس کی عمر میں۔ دمشق کے ایک گاؤں مُزہ میں جا کر رہ گئے تھے۔ اخیر وقت میں پھر مدینہ آ گئے اور یہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بیس برس کے تھے بعضوں کے نزدیک اٹھارہ برس کے۔ حضرت حسن بصریؒ جو ان سے روایتیں کرتے ہیں وہ سب مرسل ہیں انہوں نے ایک لفظ بھی ان سے نہیں سنا اور نہ اسامہؓ نے اپنے والد زیدؓ سے کوئی حدیث سنی۔ اسامہؓ کی وفات حضرت معاویہؓ کے زمانے میں بقول صحیح ۵۴ھ میں (استیعاب) اور محمد بن اسامہؓ کی وفات ولید کے زمانہ میں ۱۲۶ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب)

"مذی" کے متعلق ہے وہ یہ کہ سہل بن حنیف نے کہا کہ میں کثرت مذی سے بہت عاجز تھا اور مجھ کو بہت غسل کرنا پڑتا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے وضو کافی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کپڑے پر جو مذی کا اثر آجاتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کافی ہے کہ ایک چلو پانی اس پر چھڑک دو جہاں پر مذی لگی ہو۔" اس روایت میں عبید بن السباق متفرد ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی بھی اس مفہوم کی روایت کسی سے بھی نہیں کرتا۔ اسی لئے ائمہ احناف و شوافع اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہم اکابر فقہا و محدثین کا فتویٰ اس کے خلاف ہے اور یہ سب لوگ مذی کے باضابطہ دھونے کو ضروری سمجھتے ہیں ایک لیس دار غلاظت صرف ایک چلو پانی چھڑک دینے سے دور تو نہ ہوگی بلکہ کچھ دور تک پھیل جائے گی ایسی روایت جو عقل و درایت کے خلاف ہو عبید بن السباق ہی کر سکتے ہیں۔

بہرحال کتابوں میں یہ روایت " عبید بن السباق عن سہل بن حنیف" کر کے ضرور ہے اس لئے ابن حجر نے اگر عبید کے شیوخ میں سہل کا نام لکھ دیا تو ابن حجر پر چنداں الزام نہیں۔ جو شخص صرف ابن سعد کی تقلید میں ابن عباسؓ سے ان کی بلا واسطہ روایت لکھ دے۔ " سعید بن عبید بن السباق عن محمد بن اسامہ بن زید" دیکھ کر نظر کی چوک سے اسامہ بن زید کو عبید بن السباق کا شیخ بتا دے اگر اس نے ترمذی و ابو داؤد و مسند احمد وغیرہ کی روایت دیکھ کر سہل بن حنیف کو عبید بن السباق کا شیخ لکھ دیا تو کیا مقام تعجب ہے؟

ابن حجر خود سہل بن حنیف کے ترجمے میں ان کی وفات ۳۸ھ میں لکھ رہے ہیں یعنی عبید بن السباق کی ولادت سے تقریباً بارہ برس پہلے سہل کی وفات ہے تعجب ہے کہ ابن حجر نے اس کا خیال نہ کیا۔

ابن السباق اور بعض ام المومنین ۔ اسی طرح ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے

کہ عبید بن السباق حضرت ام المومنین میمونہؓ اور حضرت ام المومنین جویریہؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ام المومنین حضرت جویریہؓ کی وفات سنہ ۵۰ھ میں ہے (تہذیب التہذیب) جلد ۱۲ صہ ۴۰۷ اور ام المومنین حضرت میمونہ کی وفات سنہ ۵۱ھ (تہذیب التہذیب) جلد ۱۲ صہ ۴۵۳ اس لئے ان کی پیدائش ان دونوں کی وفات کے بعد ہوئی ہو تو عجیب نہیں ورنہ شاید حضرت جویریہؓ کی وفات سے دو چار دن یا دو چار ماہ پہلے ہوئی ہو۔ اور فی الواقع بھی ان دونوں امہات المومنین رضی اللہ عنہما سے کوئی روایت بھی عبید بن السباق کی کہیں نظر نہیں آتی شاید کہیں بالواسطہ روایت ہو اور درمیانی واسطہ یہاں بھی سبقت نظر کی نذر ہو گیا ہو۔

بالکل اسی طرح حضرتِ زینبؓ بنت معاویہؓ زوجہ عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی ان کی روایت کا ذکر ابن حجر نے کیا ہے۔ یہ صحابیہ ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے ان کی دوسری شادی تھی۔ اس لئے ان کی عمر کم نہیں قرار دی جا سکتی۔ ان سے وہ روایت مروی ہے کہ یہ اپنی ایک ہمنام عورت کے ساتھ جو ان کی ہم مقصد بھی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے گئی تھیں کہ ہم لوگ اپنے شوہر اور (پہلے شوہر سے) یتیم بچوں کو اپنا نکالا ہوا صدقہ (زکوٰۃ) دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دوہرا کارِ خیر ہوگا۔ ادائے صدقہ (زکوٰۃ) بھی اور ادائے حق قرابت بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات سنہ ۳۲ھ یا سنہ ۳۳ھ میں ہے۔ ان کی بیوی زینبؓ کی وفات کہیں مذکور نہیں ہے دس پندرہ برس بعد بھی ہو تو یقیناً عبید بن السباق کی پیدائش سے دو برس پہلے ہی ان کی وفات ہوئی ہوگی پھر یہ ان سے کس طرح روایت کر سکتے ہیں؟ اور ان کی کوئی روایت ان سے صحاح میں تو نہیں ہے۔

یہی حال زید بن ثابتؓ سے ان کی روایت کا ہے۔ زید بن ثابتؓ سے جمع قرآن بعہد حضرت صدیق اکبرؓ کی روایت تو مسند احمدؒ، نسائیؒ، ترمذی اور بخاری وغیرہ متعدد کتب حدیث میں ضرور ہے اور اس روایت کا خوب ڈھول پیٹا گیا اور پیٹا جاتا ہے۔ خصوصاً جب بخاری میں یہ روایت موجود ہے مگر زید بن ثابتؓ کی وفات خود ابن حجر نے بقول صحیح ۴۵ھ اور بعضوں کے نزدیک ۴۸ھ میں لکھی ہے اور ۵۱ھ و ۵۵ھ وغیرہ اقوال کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اس لئے عبید بن السباقؒ زید بن ثابتؓ کی وفات کے بعد ہی پیدا ہوئے لیکن سب سے زیادہ ضعیف قول ہی کو معتبر قرار دے دیجئے تو زید بن ثابت کی وفات کے وقت یہ چار پانچ برس سے زیادہ کے نہیں ہو سکتے ہیں تو ان کی روایت زید بن ثابتؓ سے بلاواسطہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

ابن السباق کے سات مروی عنہم : غرض حسب بیان ابن حجر عبید بن السباق تین عورتوں اور چار مردوں سے روایت کرتے ہیں جن میں صرف سہیل بن حنیفؓ اور زید بن ثابتؓ ہی ہیں جن سے صرف ایک ایک روایت ان کی صحاح میں ملتی ہے اور دونوں غلط اور باقی پانچ یعنی حضرت ام المومنین میمونہؓ، حضرت ام المومنین جویریہؓ، حضرت زینبؓ زوجۂ عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ سے ان کی ایک روایت بھی نظر نہیں آتی۔ یہ تو ان کے شیوخ کا مرحلہ ہوا۔ اب تلامذہ کا حال سنیئے۔

عبید بن السباق کے تلامذہ : ابن حجر اس سلسلے میں ابو امامہ اسعد بن سہل بن حنیف کا نام سب سے پہلے لکھتے ہیں۔ واقعی ان کی شخصیت ہے بھی بہت اہم، مگر تعجب یہ ہے کہ ابو امامہ عمر میں عبید بن السباق سے بہت بڑے تھے۔ خود ایک جلیل القدر صحابی کے صاحبزادے تھے اور اپنے والد ماجد کا کافی وقت پا چکے تھے چنانچہ یہ اپنے والد ماجد سے اور بعض دوسرے اکابر صحابہؓ سے روایت

کرتے ہیں۔ ان کو کون سی ایسی ضرورت پڑی تھی کہ ایک گمنام شخص جس کے دادا پردادا کا نام تک کسی کو معلوم نہیں جو ایسوں سے ہی روایت کرتا ہو جن کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہو یا جن کی وفات کے وقت گھٹنوں کے بل چلتا ہو جس کے پاس جمع قرآن بعہد صدیقؓ کی جھوٹی روایت اور مذی والی خلاف عقل دو روایت حدیث کے سوا کوئی اور حدیث مروی بھی نہیں ہے تو پھر ابوامامہ نے کون سی حدیث عبید بن السباق سے روایت کی؟ اور کہاں روایت کی؟ وہ حدیث کس کتاب میں ہے؟

ابن حجر ان کے تلامذہ میں دو نئے نام اور بھی لکھتے ہیں، یزید بن جعدیہ اور مسلم بن مسلم بن معبد۔ یہ دونوں ایسے مجہول الحال ہیں جن کا دنیائے رجال میں کہیں نام ونشان نہیں۔ نہ امام ذہبی کہیں ذکر کرتے ہیں نہ ابن حجر، نہ ابن سعد۔ تو اب لے دے کے ان کے تلامذہ میں صرف دو شخص رہ جاتے زہری اور خود انہیں کے بیٹے سعید بن عبید بن السباق۔ جمع قرآن والی حدیث تو ان سے زہری روایت کرتے ہیں اور مذی والی حدیث ان کے بیٹے سعید۔ بس یہی ہے حقیقت عبید بن السباق کی۔ اور صرف انہیں سے جمع قرآن بعہد صدیقؓ کی روایت ہے جس کو صرف یہی زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے لے کر تنہا زہری، ساری دنیا پر اس کو ایک خبر متواتر کی طرح قطعی ثابت کر دینے میں صرف بخاری کی مدد سے کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ ع

یہ دنیا ہے کہ اتنی بات پھیلی داستاں ہو کر

ایک قابل داد دلیری دلیری یہ ہے کہ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۶۱ ترجمہ سعید بن عبید بن السباق میں سعید کے شیوخ میں حضرت ابوہریرہؓ کا نام بھی لکھتے ہیں حالانکہ حضرت ابوہریرہؓ کا سال وفات بقول صحیح حسب تصریح ابن حجر ۵۸ھ ہے یعنی اس وقت عبید بن السباق سات

برس کی عمر رکھتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرنے والے ہزاروں عبیدہ کے وقت میں موجود تھے اس لئے یہ خوب جانتے تھے کہ ان کے سالِ وفات سے عام طور سے لوگ واقف ہیں اس لئے خود عبید اور زہری کو بھی یہ ہمت نہ پڑی کہ ابوہریرہؓ سے بلاواسطہ روایت کریں۔ ہزاروں آدمی جھٹلانے والے کھڑے ہو جاتے کہ تم نے ان کا وقت کب پایا مگر " گر پدر نتواند پسر تمام کند " کے طور سعید بن عبید نے اگر حدثنا ابوھریرۃ کہنا شروع کیا تو سعید کی یہ دلیری ضرور قابلِ داد ہے۔

تو اب آپ زہری اور زہری کے گرد عبید بن السباق دونوں سے پوری طرح واقف ہو گئے۔ یہی زہری ہیں جن کی روایت اسی عبید بن السباق سے عبدالکریم الدیرعاقولی نے اپنی کتاب الفوائد میں درج کی ہے جس سے ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد ۲ ص۱۴۲ میں نقل فرمائی ہے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے اور قرآن کسی چیز پر بھی لکھا ہوا نہ تھا " یعنی ہڈی، تختی چھال اور

ؒ: ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں خود تصریح کرتے ہیں کہ ثم استخرج ثانیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ من امھات المسانید والجوامع والمستخرجات والاجزاء والفوائد بشرط الصحۃ او الحسن فیما اوردہ من ذالک۔ یعنی پھر میں مسانید اور جوامع وغیرہ سے ان احادیث کو نقل کروں گا جو صحیح ہوں گی یا حسن (رسالہ اہل حدیث امرتسر ۲۱ فروری ۱۹۴۷ء ص۱۹ مضمون مولوی ابوالقاسم البنارسی بجواب مولوی عبداللطیف القاری ثم البنگلوری) ابن حجر کی تصریح اور مولوی ابوالقاسم صاحب کے اس سے استدلال سے یہ ثابت ہو گیا کہ ابن حجر نے فتح الباری میں جو حدیثیں پیش کی ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن تھیں اور علمائے اہل حدیث کے نزدیک بھی فتح الباری میں پیش کی ہوئی حدیثیں مستند ہیں۔

اور کھال، ان سب سے بھی انکار۔ ابن حجر یہیں پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبید بن السباق سے بس یہی ایک روایت جمع قرآن کی بخاری میں ہے جو باب جمع قرآن کے علاوہ کتاب الاحکام اور کتاب التوحید وغیرہ مقامات میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ اس ایک روایت کے سوا کوئی دوسری روایت ان سے پوری صحیح بخاری میں کہیں نہیں ہے اور نہ صحیح مسلم یا مؤطا میں ان سے کوئی روایت ہے تو زہری اور عبید بن السباق سے واقف ہو لینے کے بعد اب جمع قرآن کی حدیث پر غور فرمائیے۔

جمع قرآن کی اصل روایت : امام بخاری موسیٰ بن اسمٰعیل سے وہ ابراہیم بن سعد سے وہ ابن شہاب زہری سے وہ عبید بن السباق سے اور وہ زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے میرے پاس مقتل اہل یمامہ بھیجا۔ (مطلب یہ ہے کہ اہل یمامہ کے واقعۂ قتل کے بعد میرے پاس مجھے بلانے کے لئے کسی کو بھیجا تو جب میں ان کے پاس پہنچا) تو عمر بن الخطابؓ ان کے پاس تھے۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ میرے پاس عمرؓ نے آکر کہا کہ یمامہ کے دن حفاظ[1] قرآن کے قتل کا بازار بہت گرم رہا اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر حفاظ کے قتل کا بازار (اسی طرح مختلف) مقامات میں گرم رہا تو قرآن کا بہت سا حصہ جاتا رہے گا اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم قرآن کو جمع کر ڈالو۔

---

[1] : اسمائے صحابہؓ شہد لئے جنگ یمامہ ؛ تاریخ کامل ابن اثیر جزری ص۱۶۸ سے ص۱۷۱ تک شہدائے جنگ یمامہ کے نام لکھے ہیں جو یہ ہیں۔
۱۔ عباد بن بشیر الانصاری البدری - ۲۔ عباد بن الحرث الانصاری الاحدی - ۳۔ عمیر بن اوس بن عتیک الانصاری الاحدی، ۴۔ عمارہ بن حزم الانصاری البدری، ۵۔ عامر بن ثابت بن سلمہ الانصاری، ۶۔ علی بن عبید اللہ بن الحرث بن عامر بن موسلے،

ص۱۲۹ پر

(ابوبکرؓ نے کہا کہ) میں نے عمرؓ سے کہا کہ تم ایسا کام کس طرح کرو گے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ عمرؓ نے کہا کہ بخدا یہ کارِ خیر ہے۔ (اس کے لئے) عمرؓ بار بار میرے پاس آتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میری شرح صدر اس کے لئے کر دی اور میں بھی وہی مناسب سمجھا جو عمرؓ سمجھ رہے تھے۔ زیدؓ نے کہا کہ ابوبکرؓ نے (مجھ سے) کہا کہ تم ایک جوان آدمی ہو۔ عاقل ہو تم پر ہم لوگ (کسی طرح کی) تہمت نہیں پاتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے تو قرآن (کے حصوں) کو تلاش کرو اور اس کو جمع کرو (زید کہتے ہیں) باللہ کی قسم اگر یہ لوگ مجھ کو پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کی تکلیف دیتے تو جس جمع قرآن کے کام پر مجھے مامور کیا اس سے زیادہ

۷۔ عائذ بن ماعص الانصاری۔ ۸۔ فروہ بن النعمان الانصاری الاحدی، ۹۔ قیس بن الحرث بن عدی الانصاری یعنی براء بن عازب کے چچا۔ ۱۰۔ سعد بن حماز الانصاری الاحدی، ۱۱۔ ابودجانۃ الانصاری البدری ۱۲۔ سلمۃ بن مسعود بن سنان الانصاری ۱۳۔ سائب بن عثمان بن مظعون الجمحی مہاجر حبشہ بدری ۱۴۔ سائب بن العوام، حضرت زبیر کے علاتی بھائی۔ ۱۵۔ طفیل بن عمرو الدوسی، ۱۶۔ زرارہ بن قیس الانصاری ۱۷۔ مالک بن عمرو السلمی حلیف بنی عبد شمس البدری۔ ۱۸۔ مسعود بن سنان الاسود حلیف بنی غانم احدی، ۱۹۔ مالک بن امیۃ السلمی، ۲۰۔ مالک بن عوس بن عتیک الانصاری الاحدی، ۲۱۔ معن بن عدی بن الجد البلوی حلیف الانصاری البدری، ۲۲۔ نعمان بن عصر بن الربیع البلوی البدری۔ ("عصر" بکسر العین وسکون الصاد وقیل بفتحہا) ۲۳۔ صفوان بن عمرو السلمی البدری، ۲۴۔ مالک بن عمرو السلمی البدری، ۲۵۔ ضرار بن الانصار الاسدی، ۲۶۔ عبداللہ بن الحرث بن قیس بن عدی السہمی، ۲۷۔ عبیداللہ بن مخرمہ بن عبد العزیٰ العامری البدری، ۲۸۔ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول البدری

صفحہ ۱۳۰ پر

میرے لئے گراں نہ ہوتا۔ (پھر زید کہتے ہیں کہ) میں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ سے کہا کہ تم لوگ ایسا کام کس طرح کرو گے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے؟ ابوبکرؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ کار خیر ہے۔ پھر ابوبکرؓ مجھ سے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میری شرح صدر اس کام کے لئے کر دی جس کے لئے ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شرح صدر اس نے کر دی تھی تو میں قرآن کے حصوں کو ڈھونڈھنے لگا اور جمع کرنے لگا۔ لکڑی کی چیلیوں اور ٹھیکولیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے یہاں تک کہ آخر سورہ توبہ کی دو آیتوں کو ابوخزیمہ انصاری کے ساتھ پایا اور کسی کے ساتھ اس کو نہیں پایا لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ خاتمہ سورہ براۃ تک۔ تو یہ جمع کردہ صحیفے ابوبکرؓ کے پاس ان کی زندگی تک رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو

صہ ۱۲۹ سے ۲۹۔ عبداللہ بن عتیک الانصاری البدری، ۳۰۔ شجاع بن ابی وہب الانصاری البدری ۳۱۔ ہریم بن عبداللہ المطلبی القرشی، ۳۲۔ جنادہ بن عبداللہ المطلبی القرشی، ۳۳۔ ولید بن عبد شمس بن المغیرہ المخزومی، حضرت خالد کے چچیرے بھائی، ۳۴۔ ورقہ بن ایاس بن عمرو الانصاری البدری، ۳۵۔ یزید بن اوس حلیف بن عبدالدار ۳۶۔ ابو حبہ بن غزیۃ الانصاری الاحدی ۳۷۔ ابوعقیل البلوی حلیف الانصاری بدری، ۳۸۔ ابوقیس بن الحرث بن قیس بن عدی السہمی مہاجر حبشہ احدی ۳۹۔ یزید بن ثابت الانصاری، زید بن ثابتؓ کے بھائی۔ غرض ایک کم چالیس صحابہ کے نام ابن اثیر نے شہدائے جنگ یمامہ میں نقل کئے ہیں اور ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی مہارت یا کتابت قرآن ان دوسرے صحابہ سے ممتاز ہو جن کی مہارت فی القرآن کا ذکر حدیثوں میں ہے جن کے بارے میں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کو قرآن سیکھنے کا حکم فرمایا۔ ان میں سے ان شہداء میں کوئی بھی نہیں ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ان انتالیس صحابہ کی شہادت سے یہ خطرہ ہو کہ قرآن دنیا سے مفقود ہو جائے گا۔ صہ ۱۳۱ پر

وفات دی. پھر عمرؓ کے پاس ان کی زندگی تک رہے پھر ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس رہے (باب جمع القرآن بخاری)۔ اس حدیث کا اصل متن حسب ذیل ہے:

اصل حدیث جمع قرآن بعہد صدیق اکبرؓ باب جمع قرآن بخاری: حدثنا موسی بن اسمٰعیل عن ابراهیم بن سعد قال حدثنا ابن شهاب عن عبید بن السباق ان زید بن ثابت قال ارسل الی ابوبکر مقتل اهل الیمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامة بقُرّاء القرآن وانی احشی ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فیذهب کثیر من القرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئًا لم یفعله رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال عمر هذا واللّٰہ خیر. فلم یزل یراجعنی حتی شرح اللّٰہ صدری لذلك ورأیت فی ذلك الذی رای عمر. قال زید قال ابوبکر انك رجل شاب عاقل لا نتهمك وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه فواللّٰہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی به من جمع القرآن قال قلت کیف تفعلون شیئًا لم یفعله

صنا۱۳ سے: استیعاب میں حضرت ریاح بن الربیع حنظلۃ الکاتب کے بھائی کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوتے تھے۔ ان کے نام میں اختلاف ہے کوئی ریاح یائے حطی سے کہتا ہے کوئی رباح بائے ابجد سے۔ اگر یائے حطی ہی صحیح ہے تو ان کے سوا اور کسی صحابی کا نام ریاح یائے حطی سے نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ استیعاب کو بالاستیعاب دیکھا جائے تو چند نام اور بھی شہدائے جنگ یمامہ میں صحابہ کے نکل آئیں۔ اس لئے انتالیس نہیں چالیس سہی۔ چالیس نہیں پچاس بلکہ پورے سو سہی۔ اتنے قرآن والوں اور قرآن خوانوں کی شہادت سے قرآن کے مفقود و معدوم ہو جانے کا خطرہ بعید از عقل و ہوش ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو واللہ خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر ابی بکر وعمر فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت اخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع احد غیرہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حتی خاتمۃ براءۃ فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر

یہی حدیث ذرا ذرا سے اختلافِ الفاظ متن کے ساتھ کتاب التفسیر میں بضمن تفسیر سورۂ توبہ بھی مذکور ہے جس میں امام بخاری ابوالیمان سے اور وہ شعیب (کاتب الزہری) سے اور وہ زہری سے روایت کر رہے ہیں اور زہری عبید بن السباق سے، وہ زید بن ثابت سے جو حسبِ ذیل ہے (ترجمہ وہی سابق ہی کافی ہے)۔

حدیث جمع قرآن کتاب التفسیر بخاری: حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنی ابن السباق ان زید بن ثابت الانصاری وکان ممن یکتب الوحی قال ارسل الی ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ وعندہ عمر فقال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بالناس وانی احشی ان ستحر القتل بالقراء فی المواطن فیذھب کثیر من القرآن الا ان تجمعوہ وانی لاری ان تجمع القرآن قال ابوبکر قلت لعمر کیف افعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عمر ھو واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی فیہ حتی شرح اللہ لذلک صدری ورایت الذی رای عمر قال زید بن ثابت وعمر عندہ جالس لا یتکلم فقال ابوبکر انک رجل شاب عاقل ولا نتھمک کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ فواللہ لو کلفنی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی بہ من جمع القرآن قلت کیف تفعلان شیئا لم یفعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فقال ابوبکر هو واللّٰہ خیر فلم ازل اراجعہ حتی شرح اللّٰہ صدری للذی شرح اللّٰہ لہ صدر ابی بکر و عمر فقمت فتتبعت القراٰن اجمعہ من الرقاع والاکتاف والعسب وصدور الرجال حتی وجدت من سورۃ التوبۃ اٰیتین مع خزیمۃ الانصاری لم اجدھما مع احد غیرہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ الی اٰخرھا وکانت الصحف التی جمع فیھا القراٰن عند ابی بکر حتی توفاہ اللّٰہ ثم عند عمر حتی توفاہ اللّٰہ ثم عند حفصۃ بنت عمر ۔ تابعہ عثمان بن عمرو واللیث عن یونس عن ابن شھاب وقال اللیث حدثنی عبد الرحمٰن بن خالد عن ابن شھاب وقال مع ابی خزیمۃ الانصاری وقال موسٰی عن ابراھیم حدثنا ابن شھاب مع خزیمۃ وتابعہ یعقوب بن ابراھیم عن ابیہ وقال ابو ثابت حدثنا ابراھیم وقال مع خزیمۃ او ابی خزیمۃ فان تولوا فقل حسبی اللّٰہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھو علیہ توکلت وھو ربُّ العرشِ العظیم ۔

امام بخاریؒ نے متابعتوں کی تصریح صرف اسی جگہ کی ہے ۔ ترجمہ حدیث تو وہی سمجھیے جو اوپر گزرا ۔ متابعات کا ترجمہ حاشیہ میں دیکھیے ۔ [۱]

---

[۱] : یعنی اس خزیمہ والی حدیث کی متابعت عثمان بن عمرو اور لیث نے کی ہے جس کو یہ دونوں یونس اور ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں اور لیث نے کہا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن خالد نے ابن شہاب سے مع ابی خزیمۃ الانصاری سے روایت کی ہے اور موسٰی نے ابراہیم سے انہوں نے ابن شہاب سے مع ابی خزیمۃ کہا (یعنی باب جمع القراٰن والی روایت) اور اس کی متابعت یعقوب بن ابراہیم نے بھی کی ہے جس کو وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور ابوثابت نے کہا کہ ہم سے ابراہیم نے حدیث بیان کی اور کہا مع خزیمۃ او ابی خزیمۃ فان تولوا ۔

پھر کتاب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۷ میں اسی حدیث کو امام بخاری محمد بن عبید اللہ ابو ثابت سے وہ ابراہیم بن سعد سے وہ ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبید بن السباق سے، وہ زید بن ثابت سے۔ جو یوں ہے۔ (یہاں بھی ترجمہ کی ضرورت نہیں، وہی پہلا ترجمہ کافی ہے۔)

حدیث جمع قرآن اور کتاب الاحکام بخاری : حدثنا محمد بن عبید اللہ ابو ثابت حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابن شھاب عن عبید بن السباق عن زید بن ثابت قال بعث الی ابوبکر لمقتل اھل الیمامہ وعندہ عمر فقال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن وانی احشی ان یستحر القتل بقراء القرآن فی المواطن کلھا فیذھب قرآن کثیر وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت کیف افعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عمر ھو واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی فی ذلک حتی شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر عمر ورایت فی ذلک الذی رای عمر قال زید قال ابوبکر وانک رجل شاب عاقل لا نتھمک قد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن واجمعہ قال زید فواللہ لو کلفنی نقل جبل من الجبال ما کان باثقل علی مما کلفنی من جمع القرآن قلت کیف تفعلان شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر ھو واللہ خیر فلم یزل یحب مراجعتی حتی شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر ابی بکر وعمر ورایت فی ذلک الذی رایا فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب والرقاع واللخاف وصدور الرجال

ف۳۱ : فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ یعنی آخر سورہ براۃ کی صرف ایک ہی آیت۔

فوجدت اخر سورۃ التوبۃ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ الی آخرھا مع خزیمۃ او ابی خزیمۃ فالحقتھا[2] فی سورتھا وکانت الصحف عند ابی بکر حیاتہ حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ حتی توفاہ اللہ ثم عند حفصۃ بنت عمر قال محمد بن عبید اللہ اللخاف یعنی الخزف۔

ان حدیثوں کو ملا کر دیکھیے تو تین حدیثوں میں الفاظ کے متعدد اختلاف نظر آئیں گے جن میں بعض اہم بھی ہیں مگر اختلافوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو یہ فرق

---

[1] : صفحہ ۲۸ کتاب التفسیر والی روایت جو اس سے پہلے آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس میں متابعتوں کی جو تفصیل مذکور ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ان متابعتوں کی روایتوں کو ملا کر آپ دیکھیں گے تو دو جگہ نہایت واضح اختلاف پائیں گے۔ ایک تو اسی کتاب الاحکام والی حدیث میں اور دوسری باب کتاب النبی میں کتاب الاحکام والی حدیث میں دو دو اختلافات ہیں۔ ایک تو یہ کہ متابعت میں مذکور ہے کہ ابوثابت ابراہیم سے اور وہ زہری سے جو روایت کرتے ہیں تو آخر سورہ توبہ کی صرف ایک آیت فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ کے خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ پائے جانے کی۔ اور یہاں دوسری روایتوں کی طرح دونوں آیتوں کے بارے میں ہے یعنی لقد جاءکم سے آخر تک، دوسرے یہ کہ اس روایت میں ایک اضافہ ایسا ہے جو کسی دوسری روایت میں کہیں نہیں۔ وہ فالحقتھا فی سورتھا کا ٹکڑا ہے۔

اور باب کاتب النبی میں لیث کی روایت یونس سے اور یونس کی زہری سے متابعت میں تو مع خزیمۃ کی ہے اور یہاں مع ابی خزیمۃ کی اس سے، صاف ظاہر ہے کہ امام بخاری کی تصریح متابعت کے خلاف بعد والوں نے ان حدیثوں میں ترمیم و تنسیخ کی ہے۔

صد ۱۳۶ پر

[2] : یہ اضافہ صرف اسی روایت میں ہے۔

ضروری ہے حد قابل غور ہے کہ کتاب التفسیر کی حدیث جس کو امام بخاری موسیٰ بن اسماعیل سے وہ ابراہیم بن سعد سے اور وہ زہری سے روایت کرتے ہیں۔ اس میں آخر سورہ توبہ کی دو آیتوں کے ملنے کا ذکر ابوخزیمہ انصاری کے ساتھ ہے اور کتاب التفسیر میں ہے یہی حدیث جس کو امام بخاری ابوالیمان سے وہ شعیب (کاتب الزہری) سے وہ زہری سے روایت کرتے ہیں مگر اس میں آخر سورہ توبہ کی ان دو آیتوں کے ملنے کا ذکر خزیمہ انصاری کے ساتھ ہے اور کتاب الاحکام میں جو پھر یہی حدیث امام بخاری ابوثابت محمد بن عبیداللہ سے وہ انہیں ابراہیم بن سعد سے روایت کرتے ہیں جن سے باب جمع القرآن والی حدیث کو موسیٰ بن اسمٰعیل نے روایت کیا تھا اور یہ ابراہیم یہاں بھی زہری ہی سے روایت کرتے ہیں تو اس میں آخر سورہ توبہ کی صرف ایک ہی آیت کے ملنے کا ذکر ہے اور وہ بھی خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ۔ معلوم نہیں یہ شک اس حدیث میں ابوثابت کی طرف سے ہے یا ابراہیم بن سعد کی طرف سے یا زہری کی طرف سے، واللہ اعلم۔ دوسرا اہم فرق یہ ہے کہ اس آخری حدیث میں ایک ٹکڑا ایسا ہے جو پہلی دونوں حدیثوں میں نہیں ہے یعنی فالحقتھا فی سورتھا (تو میں نے آخر سورہ توبہ کی اس آیت کو اس کے سورہ میں لگا دیا۔)

صفحہ ۱۳۵ سے: اور یہ جو فالحقتھا فی سورتھا کا اضافہ اس آیت میں ہے یہ صاف بتا رہا ہے کہ زید بن ثابتؓ اور دوسرے صحابہؓ اور وہ خزیمہ یا ابوخزیمہ جو بھی ہوں یہ سب ان دونوں آیتوں کے بارے میں خوب جانتے تھے کہ یہ دونوں آیتیں آخر سورہ توبہ کی ہیں اور اپنے علم و واقفیت کے مطابق انہوں نے ان آیتوں کو ان کے محل پر لگا دیا تو وہ روایت کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "اگر تین آیتیں ہوتیں ہم ان کو ایک سورہ قرار دے دیتے مگر چونکہ دو ہی آیتیں ہیں اس لئے ان کو کسی سورہ کے آخر میں رکھ دو۔" کس قدر غلط اور حضرت فاروق اعظمؓ پر کیسا ناروا بہتان ہے جیسے صحابہؓ اپنے اختیار سے جس آیت کو جہاں مناسب سمجھتے تھے رکھ دیتے تھے صفحہ ۱۳۷ پر

حدیث جمع قرآن از باب کاتب النبی بخاری :- ان تین مقامات میں تو یہ حدیث کچھ الفاظ کا فرق رکھتے ہوئے مگر ایک ہی انداز بیان میں اور ایک ہی عنوان کی تفصیل کے ساتھ لائی گئی ہے لیکن محض مختصر طور سے دو جگہ اور بھی مذکور ہے ایک تو بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۶ باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں ہے :-

حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن یونس عن ابن شھاب ان ابن السباق قال ان زید بن ثابت قال ارسل الی ابوبکر فقال انک کنت تکتب الوحی لرسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتبع القرآن فتتبعت حتی وجدت اٰخر سورۃ التوبۃ ایتین مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھما مع غیرہ لقد جاءکم الی اٰخرہ

یعنی یحیی بن بکیر لیث سے، وہ یونس سے، وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ ابن السباق نے کہا کہ زید بن ثابتؓ نے بیان کیا کہ میرے پاس ابوبکرؓ نے بھیجا تو کہا کہ تم لکھتے تھے وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو ڈھونڈھو قرآن کو، تو میں ڈھونڈھنے لگا یہاں تک کہ میں نے پایا آخر سورہ توبہ کی دو آیتوں کو ابوخزیمہ انصاری کے ساتھ۔ نہیں پایا میں نے ان کو ان کے سوا کسی کے بھی ساتھ لقد جاءکم آخر تک۔

صفحہ ۱۳۶ سے

اس روایت میں جو الحقتھا فی سورتھا کا لفظ ہے یعنی زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت ابوخزیمہ کے پاس ملی تو ہم نے اس کو اس کی جگہ پر اس کی سورۃ میں لگا دیا اور رکھ دیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ زید کو اس آیت کی جگہ پہلے سے معلوم تھی اور وہ جانتے تھے کہ یہ آیت سورہ توبہ کے آخر کی ہے اس لئے انہوں نے سورہ توبہ کے آخر میں لگایا۔ اس لئے وہ حضرت فاروق اعظمؓ پر بہتان والی روایت یقیناً غلط اور حضرت فاروق اعظمؓ پر سفید بہتان ہے اور یقیناً یہ افتراء کسی شیعے کا ہے جس نے فاروق اعظمؓ پر بہتان لگایا اور قرآن مجید کو بھی مشتبہ کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ ان الذین یلحدون فی اٰیٰتنا لا یخفون علینا۔

اور دوسری جگہ کتاب التوحید جلد ۲ صفحہ ۱۱۰۴ میں جو یوں ہے :۔

حدثنا موسیٰ عن ابراھیم قال حدثنا ابن شھاب عن عبید بن السباق ان زید بن ثابت حدثہ ۔ ح وقال اللیث حدثنی عبدالرحمٰن بن خالد عن ابن شھاب عن ابن السباق ان زید بن ثابت حدثہ قال ارسل الی ابوبکر فتتبعت القراٰن حتی وجدت اٰخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع احد غیرہ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ حتی خاتمۃ براۃ یعنی امام بخاری موسیٰ (بن اسمٰعیل) سے، وہ ابراہیم بن سعد سے، وہ ابن شہاب زہری سے اور وہ عبید بن السباق سے روایت کرتے ہیں اور پھر اسی حدیث کا دوسرا طریق روایت یہ ہے کہ امام بخاری لیث سے وہ عبدالرحمٰن بن خالد سے اور وہ ابن شہاب زہری سے اور پھر وہ عبید بن السباق سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن ثابت نے ان سے بیان کیا کہ " میرے پاس ابوبکرؓ نے بھیجا تو میں قرآن ڈھونڈھنے لگا یہاں تک کہ میں نے آخر سورہ توبہ کو ابوخزیمہ انصاری کے ساتھ پایا۔ ان کے سوا کسی دوسرے کے پاس نہیں پایا لقد جاءکم رسول من انفسکم خاتمہ براۃ تک "۔ یہ روایت پہلی مختصر حدیث سے بھی مختصر تر ہے اور اس قدر مختصر کہ معمی ہو کر رہ گئی جس کی نظر ان روایتوں پر نہ ہو وہ اس حدیث کا صحیح مطلب تک نہیں سمجھ سکتا۔ یہ دونوں مختصر روایتیں اپنی ہیئات کذائیہ کی زبان سے صاف صاف خود ظاہر کر رہی ہیں کہ یہ دونوں روایتیں دراصل اس لئے بنائی گئی ہیں کہ پہلی تینوں مفصل روایتوں کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کر دیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ باب جمع القرآن والی حدیث کے مطابق آخر سورہ براۃ کی دو آیتوں کا ابوخزیمہ انصاری ہی کے ساتھ ملنا صحیح ہے۔ اس لئے کہ یہ ۲ مختصر روایتیں بھی اس کی تائید کر رہی ہیں۔

خزیمہ یا ابوخزیمہ : کتاب الاحکام میں جو شک خزیمہ یا ابوخزیمہ کا راوی کو ہو گیا ہے اس کا تصفیہ بھی ان دونوں حدیثوں ہی سے ہو جائے گا۔ اس کے

بعد پھر تین تین روایتیں اور تحویل یعنی آخری روایت کے طریق ثانی کو بھی ملا لیجئے تو چار روایتوں سے ابوخزیمہ والی روایت کی بظاہر تائید ہو جاتی ہے۔ پھر تو صرف ایک ہی روایت خزیمہ کی رہ جاتی ہے جس کو راوی کی غلطی یا بھول چوک پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ راوی نے ابوخزیمہ کو خزیمہ کہدیا اسی لئے امام بخاری نے متابعتوں کی تصریح نہ باب جمع القرآن والی حدیث کے بعد کی نہ کتاب الاحکام والی حدیث کے بعد۔ بلکہ کتاب التفسیر ہی والی حدیث کے بعد تمام متابعتوں کی تصریح اس طرح فرمائی کہ غور کرنے والے کو "ابوخزیمہ" ہی والی روایت کی صحت کا یقین ہو جائے ان متابعتوں کو اب ہم ایک نقشہ بنا کر اس طرح سمجھا دیتے ہیں۔ اس نقشے کو کتاب التفسیر والی حدیث سے ملا کر دیکھئے جہاں تصریح متابعات ہے۔

نقشہ متابعات بابت

ابوخزیمہ مطابق

کتاب التفسیر (امام بخاریؒ)

اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے

ابن شہاب زہری سے آخر سورۂ توبہ کے متعلق

خزیمہ والی روایت — ابوخزیمہ والی روایت

شعیب — یونس — ابوثابت — ابراہیم — یعقوب — عبدالرحمٰن بن خالد

۲

ابوالیمان	عثمان بن عمرو	لیث	خزیمہ یا ابوخزیمہ فان تولوا ۔ الآیہ	خزیمہ یا ابوخزیمہ	موسیٰ	لیث
یہ روایت کتاب التفسیر والی ہے جس کو آپ دیکھ چکے	بخاری میں یہ روایت نہیں ملتی البتہ مسند احمد میں ہے	یہ روایت کہیں نہیں ہے البتہ باب کاتب النبی بخاری میں ہے تو ضرور مگر وہاں خزیمہ نہیں لکھا ہے بلکہ ابوخزیمہ لکھا ہے یقیناً یہ ابو کا لفظ بعد کو امام بخاری کی تصریح کے خلاف دوسروں نے بڑھا دیا ہے۔	یہ روایت کتاب الاحکام والی ہے جس کو آپ نے پڑھا مگر تصریح متابعت کے خلاف ہے۔ کتاب الاحکام میں اوپر والی آیت سمیت نہ پائے جانے اور پھر پائے جانے کا ذکر ہے یعنی دونوں آیتوں کے بارے میں اور اس روایت میں فالحقتها فی سورتها کا اضافہ بھی ہے۔	یعقوب کی کوئی روایت بخاری میں مذکور نہیں ہے غیر صحاح میں ان کی روایتیں ہیں جن میں قوی روایت خزیمہ کی ہے۔	یہ روایت باب جمع القرآن والی ہے جو سب سے پہلے آپ نے دیکھ لی۔	یہ روایت مختصر تر آپ نے کتاب التوحید بخاری میں پڑھ لی۔

مسند احمد میں بعض متابعات : ابن حجر لکھتے ہیں کہ عثمان بن عمر کی متابعت مسند احمد و اسحق میں مذکور ہے۔ ہے تو ضرور مگر ناقص، یعنی اس میں خزیمہ یا ابوخزیمہ کسی کا ذکر ہی نہیں، نہ آخر سورہ توبہ کا کوئی تذکرہ۔ یہ روایت ہی مقتضب ہے۔ دیکھیے مسند احمد۔ جلد ۱ صـ ۱۳ ۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی عثمان بن عمر قال اخبرنا یونس عن الزہری قال اخبرنی ابن السباق قال اخبرنی زید بن ثابت ان ابا بکر ارسل الیہ مقتل اہل

ـلـه : ماہنامہ البیان لاہور بابت جنوری ۱۹۵۰ء میں میرا ایک مضمون "ظن کے اصطلاحی معنی" کے عنوان سے چھپا تھا جس پر لمبی لمبی دو تنقیدیں اخبار الاعتصام گوجرانوالہ (مسلک اہل حدیث کے ترجمان) میں باقساط چھپی تھیں۔ پہلی تنقید تو بڑی طویل و عریض شیخ الحدیث مولانا محمد اسمعیل صاحب خطیب جامع گوجرانوالہ کی ۳، ۱۰، ۱۷، ۲۴ اور ۳۱ مارچ ۱۹۵۰ء کے پانچ نمبروں میں لمبے چوڑے ساڑھے دس صفحوں پر چھپی جس کا تعلق میرے اصل مضمون سے تھا۔ میں نے اس کا جواب مدلل و مدلل البیان میں اشاعت کے لئے بھیج دیا تھا مگر البیان کی اشاعت ختم ہوگئی اس لئے میرا وہ مضمون بھی ضائع ہوگیا۔

میرے اس مضمون میں جمع قرآن کی حدیث کا ذکر بھی ضمناً آگیا تھا جس میں، میں نے لکھا تھا کہ صحاح میں جمع قرآن بعہد صدیقی کی روایت صرف زہری صرف عبید بن السباق سے عبید صرف زید بن ثابت سے کرتے ہیں اس لئے یہ روایت آحاد در آحاد ہے۔

میرے اسی حصہ مضمون کی تنقید مولانا ابو محمد عبد اللہ بن عنایت اللہ صاحب لائل پوری نے اسی اخبار الاعتصام مورخہ ۲۱، ۲۸ اپریل ۱۹۵۰ء کے طویل و عریض پونے چار صفحوں پر شائع کی ہے۔ میں نے اس کے جواب کی ضرورت محسوس نہیں کی تین وجہوں سے ۱ مولانا لائل پوری کا لب و لہجہ تیز ہے۔ اس لئے خموشی ہی بہتر نظر آئی۔ ۲ تنقید میں کھلی ہوئی ہٹ دھرمی سے کام لیا گیا ہے اور دھوکہ دیا گیا ہے اور ہٹ دھرمی کا جواب سکوت سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

صـ ۱۴۲ پر

الیمامۃ فاذا عمر عندہ فقال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر باھل الیمامۃ من قراء القرآن من المسلمین وانا اخشی ان یستحر القتل بالقراء فی المواطن فیذھب قرآن کثیر لا یوعی وانی اری ان تامر بجمع القرآن فقلت

ص۱۴۱ سے

۳: اہل علم پر مولانا لائل پوری کا دجل نہیں چل سکتا۔ وہ خود تنقید کی نوعیت کو سمجھ لیں گے۔ اب جبکہ یہ صحاح کی تمام احادیث جمع قرآن کی تنقید شائع ہو رہی ہے تو اس سے بڑھ کر مولانا لائل پوری کا اور کیا جواب ہو سکتا ہے۔ فبای حدیث بعدہ یؤمنون

مولانا لائل پوری نے دھوکہ یہ دیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ زہری صرف عبید بن السباق ہی سے نہیں بلکہ خارجہ بن زید سے بھی روایت کر رہے ہیں اس لئے زید بن ثابت سے روایت کرنے والے صرف عبید بن السباق ہی نہیں ہیں بلکہ خارجہ بن زید بھی ہیں اور اس کے ثبوت میں فتح الباری جلد ۹ ص۱۱ کا حوالہ دیا ہے حالانکہ خارجہ بن زید سے صرف آیت سورہ احزاب کے نہ ملنے اور پھر خزیمہ بن ثابت الانصاری کے ساتھ پائے جانے کی روایت ہے جو حدیث نقل مصاحف بعہد عثمانی کے بعد بخاری میں مذکور ہے مگر اس روایت میں کوئی ذکر نہیں کہ سورۂ احزاب والی آیت کا واقعہ جمع صدیقی کے وقت کا ہے یا نقل مصاحف بعہد عثمانی کے موقع کا نہ خارجہ کی کسی روایت کا جو صحاح میں مذکور ہے۔ جمع صدیقی یا نقل مصاحف بعہد عثمانی میں سے کسی کا بھی کوئی ذکر بخاری میں مذکور ہے۔ اس کا اس روایت میں کوئی ذکر نہیں کہ سورۃ الاحزاب والی آیت کا واقعہ جمع صدیقی کے وقت کا ہے یا نقل مصاحف بعہد عثمانی کے موقع کا ہے اس لئے جمع صدیقی کی حدیث کے راوی کس طرح ہو سکتے ہیں اسی لئے زیادہ تر لوگ اس کو نقل مصاحف کے وقت کا واقعہ بتاتے ہیں اور یہی منشا امام بخاری کا بھی ہے۔ اس لئے انہوں نے اس کو نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث کے بعد باب جمع القرآن میں درج کیا اور پھر کتاب التفسیر میں بھی اور کتاب الجہاد میں بھی، اسی طرح گول مول ہے کہ یہ پتہ نہ لگے کہ یہ واقعہ کس وقت اور کس زمانہ کا ہے۔

اس لئے جمع قرآن بعہد صدیقی کی روایت تنہا عبید بن السباق ہی سے ہے اور نقل مصاحف بعہد عثمانی کی روایت تنہا انس بن مالک ہی سے اور ہر حدیث کے تنہا راوی زہری ہی ہیں پوری بحث آیت احزاب و سورہ توبہ کے بیان میں اسی رسالے میں آتی ہے اور مولانا لائل پوری کی ہر بات کا جواب میری اس کتاب میں موجود ہے۔ ص۱۴۳ پر

لعمر وكيف افعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال هو والله خير فلم يزل يراجعني في ذلك حتى اشرح الله صدري ورأيت فيه الذي رأى عمر قال زيد وعمر عنده جالس لا يتكلم. فقال ابوبكر انك رجل شاب عاقل لا نتهمك كنت تكتب الوحي لرسول الله صلى الله عليه وسلم فاجمعه. قال زيد فوالله لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان بأثقل علي مما امرني به من جمع القرآن فقلت كيف تفعلون شيئا لم

صـ۱۴۲ سے
زہری سے روایت کرنے والے ۱. شعیب، یونس، ابراہیم اور عبدالرحمٰن چار آدمی ہم نے امام بخاری کے متابعات کے مطابق دکھاتے تھے۔ مولوی لائل پوری نے بخاری سے ایک نام اور بھی پیش کیا ہے یعنی زہری سے سلیمان بن ابی بلال، ان سے ان کے بھائی ابوبکر عبدالحمید ان سے اسماعیل بن ابی اویس، ان سے امام بخاری۔ مگر مولوی لائل پوری کو یہ تحویل پیش کر کے پچھتانا پڑے گا اس لئے کہ تحویل میں امام بخاری کے شیخ اسمٰعیل بن ابی اویس کا حال شاید ان کو معلوم نہیں ہے۔ سنیئے ابن حجر تہذیب التہذیب میں کیا فرماتے ہیں؟ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام ائمہ رجال کا ان کے ضعیف غیر ثقہ اور ناقابل اعتبار ہونے پر اتفاق ہے اور متعدد ائمہ رجال نے تو ان کو کذاب جیسے ممتاز لقب سے یاد کیا ہے۔ بعضوں نے حدیثیں گھڑنے کا بھی الزام دیا ہے۔ دیکھیے تہذیب التہذیب جلد ا، صـ۳۱۰ سے صـ۳۱۲ تک، ان کے اسی قسم کے فضائل و مناقب بھرے ہوئے ہیں۔

مگر واضح ہے کہ یہ تحویل بھی امام بخاری نے صرف سورہ احزاب والی آیت کے متعلق ذکر کی ہے جو خارجہ سے مروی ہے۔ باب جمع القرآن یا کتاب التفسیر میں یہ تحویل مذکور نہیں ہے کتاب الجہاد میں مذکور ہے اور اس میں جمع قرآن یا نقل مصاحف کے واقعہ کا مطلقاً کوئی ذکر نہیں میں نے آخر سورہ توبہ و آیت احزاب پر بحث کرتے ہوئے اس کتاب میں اس تحویل پر بھی بحث کی ہے مگر مولوی لائل پوری نے ناظرین الاعتصام کو دھوکہ دینے کے لئے ان باتوں کو حدیث جمع قرآن بعہد صدیقی سے قصداً غلط متعلق کر دیا۔

یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس یہیں تک حدیث عثمان بن عمر سے مروی ہے۔ البتہ اس میں ......

لا یوعی کا اضافہ خطرناک : ایک خطرناک اضافہ ہے جو کسی روایت میں نہیں "لا یوعی" کا لفظ جس کے مطلب یہ ہیں کہ قرآن کے وہ حصے جو قلم بند اور محفوظ نہیں ہو سکے کچھ اس کو یاد ہیں کچھ اس کو، وہ ضائع ہو جائیں گے جس راوی نے یہ ناپاک اضافہ کیا ہو، اس کی فطرت کا اندازہ اس اضافے سے لگا لیجئے۔

مسند احمد کی ایک اور روایت : ہاں ایک اور روایت بھی مسند احمد جلد ۵ ص۱۸۸ میں ہے۔ ابو کامل (مظفر بن مدرک) سے، وہ ابراہیم بن سعد سے، وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں مگر یہ بھی پہلی حدیث کی طرح مقتضب ہی ہے۔ کہتے ہیں : عن عبید ابن السباق عن زید بن ثابت قال ارسل الی ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر عندہ جالس وقال ابوبکر یا زید بن ثابت انک غلام شاب عاقل لا نتھمک قد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ قال زید فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی بہ من جمع القرآن فقلت اتفعلان شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو واللہ خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری بالذی شرح لہ صدر ابی بکر و عمر رضی اللہ عنھما۔ یہ روایت بھی یہیں تک ہے اس میں بھی نہ آخر سورۃ براۃ کا ذکر ہے نہ خزیمہ کا نہ ابو خزیمہ کا۔ غالباً اسی لئے امام بخاری نے ابو کامل کی متابعت کا تو ذکر ہی نہیں کیا اور عثمان بن عمر کی متابعت کا ذکر کیا بھی تو اس کو کہیں نقل نہیں کیا۔

باقی رہی لیث کی روایت یونس سے تو ابن حجر فتح الباری جلد ۱۹ ص۹۰ میں لکھتے ہیں کہ اس کو مؤلف یعنی امام بخاری نے باب فضائل القرآن اور کتاب التوحید

میں نقل کیا ہے ابن حجر سے، یہاں تسامح ہوگیا ہے جو کتاب التوحید کا بھی ذکر یہاں کر دیا۔ یہ روایت صرف فضائل القرآن باب کاتب النبی میں ہے۔ کتاب التوحید میں لیث کی روایت یونس سے نہیں ہے بلکہ عبدالرحمٰن بن خالد سے ہے جس کی تصریح میں نے نقشے میں کر دی ہے مگر تعجب ہے کہ صحیح بخاری کے موجودہ نسخوں میں اگر دیکھیے تو باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ لیث والی روایت جو یونس سے ہے ضرور ملے گی مگر خزیمہ کا نام نہیں ملے گا بلکہ ابوخزیمہ کا نام ملے گا اس لئے یہ حدیث کتاب التفسیر والی حدیث کی متابعت میں نہیں پیش کی جا سکتی بلکہ باب جمع القرآن والی حدیث کی متابعت اس سے ہوسکتی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ امام بخاری کی اس پیش کردہ متابعت سے صاف ظاہر ہے کہ باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والی حدیث میں خزیمہ کا نام امام بخاری نے لکھا تھا۔

مگر اس کے کسی چالاک شاگرد نے اس کو ابوخزیمہ بنا دیا ورنہ اس روایت کو امام بخاری خود کتاب التفسیر والی روایت کی متابعت میں کبھی پیش نہ کرتے وہ تو خود "ابوخزیمہ" والے قول کے موئید تھے وہ اس روایت کو عبدالرحمٰن بن خالد اور موسیٰ کی متابعت میں پیش کرتے۔

اور یعقوب والی روایت بھی بخاری میں نہیں ہے بلکہ صحاح کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابوبکر بن ابی داؤد نے اس کو اپنی کتاب المصاحف میں نقل کیا ہے اور ابویعلی نے بھی مختصراً لکھا ہے مگر خود ابن حجر ہی لکھتے ہیں کہ یعقوب والی روایت کو ذہلی نے الزہریات میں جو نقل کیا ہے تو انہوں نے خزیمہ ہی کا نام یعقوب سے نقل کیا ہے اور اسی طرح جوزقی نے بھی۔ تو یعقوب جو اپنے باپ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں تو وہ بھی بروایت قوی خزیمہ ہی کی روایت کرتے ہیں۔ اور بروایت ضعیف ابوخزیمہ کی۔ واللہ اعلم۔

ابراھیم بن سعد ھی کی روایت میں تمام اختلافات ھیں

غرض سارے اختلافات ابراہیم[1] بن سعد ہی کی روایت میں ہیں۔ صرف انہیں سے باب جمع القرآن والی حدیث ہے جس میں ابوخزیمہ ہے اور انہیں سے ثابت والی حدیث جو کتاب الاحکام میں مروی ہے جس میں خزیمہ اور ابوخزیمہ ہے (شک کے ساتھ) اور آخر سورہ توبہ کی دو آیتوں کے عوض صرف ایک ہی آیت کے نہ ملنے اور پھر خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ ملنے کا ذکر ہے اور پھر انہیں سے ان کے بیٹے یعقوب بھی روایت کرتے ہیں جو الزہریات میں اور جوزقی کے یہاں ہے تو خزیمہ کے نام کے ساتھ ہی اور ابن ابی ذر اور ابویعلی کے یہاں ابوخزیمہ کے نام کے

---

[1]: تعجب ہے کہ امام بخاری نے عبدالرحمٰن بن مہدی جیسے جلیل القدر محدث کی متابعت کا کوئی ذکر نہیں کیا جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی بھی ابراہیم بن سعد ہی سے روایت کرتے ہیں اور آخر سورہ براءت کے خزیمہ بن ثابت (مع تصریح ولدیت) ہی کے پاس پائے جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ غالباً اسی لئے امام بخاری نے اس متابعت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ آخر سورہ براۃ کے ملنے کو ابوخزیمہ کے ساتھ رکھیں اور آیت سورہ احزاب کے ملنے کو خزیمہ کے ساتھ تاکہ دو واقعہ دو وقتوں کا دو شخصوں کے ساتھ ثابت ہو سکے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک ہی وقت کا ایک ہی واقعہ سمجھا جائے اور صرف آیتوں کے متعلق راویوں کا اختلاف قرار دیا جائے۔ اسی سے سورہ احزاب کی آیت والی روایت کو امام بخاری نے بالکل الگ سے منقطع طور پر روایت کیا کہ اب سمجھنے والا جو سمجھے چاہے عہد نقل مصاحف بزمانہ عثمانی کا واقعہ سمجھے یا جمع صدیقی ہی کے وقت کا اور اس کو راویوں کا اختلاف قرار دے۔ ترمذی نے تو خزیمہ و ابوخزیمہ کا اختلاف آیت سورہ احزاب کے متعلق عبدالرحمٰن بن مہدی سے روایت کیا ہے اور انہوں نے ابراہیم بن سعد سے۔ اس پر دوبارہ بحث متن کتاب میں۔ حدیث نقل مصاحف بعہد مصاحف بعہد عثمانی کی تنقید میں آئے گی۔

ساتھ۔ ادنیٰ غور و تامل سے یہ صاف پتہ چل جاتا ہے کہ ابراہیم سے جتنی روایتیں مضطرب ہیں ان کے اضطراب کے ذمہ دار خود ابراہیم ہی ہیں کہ کسی سے کچھ کہا اور کسی سے کچھ۔ اور ابراہیم کو ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ا صـ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ زہری کی حدیثوں میں بہت ضعیف سمجھے جاتے ہیں جس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ابراہیم کی پیدائش ۱۰۸ھ کی ہے۔ یہ زہری کی وفات کے وقت پندرہ سولہ برس کے تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ پندرہ سولہ برس کی عمر بھی روایت حدیث کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ کافی ہو مگر یہاں تو ابراہیم بن سعد کی لقا ہی زہری سے مشتبہ ہے بلکہ یقین ہے کہ دونوں میں ملاقات ہی نہ ہوئی ہو یا بہت کم سنی میں ابراہیم نے زہری کو دیکھا ہو کیونکہ زہری مقام ایلہ میں رہتے تھے شام و حجاز کی سرحد پر اور ابراہیم بن سعد مدینہ طیبہ میں مقیم تھے۔ مدینے کے محدثین زہری سے روایتیں لیتے تھے ایلہ پہنچ کر۔ ابراہیم بن سعد کا پندرہ برس یا سولہ برس کی عمر میں مدینے میں زہری کے پاس ایلہ جانا حدیثیں سننے کے لئے بالکل مستبعد ہے اور کسی نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ کہ جس طرح ماجشون وغیرہ مدینے سے ایلہ جا کر زہری سے حدیثیں لیتے تھے اسی طرح ابراہیم بن سعد بھی گئے تھے۔ اس لئے ابراہیم کی روایت زہری سے یقیناً مرسل و منقطع ہے۔ محدثین انقطاع کا تو ذکر نہیں کرتے ہیں مگر ضعف کا اعتراف ضرور کرتے ہیں اور انقطاع کا ذکر نہیں کرتے ہیں صرف بخاری کا بھرم رکھنے کے لئے، چونکہ بخاری کی شرط لقا محدثین میں مشہور ہو گئی ہے مگر یہ شیعوں کی کتب رجال میں خاص طور سے ممدوح اور ثقہ نظر آتے ہیں۔ غرض ان کی روایت جو ابو خزیمہ کی ہے وہ اپنے اضطرابات اور ضعف کی وجہ سے ضرور اعتبار سے ساقط ہے۔ باقی رہ گئی عبدالرحمٰن بن خالد والی روایت تو یہ شیعوں کے یہاں تو ضرور حجت اور ثقہ ہے مگر اہل سنت ائمہ رجال ان کو منکر الحدیث لکھتے ہیں اس لئے ان سے جو لیث ابو خزیمہ کی روایت کرتے ہیں وہ یقیناً ناقابلِ التفات ہے خصوصاً جبکہ

امام بخاری کے نزدیک لیث عثمان بن عمرو کے ساتھ دو آدمی یونس سے خزیمہ کی روایت کر رہے ہیں اور یونس زہری کی حدیثوں میں ابراہیم اور عبدالرحمٰن دونوں سے زیادہ قابل قبول ہیں اور شعیب تو زہری کے کاتب ہی تھے اس لئے دوسروں سے بہت زیادہ یہ زہری کی حدیثوں میں قوی سمجھے جاتے ہیں۔ یہ روایت بھی خزیمہ ہی کی کر رہے ہیں۔ خود ابن حجر فتح الباری جلد ۲۰ صہ ۴۲۳ میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو طرانی نے جو مسند الشامیین میں نقل کیا ہے تو خزیمہ بن ثابت الانصاری بتصریح ولدیت لکھا ہے اور یہ روایت ابوالیمان ہی سے ہے جو شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ زہری سے۔ پھر ترمذی میں بھی آخر سورہ توبہ و آیت احزاب دونوں ہی کے ملنے کا ذکر خزیمہ بن ثابت ہی کے ساتھ ہے۔ بتصریح ولدیت۔ اس لئے ہر چند بظاہر ابوخزیمہ کی متابعتیں بخاری میں زیادہ نظر آتی ہیں۔ مگر واقعہ یہی ہے کہ زہری سے روایت یہاں خزیمہ ہی کی صحیح[۱] ہے جس طرح آیت سورہ احزاب کے بزمانہ نقل مصاحف نہ ملنے اور پھر خزیمہ کے ساتھ پائے جانے کی روایت خارجہ بن زید سے زہری کر رہے ہیں۔ اسی طرح سورہ براۃ کی دو آیتوں کے نہ ملنے اور خزیمہ ہی کے ساتھ پائے جانے کی روایت زہری عبید بن السباق سے کرتے ہیں۔ بعد والوں نے سورہ براۃ والی آیت کے لئے خزیمہ کو ابوخزیمہ بنا دیا تاکہ دونوں آیتوں کا تعلق ایک ہی شخص سے باعث اشتباہ ہو کر ایک روایت کو غلط نہ ثابت کر دے۔

اظہار اصل حقیقت : مگر حقیقت یہ ہے کہ روایت بنانے والوں نے

---

[۱] : صحت کے یہاں یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ واقعہ جو زہری روایت کر رہے ہیں وہ صحیح ہے۔ واقعہ تو قطعاً غلط اور کذب و افتراء ہے مگر زہری نے خزیمہ ہی سے دونوں جگہ بیان کیا ہے۔ اس کو بعد والوں نے ایک جگہ خزیمہ اور دوسری جگہ ابوخزیمہ بنایا ہے۔ صحت کا یہاں یہی مطلب ہے۔

دونوں روایتوں یعنی سورہ برآۃ والی آیت اور سورہ احزاب والی آیت دونوں کے نہ ملنے اور پھر خزیمہ کے ساتھ ملنے کی دو حدیثیں ایسے عنوانِ بیان و نشست الفاظ کے ساتھ بنائیں کہ یہ دونوں واقعے الگ تسلیم کیے جائیں یا واقعہ تو ایک ہی قرار دیا جائے مگر راویوں کا اختلاف سمجھا جائے کہ کسی نے سورہ برآۃ کی آیتوں کے متعلق کہا اور کسی نے سورہ احزاب کی آیت کے متعلق، یہ دونوں صورتیں ممکن ہوں۔ غرض یہ تھی کہ آگے چل کر جیسا موقع ہوگا ویسا مطلب نکالا جائے گا۔ ہم اس حقیقتِ واضحہ پر حدیث آخر سورہ توبہ و آیت احزاب پر مفصل بحث کرنے کے وقت پوری طرح بحث کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں مختصراً اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔

یہ متابعات بالکل غیر مفید ہیں : جو لوگ فن حدیث سے مناسبت رکھتے ہیں وہ یہ جانتے ہیں کہ کسی حدیث کی اگر ایک راوی روایت کر رہا ہو اور پھر دوسرے نے بھی اس کی روایت کی تو اس کو متابعت کہتے ہیں اور اس سے پہلی روایت کی تقویت ہوتی ہے بشرطیکہ دوسرا راوی پہلے راوی سے ضعیف نہ ہو۔ اور ایسی متابعتیں وہاں مفید تقویت ہوا کرتی ہیں جہاں اصل مروی عنہ یعنی جس سے وہ دونوں راوی روایت کر رہے ہیں، ثقہ اور حجت و سند ہو۔ ورنہ اگر اصل مروی عنہ ہی مجروح اور ناقابل استناد ہے تو ایک دو کیا پچاس ساٹھ متابعتیں بھی ہوں تو بے سود ہیں۔ اگر مروی عنہ اور راوی سب کم و بیش مجروح ہیں تو ایسی متابعتوں کے لکھنے سے نہ لکھنا بہتر ہے۔ ان متابعتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوگیا کہ یہ ساری متابعتیں صرف زہری ہی تک پہنچتی ہیں اور زہری کا حال آپ کو تبفصیل تمام معلوم ہو چکا۔ زہری سے چار آدمی روایت کرتے ہیں شعیب، یونس ابراہیم اور عبدالرحمٰن۔ یونس اور یونس سے زیادہ عبدالرحمٰن منکر حدیث روایت کرنے میں بدنام ہیں۔ ابراہیم زہری کی حدیثوں میں خصوصیت کے ساتھ ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔ لے دے کر بس صرف شعیب ہی ان میں ایک ثقہ راوی ہیں مگر خود زہری

ہی کی وثاقت جب قابلِ قبول نہیں تو عزیب شعیب ثقہ ہوتے بھی تو کیا۔ مگر یہاں بھی ابوالیمان کی روایت شعیب سے محلِ نظر ہے اس لئے کہ شعیب سے بذاتِ خاص ابوالیمان نے شاید ہی کوئی حدیث[۱] سنی ہو..... غرض کسی طرح کا فائدہ تقویت ان متابعتوں سے اس روایت کو نہیں پہنچ سکتا۔ خصوصاً زہری جب اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں اور پھر زہری سے اوپر عبید بن السباق بھی علم تفرّد بلند کیے ہوتے ہیں اور ان کے بعد تو صرف زید بن ثابت ہی کا نام لیا جاتا ہے اور بس ان کے سوا تو کسی اور صحابی کو واقعہ جمع قرآن کا علم ہی نہ تھا جو کسی سے کوئی بیان کرتا۔

زھری اور زھری سے اوپر یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ جس طرح تنہا زہری عبید بن السباق سے روایت کر رہے ہیں۔ اسی طرح تنہا عبید بن السباق اس کو زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں اور زید بن ثابت سے عبید کی روایت کسی طرح بھی متصل نہیں ہو سکتی یا تو عبید نے زید بن ثابت پر یہ افترا کی ہے یا

---

[۱] اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ابوالیمان بہرانی قبیلہ کے غلام تھے۔ یہ قبیلہ حمص کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ بعد کو آزاد کر دیئے گئے تھے مگر رہے برابر حمص میں اور شعیب زہری کے کاتب تھے۔ زہری کے ساتھ ایلہ میں رہتے تھے اگرچہ وہ بھی حمصی تھے۔ مگر ابوالیمان کی پیدائش سے پہلے کے ایلہ میں مقیم تھے اور شعیب حدیث روایت کرنے میں بہت بخیل تھے۔ یہ بھی خیال رہے شعیب کی وفات ۱۶۲ھ میں ہے اور ابوالیمان کے بقول امام بخاری وغیرہ ۲۲۲ھ میں بماہ ذی الحجہ دونوں کی وفات کے درمیان ساٹھ برس کا تفاوت ہے۔ محمد بن المصطفےٰ حمصی نے جو مشہور مدلّس تھے، کوشش کی ہے کہ کسی طرح ابوالیمان کی روایت شعیب سے صحیح ثابت کی جاتے اور ابوالیمان کی وفات ۲۱۱ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں بتائی مگر امام بخاری وغیرہ نے ۲۲۲ھ سالِ وفات لکھ کر سارا پول کھول دیا۔

درمیان کے کسی راوی کا نام قصداً چھوڑ دیا ہے اس لئے کہ عبید بن السباق کی ولادت تقریباً سنہ ۵۰ھ کی ہے اور زید بن ثابت کی وفات سنہ ۴۵ھ یا سنہ ۴۸ھ میں اور بقول ضعیف سنہ ۵۲ھ میں ہوئی۔ اگر قول ضعیف ہی صحیح ہو تو عبید زید کی وفات کے وقت دو برس سے زیادہ کے نہ تھے۔ یہ عالم تو اس حدیث کی اسناد کا ہے۔ اب اصل متن حدیث کا عالم بھی ملاحظہ فرمائیے تاکہ دونوں عالم کی سیر کا ساتھ لطف حاصل ہو۔

تنقید متن حدیث: اصل حدیث اس مضمون سے شروع ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت زید بن ثابت رضؓ کے پاس اہل یمامہ کے قتل کی خبر بھیج کر ان کو بلا بھیجا اور حضرت عمر فاروق رضؓ کی رائے جمع قرآن کے متعلق بیان کر کے ان کو جمع قرآن پر آمادہ ہونے کے لئے کہا اور وہ بار بار کے اصرار کے بعد جمع قرآن پر راضی ہوئے اور جمع قرآن کا کام انہوں نے شروع کر دیا۔

جمع قرآن کا کام تخلیہ میں کیوں ہوا: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے اتنے بڑے کام کو حضرت ابوبکر رضؓ سے بالکل تخلیہ میں کیوں کہا؟ اور پھر حضرت ابوبکر رضؓ نے صرف زید بن ثابت رضؓ ہی کو کیوں بلایا؟ کاتب وحی اور بھی صحابہ رضؓ تھے جو علم قرآن میں زید سے کہیں زیادہ تھے۔ اور کتابت میں بھی زید سے ان کے کم ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے زید بن ثابت رضؓ اور نفس کتابت وحی پر تھوڑی تفصیلی بحث کی ضرورت ہے سنیئے:-

زید بن ثابت رضؓ: متوفی سنہ ۴۵ھ یا سنہ ۴۸ھ ہجرت کے وقت گیارہ برس کے تھے۔ قرآن مجید کی کچھ سورتیں یاد کر لی تھیں اس لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ سنہ ۲ھ میں اسارائے جنگ بدر سے کتابت سیکھنا شروع کی تھی۔ یقیناً مشق کتابت و مہارت املا میں تین چار سال سے کم نہیں لگے ہوں گے۔ تیرہ سال تک مکہ میں دو سرے ہی

لوگ کتابتِ وحی کرتے رہے تھے اور پھر ہجرت کے بعد زید بن ثابتؓ کی تعلیم کتابت و مشق مہارت املا تک بھی دوسرے ہی لوگ کتابت وحی کرتے رہے جب ان کو مشق کتابت و مہارت املا حاصل ہو چکی تو غالباً ۵ھ یا ۶ھ ہجری یا اس کے بھی بعد سے زیادہ سے زیادہ آخری تین چار سال کی مدت میں جو کچھ بھی وحی آئی اس کو زید بن ثابتؓ نے بھی لکھا ہوگا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی دوسرے سے اس مدت میں کتابت وحی کا کام لیا ہی نہیں گیا جہاں زید بن ثابتؓ اس مدت میں لکھنے والے تھے وہاں اور دوسرے لوگ بھی تھے کیونکہ ان سے پیشتر کے لکھنے والے بالکل معزول نہیں کر دیئے گئے تھے اور نہ ان پر ان کو کوئی وجہ ترجیح پیدا ہو گئی تھی بلکہ کتاب نیل الاوطار جلد ۷ صہ ۵۳۸ میں ہے فی

حدیث زید بن ثابت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یتعلم کتاب الیھود۔ وقال کتبت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم کتبہ واقرأتہ کتبھم اذا کتبوا الیہ۔ رواہ احمد والبخاری یعنی زید بن ثابتؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا تھا تو انہوں نے یہودیوں کی زبان سریانی[1] کی قرآت اور کتابت سیکھی۔ زید بن ثابت نے کہا کہ یہاں تک کہ (میں نے اس بات میں مہارت پیدا کر لی) اور میں لکھتا تھا رسول اللہ علیہ وسلم کے مراسلات (سریانی زبان میں ترجمہ کرکے سریانی رسم الخط میں) اور آپؐ کے سامنے پڑھتا یہودیوں کے مراسلات جب وہ بھیجتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور امام بخاری نے روایت کیا ہے اس کے کچھ بعد علامہ شوکانی لکھتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد

---

[1] شوکانی نے سریانی زبان ہی لکھی ہے مگر قاموس وغیرہ میں لغت یہود عبرانی لکھی ہے۔

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت کو دیکھا اور کم سنی ہی میں ان کی ذہانت وحفظ کا اندازہ لگایا تو اسی وقت ان کو سریانی زبان اور رسم الخط سیکھنے کے لئے فرمایا تھا اور انہوں نے چھ مہینے میں اس حد تک سیکھ لیا کہ مراسلات کا کام کرنے کے قابل ہو گئے۔ اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ سریانی زبان، عبرانی زبان کے علاوہ ایک دوسری ہی زبان ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ زید بن ثابتؓ نے عبرانی زبان اور رسم الخط نہیں سیکھا تھا۔ بہرحال اس سے یہ معلوم ہوا کہ زید بن ثابتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب مراسلات تھے اور یہودیوں کے مراسلات کے متعلق خاص کاتب تھے نہ کہ وحی کی کتابت میں ان کی کوئی خاص خصوصیت تھی بلکہ مختلف طرح کی کتابت میں خلط ملط کا خطرہ ہو سکتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ جس وقت کوئی اور کاتبِ وحی موجود نہ رہتا ہو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے وحی لکھوا لیتے ہوں۔ زید بن ثابتؓ کا مخصوص اور سب سے زیادہ اہم کاتبِ وحی ہونا صرف بخاری کی حدیث کی وجہ سے مشہور ہو گیا اور اس حدیث کو قوت پہنچانے کے لئے مشہور ہو گیا ہے ورنہ دراصل ان کو اس سلسلے میں کوئی خاص اہمیت نہ تھی اور نہ ہو سکتی ہے اس لئے اس روایت کی وجہ سے پیدا شدہ شہرت کو ان کی خصوصیت کے ثبوت میں پیش کرنا کھلا ہوا مصادرہ علی المطلوب[1] ہے جو کسی صاحبِ انصاف و دیانت کے نزدیک جائز نہیں۔ محدثین نے اسی روایت سے ان کو وحی کا کاتب قرار دینے کے لئے بہت زور لگایا ہے اور بعض روایتیں بھی اس کی تائید میں بنا لی گئی ہیں مگر درایت صاف بتا رہی ہے کہ یہ سب صرف روایت جمع قرآن کی کھوکھلی دیوار کے

---

[1]: "مصادرہ علی المطلوب" علم مناظرہ کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو دعویٰ ہو اسی کو گھما پھرا کر دلیل میں پیش کیا جائے۔ جس کو دعویٰ ہی قبول نہیں وہ اسی دعوے یا اسی کے کسی حصے کو دلیل میں کس طرح قبول کر سکتا ہے؟

لئے کھو کھلے پشتے ہیں اس کے سوا کچھ نہیں۔

استیعاب جلد ۱ ص۲۷ ترجمہ ابی بن کعب میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے جس نے وحی کی کتابت کی وہ حضرت ابی بن کعبؓ تھے اور یہ سب سے پہلے شخص ہیں کہ جو کتاب لکھ کر خاتمۂ کتاب پر " وکتبُ فلان " یعنی اپنی کتاب کا ذکر اپنے نام کے ساتھ لکھ دیا کرتے تھے۔ جب ابی بن کعبؓ نہ ہوتے تو زید بن ثابتؓ بلائے جاتے مگر یہ بھی، ہجرت کے تین چار سال بعد سے ہوتا ہوگا۔ کیونکہ اوّل تو زید بن ثابتؓ کم سن تھے۔ ہجرت ۲۷ صفر سلہ میں ہوئی ہے۔ زید اس وقت گیارہ برس کے تھے اور لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتے تھے ۱۷ رمضان کو ۲ھ میں جنگِ بدر ہوئی۔ فتح کے بعد جو قریشی قیدی اپنا فدیہ ادا نہ کر سکے ان کا فدیہ یہی قرار دیا گیا کہ وہ دس انصاری لڑکوں کو کتابت کی پوری تعلیم کر دیں۔ جسؐ کا مقصد یہ تھا

۱؎ طبقات ابن سعد حصہ اوّل ص۱۴۰ میں ہے کہ " فتح جنگ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے ستر آدمی گرفتار کیے اور بلقدر حیثیت ان سے فدیہ (تاوانِ جنگ) وصول کیا۔ جن سے فدیہ وصول ہوا ان کو رہا کر دیا اور اہلِ مکہ کتابت کا فن جانتے تھے اور اہلِ مدینہ نہیں جانتے تھے تو کفار مکہ میں سے جن قیدیوں کے پاس مال نہ تھا ان کا فدیہ یہی مقرر کیا گیا کہ وہ مدینے کے دس لڑکوں کو کتابت سکھا دیں تو جس نے دس لڑکوں کو کتابت سکھا دی اور فن کتابت کی تعلیم پوری کر دی وہ فراغت کے بعد رہا کر دیا گیا۔ انہی لڑکوں میں زید بن ثابتؓ بھی تھے۔ غرض ان قیدیوں میں جو خوشنویس اور کتابت کے ماہر تھے ان کے لئے یہی فدیہ مقرر کیا گیا کہ وہ دس لڑکوں کو کتابت کی تعلیم پوری طرح دے دیں۔"

تمنا غفرلہٗ عرض کرتا ہے کہ ابن سعد نے جو یہ لکھا ہے کہ اہلِ مدینہ کتابت نہیں

ص۱۵۵ پر

کہ انصار میں قریشی رسم الخط اور طرزِ املا کا رواج ہو جائے اور قرآن لکھنے والے انصاری بھی اسی رسم الخط سے قرآن لکھیں جس رسم الخط سے قریشی لکھا کرتے ہیں انہیں انصاری لڑکوں میں زید بن ثابت بھی تھے جنہوں نے ان قریشی قیدیوں سے کتابت سیکھی تھی۔ ہجرت کے تقریباً ایک برس آٹھ مہینے کے بعد زید بن ثابتؓ نے کتابت سیکھنا شروع کی۔ مشق و مہارت کے لئے کم سے کم تین چار سال کا وقت تو ضرور رکھنا چاہیئے تو یہ ۶ھ ہجری میں کہیں اس قابل ہوتے ہوں گے کہ خط و کتابت کر سکیں۔ وحی لکھنے والے اگر کم ہوتے تو ایک نو مشق ہی سے کام لیا جاتا۔ مہاجرین تقریباً سب کے سب کتابت کے ماہر قریشی رسم الخط کے ماہر تھے۔ انصارؓ میں بھی کتابت کے ماہر بیسیوں بلکہ سینکڑوں تھے۔ اُبی بن

ص ۱۵۴ سے

جانتے تھے بالکل غلط ہے۔ خود ابن سعد ہی نے دوسری جگہ اس کے خلاف لکھا ہے۔ اہلِ مدینہ کے حالات میں طبقات ابن سعد کی ایک خاص جلد ہے اس میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ مدنی صحابہؓ جو زمانہ جاہلیت سے کتابت اچھی طرح جانتے تھے، بہت تھے جن میں ۱۔ سعد بن عبادہ، ۲۔ منذر بن عمروؓ ۳۔ اسید بن حضیرؓ ۴۔ رافع بن مالک، ۵۔ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ، ۶۔ اوس بن خولی، ۷۔ عبداللہ بن رواحہ، ۸۔ اسعد بن الربیع، ۹۔ ابو عبس بن جبر، ۱۰۔ ابو درداء، ۱۱۔ حنظلۃ الکاتب وغیرہم۔ اور ابی بن کعب کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی جنگ بدر کے قیدیوں کا شاگرد نہیں یہ سب اسلام لانے سے پہلے ہی کتابت کے ماہرین میں سے تھے۔ باقی رہی کفار قیدیوں سے انصاری لڑکوں کو کتابت سکھلانے کی وجہ تو یہ میں متن میں لکھ چکا ہوں کہ انصار میں بھی قریشی رسم الخط جاری ہو جائے۔

ا : حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ اہلِ مدینہ دو دو تین تین سال کے بعد قیمت ادا کرنے کے وعدے

کعبؓ بھی تو انصاری ہی تھے اور اسلام لانے سے پہلے کے کتابت میں ماہر تھے اور چونکہ قریش کے حلیف تھے قریشیوں سے دیرینہ تعلقات رکھتے تھے اس لئے قریش کے لغات و محاورات اور رسم الخط و املا سے پوری طرح واقف تھے اسی لئے ہجرت کے بعد انصار کی دل دہی کے لئے آپ نے فوراً ایک انصاری کو کتابتِ وحی کے لئے منتخب فرمایا مگر ایسے ہی انصاری کو جو قریشیوں ہی کی طرح لکھتا ہو ممکن ہے کہ وفاتِ نبوی سے سال دو سال قبل زید بن ثابتؓ نے بھی کتابتِ وحی کا کچھ کام کیا ہو مگر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب خصوصی اور کتابتِ وحی کا خاص ذمہ دار قرار دینا بخاری کی روایت جمع قرآن کی کھو کھلی دیوار پر پُشتہ لگانے

پر پُچھوائے بیج رہے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وزن، قیمت اور وقت معین کرکے بیچو۔ اسی پر آخر سورہ بقرہ میں یہ حکم آیا ہے کہ یا ایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین فاکتبوہ الیٰ اجل مسمّٰی (آخر رکوع تک) جس میں قرض، ادھار اور بیع وغیرہ کے معاملے کو لکھ لینے اور ان پر گواہیاں کرا لینے کا حکم اس طرح ہے کہ اس کے فرض ہونے کا گمان ہو سکتا ہے۔ صرف روزمرہ کی خرید و فروخت کے بارے میں ہے کہ اگر اس کو نہ لکھو تو کوئی گناہ نہیں ہے یہاں تک کہ سفر کی وجہ سے اگر کاتب نہ ملے یا سامانِ کتابت نہ ہو تو کسی چیز کو گرو رکھنے کا حکم ہے مگر باہمی اعتماد و اعتبار اگر ہو تو کوئی چیز گرو رکھنا ضروری نہیں۔ اس حکم سے جو ہجرت کے چند ہی دن بعد آترا یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مہاجرین و انصار میں لکھنے پڑھنے والے کافی تعداد میں تھے۔ جبھی تو کاروبار اور آپس کے لین دین کو لکھ لینے اور ان پر گواہیاں ثبت کر لینے کا حکم آغازِ سالِ ہجری میں آیا۔ خرید و فروخت کی ضرورت کس کو نہیں پڑتی ہے۔ ایسا حکم ایسی جماعت کے لئے عام طور سے نہیں آسکتا جس جماعت میں لکھنے پڑھنے والے بہت کم ہوں۔ فافہم۔

کے لئے ہے مگر میں حضرت زید بن ثابتؓ کی مہارت کتابت سے انکار نہیں کرتا۔ ان کو مہارت ضرور ہوئی ہوگی مگر ۸ھ یا ۹ھ تک کتابت وحی بھی کر لیتے ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ اخیر زمانے میں یہی زیادہ لکھتے ہوں مگر یہ قریشیوں کے شاگرد تھے اسی لئے قریشی رسم الخط ہی جانتے تھے پھر قریشی مہاجرین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دن رات رہتے تھے۔ قریش کی لغات و محاورات سے بھی پوری طرح واقف ہو گئے تھے ان کے قرآن لکھنے میں اور کسی قریشی کے لکھنے میں کسی فرق کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ انہوں نے کوئی غیر معمولی مشق خطاطی اور حسن کتابت میں حاصل کر لی ہو تو محض کتابت قرآن کے لئے تو البتہ ان کا انتخاب ان کے حسن کتابت و خطاطی کی وجہ سے ہو سکتا تھا مگر جہاں ضرورت جمع و تدوین آیات و سُوَر کی ہو وہاں تو ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو ابتدائے نزول سے آخر تک شریک کتابت وحی رہے ہوں اور تمام آیات و سور کے مواقف و مواقع نزول سے واقف اور پورے قرآن کے حافظ ہوں۔ قراءؔ[1] یعنی حفاظ قرآن میں چاروں خلفائے راشدینؓ ابی بن کعبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے اسمائے گرامی خود محدثین بڑے لقلقے سے لیا کرتے ہیں۔ عام قراء یعنی حفاظ قرآن کی اکثریت اپنے قرآنی اسناد کا سلسلہ عموماً حضرت ذوالنورینؓ تک پہنچایا کرتی ہے۔ خود بخاری کتاب فضائل القرآن میں باب القراء من اصحاب النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] "قراء" قاری کی جمع ہے چار پانچ صدی بلکہ اور بعد تک "قاری" حافظِ قرآن کو کہتے تھے اور محدثین کا زمانہ آیا تو جس کو حدیثیں بہت یاد ہوا کرتی تھیں اس کو "حافظ" کہنے لگے جب حدیثوں کے حفظ کا زمانہ ختم ہو گیا تو حافظِ قرآن ہی کو حافظ کہنے لگے۔

بھی ہے جس میں یہ حدیث موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن حاصل کرو چار شخصوں سے عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذؓ اور ابی بن کعبؓ۔ پھر اسی باب میں یہ بھی ہے کہ عہد نبوی میں چار انصاریوں نے قرآن جمع کیا تھا۔ ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابوزید۔ دوسری روایت میں ابی بن کعبؓ کی جگہ ابوالدرداءؓ کا نام ہے۔ اگر زید بن ثابتؓ بھی حافظ ہوں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مہاجرینؓ و انصارؓ بلا استثناء سب کے سب پورے قرآن کے حافظ تھے اور نہ فقط حافظ تھے بلکہ سب کے سب لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور سب کے پاس پورا قرآن کتابی صورت میں بین الدفتین لکھا ہوا مجموع و مرتب موجود تھا اور حسب فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مہاجرینؓ و انصارؓ کتاب دیکھ کر تلاوت کرنے کے عادی تھے مہاجرینؓ اور انصارؓ میں ہی نہیں بلکہ آفاقیوں میں سے بھی اکثر صحابہؓ رفتہ رفتہ پورے قرآن کے حافظ ہو چکے تھے۔ اور فرضیتِ تحصیلِ علم کا فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سن کر سب کے سب لکھنا پڑھنا بھی سیکھ چکے تھے کیونکہ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کی دلالۃ النص کتابت کی تعلیم حاصل کرنے کی انہیں تاکید کر رہی تھی اور ہر صحابیؓ کے گھر میں قرآن مجید کے متعدد نسخے کامل و مکمل موجود تھے جن میں وہ خود اور ان کے اہل و عیال پڑھتے تھے، اور یہ کیوں نہ ہوتا، آخر صحابہؓ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کو دیکھتے تھے کہ وہ اپنے پاس ایک کتاب اللہ رکھتے ہیں۔ جن کتابوں کا ذکر قرآن میں موجود ہے ان کی تلاوت کتاب اللہ کا بھی تذکرہ قرآن میں وہ دیکھتے تھے کہ یتلون اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیْلِ۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن تھا کہ صحابہ کے دلوں میں بھی یہ حسرت پیدا نہ ہوتی کہ ہمارے پاس بھی کتاب اللہ کتاب کی صورت میں مدوّن و مرتب ہوتی اور ہم لوگ بھی اس کی تلاوت کرتے رہتے۔

ہر صحابی کے گھر میں قرآن کے مکمل نسخے موجود تھے اور مہاجرین و انصار

میں سب کے سب حافظ تھے ازواج مطہرات اور دیگر عورتیں بھی قرآن کی حافظہ تھیں ⁂ اللہ تعالیٰ نے مزید پورے قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بہت پہلے مکمل کر کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحابہؓ ہی کے ہاتھوں سے اس کو مرتب و مدوّن کرا دیا تھا اور ہر گھر میں قرآن کے متعدد نسخے موجود تھے اور صحابہؓ نے حفظ بھی کر لیا تھا۔ جب ہی تو قرآن کے متعلق فرمایا گیا بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ط سورۂ عنکبوت پ ۲۱ ع۵ بلکہ وہ (قرآن کی) واضح آیتیں ہیں جن کو (دین کا) علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ ہیں) یعنی علم دین والوں نے ان آیاتِ قرآنی کو حفظ کر لیا ہے اور صحابہؓ میں کون تھا جو علم دین نہیں رکھتا تھا۔ ایک کو دوسرے پر کسی قدر فضیلت ہونا اور بات ہے۔ مگر صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں روحانی تربیت پانے والوں میں سے ایک معمولی فرد بھی بعد والے علمائے دین سے کہیں افضل و اعلیٰ درجہ علم دین میں رکھتا تھا۔ مردوں کے علاوہ عورتوں میں بھی حافظاتِ قرآن کی کافی جماعت ہر جگہ موجود تھی۔ ازواج مطہراتؓ میں سب کی سب لکھنا پڑھنا جان گئی تھیں اور سب کی سب پورے قرآن کی حافظہ تھیں اس لئے کہ ان کو تو خاص طور سے تلاوت اور حفظ قرآن کا حکم تھا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط اور تم لوگ یاد کرتی رہو آیات اللہ اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے گھروں میں تلاوت ہوتی رہتی ہیں (احزاب ع۴ پ ۲۲) اور ہر ایک کے پاس کتابی صورت میں پورا قرآن لکھا ہوا موجود تھا۔ صحابہؓ میں کاتبین کی ایک بڑی جماعت تھی جو قرآن لکھا کرتی تھی۔ بعض صحابہؓ کتابتِ قرآن پر اجرت بھی لیتے تھے جس کی ان کو اجازت

---

[۱] وَاذْكُرْنَ فرمایا گیا وَاسْتَمِعْنَ نہیں کہا تاکہ یہ معلوم ہو کہ صرف زبانی یاد کر لینا ہی تمہارا فریضہ نہیں ہے بلکہ یاد ہونے سے پہلے جس طرح تم پڑھتی رہیں یہاں تک کہ پورا قرآن

صفحہ ۱۶۱ پر

تھی عـ۵ - ان براہین قاطعہ کے باوجود کیا اس کا گمان بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع نہیں ہوا تھا اور حضرت عمرؓ کے مشورے سے حضرت ابوبکرؓ ایک اتنے بڑے اہم کام پر آمادہ ہوتے تھے جس میں خود ان کو جھجک تھی اور انہوں نے صرف زید بن ثابتؓ کو بلا بھیجا اور اتنا بڑا اہم ترین کام صرف انہیں کے سپرد کر دیا ؟ اور دوسرے کسی صحابیؓ سے مشورہ تک نہ کیا ؟ ابی بن کعبؓ ، معاذ بن جبلؓ ، عبداللہ بن مسعودؓ اور سالم بن معقل مولے ابی حذیفہؓ جن سے قرآن سیکھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہا کرتے تھے ان کو بھی نہ بلوایا اور مشورہ جمع قرآن میں شریک نہ کیا؟

صرف انصار کیوں ؟ ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد نبویؐ میں صرف چار پانچ انصاری صحابیوں کے قرآن جمع کرنے کی روایت اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم کہ قرآن ان چار شخصوں سے سیکھو - ان میں چار تو خالص انصار ہی ہیں صرف ایک مہاجر ہیں تو وہ بھی ایرانی الاصل ، ایک قریشی کے غلام آزاد کردہ جن کی مادری زبان بھی عربی نہ تھی ؟ آخر مہاجرین کے جمع قرآن کا ذکر کیوں نہ کیا ؟ ان کو تو انصار سے زیادہ قرآن سیکھنے کا موقع ملا - تیرہ سال ہجرت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے . آغاز نزول ہی سے قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے تھے لکھنے کا رواج بھی پہلے ہی سے تھا - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تحصیل علم اس قدر تھا کہ اس کو فرض قرار دیا - قرآن نے وَعَلَّمَ بِالْقَلَمِ کہہ کر بتا دیا کہ علم قلم یعنی کتابت ہی کے ذریعے آ سکتا ہے - اس لئے یقیناً تمام مہاجرین فریضہ تحصیل علم بذریعہ قلم ہی

صہ ۱۵۹ سے - تمہیں یاد ہو گیا تو یاد کر لینا ہی صرف مقصود نہیں ہے بلکہ اب برابر زبانی بھی اور کتاب دیکھ کر بھی پڑھتی ہی رہا کرو - یہی کو دیہی تمہاری ڈیوٹی ہے - یہ مفہوم واذکرن ہی سے نکل سکتا ہے اسی لئے وَاقْرَأْنَ یا وَاتْلِيْنَ نہیں کہا گیا۔

عـ۵ یہ حدیث صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے - دیکھو تیسیر الوصول جلد ۲ صـ ۲۶۳

میں منہمک ہوں گے اور سب نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ہوگا۔ ہر صحابی کتابتِ قرآن میں مصروف ہوگا۔ جیسے جیسے قرآن اترتا جاتا ہوگا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق لکھتے جاتے ہوں گے اور حفظ کرتے جاتے ہوں گے جس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ ابھی انتالیس آدمی ہی مسلمان ہوتے تھے کہ ایک مصحف لئے ہوتے حضرت خباب بن الارتؓ حضرت سعید بن زیدؓ (حضرت عمرؓ کے چچیرے بھائی اور اپنے بہنوئی اور اپنے سالے) اور حضرت فاطمہؓ بنت الخطاب (حضرت عمرؓ کی بہن) کے یہاں آیا کرتے تھے اور قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت سعیدؓ اور ان کی بیوی فاطمہؓ دونوں ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ایک بار خبر پاکر حضرت عمرؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے آئے تو حضرت عمرؓ نے اپنے بہنوئی اور بہن کو قرآن مصحف میں پڑھتے دیکھا۔ حضرت عمرؓ نے تشدد کیا اور کسی قدر مار پیٹ کی۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ تم مار ڈالو جب بھی ہم لوگ اس دین سے نہیں پھر سکتے۔ آخر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اچھا لاؤ، ذرا ہم دیکھیں کہ وہ کیا چیز ہے جس پر تمہارا ایسا ایمان ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ تم کافر ہو، ناپاک ہو، تمہاری طہارت کا بھی اعتبار نہیں۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ٥ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی بھی نہیں چھو سکتا۔ تم غسل کرلو تو ہم یہ کتاب تمہیں دیں۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور کتاب لے کر سورہ طٰہٰ پڑھنے لگے۔ جب لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى پر پہنچے تو بولے "کیا اچھا اور پاکیزہ کلام ہے" پھر سورۂ تکویر پڑھنے لگے جب علمت نفس ما احضرت پر پہنچے تو پھر وہی کلمے دہراتے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پہلے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے متاثر ہوتے۔ پھر سورہ حدید پڑھنے لگے تو سبح للہ ما فی السمٰوٰت والارض سے شروع کیا اور فاٰمنوا باللہ ورسولہ پر پہنچے تو بے اختیار بول اٹھے اشھد ان لا الٰہ الا

حاشیہ ۱؎: خباب کی وفات استیعاب میں ابن عبدالبرؒ ۳۷ھ لکھتے ہیں اور عمر ۶۳ سال۔ خباب کو سابقون الاولون میں المہاجرین بھی لکھتے ہیں اور بہت سابق الاسلام مانتے ہیں مگر اس حساب سے یہ حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت بہت کم سن ٹھہرتے ہیں۔ اس لئے ذہن پر جو دوسرا قول استیعاب میں کہا ہے کہ ان کی وفات [illegible] میں عمرؓ ہی کے زمانہ حکومت میں ہوئی اور عمرؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

اللہ واشہد ان محمد الرسول اللہ (روض الانف جلد ۱ ص۲۱۴ سے ص۲۱۵)
مگر عموماً سورہ حدید کو مدنی بتایا جاتا ہے اور یہ بھی کہ باعتبار تعداد چورانواں سورہ ہے اس لئے ممکن ہے کہ آغاز سورہ کی سات آیتیں آغاز زمانہ اسلام ہی میں اتری ہوں جیسا کہ مضمون آیات سے بھی اس کا قرینہ معلوم ہوتا ہے ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دوسری روایت موضوع اور غلط ہے۔ (تمنا عفرلہ)۔ بہرحال یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ آغاز اسلام ہی میں مسلمان صحابہ اور صحابیات میں لکھنے پڑھنے کا رواج شروع ہو گیا تھا اور اسی وقت سے قرآن مصحف کی شکل میں کتابی صورت میں صحابہؓ لکھ لکھ کر جمع کر رہے تھے اور ہجرت سے قبل مہاجرین نے قرآن کی وہ سب سورتیں اور آیات جن کا نزول مکہ میں ہو چکا تھا کتابی صورت میں لکھ لکھ کر اپنے اپنے پاس رکھ لی تھیں اور وہ سب مصاحف ہجرت کے موقع پر اپنے اپنے ساتھ لائے تھے انصار میں بھی جو لوگ ہجرت سے پہلے دونوں عقبوں کے موقع پر مکہ جا جا کر ایمان لاتے گئے تھے وہ بھی کتابی صورت ہی میں قرآن ضرور مکہ سے اپنے ساتھ لائے تھے اس لئے کہ محض چند دنوں میں وہ تمام مکی سورتوں کو جن کی تعداد ۸۶ کہی جاتی ہے کس طرح یاد کر لیتے اور پھر گھر آ کر عورتوں بچوں کو کس طرح تعلیم دیتے۔ ہجرت سے پہلے انصار میں کتابت کے جاننے والے بہت زیادہ تھے۔ سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو اسید بن حضیر، رافع بن مالک وغیرہم ماہرین کتابت تھے اور زمانہ جاہلیت سے کتابت جانتے تھے۔ ان میں بعض شریک عقبہ بھی تھے اس لئے ضرور قرآن مکہ سے لکھ کر لائے ہوں گے اور خود اس میں یاد کرتے ہوں گے اور اپنے بچوں اور عورتوں کو قرآن کی تعلیم اسی میں دیتے ہوں گے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو بعض کمسن لڑکے پیش کئے گئے کہ انہوں نے اتنی سورتیں یاد کر لی ہیں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور یہ سب قرآن کے بغیر کتابی شکل میں لائے ہوئے بہت دشوار تھا۔

۱؎ یہ واقعہ ۶ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ (الفاروق ص۱۰ حصہ اول)

مکہ مکرمہ میں بھی پڑھے لکھے بہت زیادہ لوگ تھے اور مدینہ طیبہ میں بھی۔
میں نے ان کی فہرست مختصر سی اپنی کتاب "اعجاز القرآن" میں درج کی ہے مگر
اس کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ بدر میں جو لوگ مالی فدیہ ادا نہیں کر
سکتے تھے ان سے فدیہ میں انصار کے لڑکوں کو کتابت کی تعلیم کا کام لیا گیا۔ مگر اس سے
یہ سمجھنا کہ مدینے کے لوگ کتابت نہیں جانتے تھے، مکے کے قیدیوں ہی سے کتابت
سیکھ کر اس سے واقف ہوتے، تاریخ سے بے خبری کی دلیل ہے۔ مدینے کے لوگ
مکے والوں سے کم کتابت کے ماہر نہ تھے مگر مطلب یہ تھا کہ انصار کے یہ لڑکے قریش
کے رسم الخط سے واقف ہو جائیں۔ قریشی مہاجرین کے ساتھ رہنے سے قریشی زبان اور
محاورۂ لغت سے واقفیت ہو گئی ہی، قریشیوں سے کتابت سیکھ کر قریشی رسم الخط
اور املا سے بھی آگاہ ہو جائیں گے۔ پھر ان کو قرآن کی تلاوت و کتابت اور حفظ میں
قریشیوں ہی کی طرح سہولت ہو گی اور پھر ان نادار قیدیوں کو ادائے فدیہ میں بھی آسانی ہو گی۔
مگر یہ سوال پھر فردہ باقی رہتا ہے کہ جب مہاجرین انصار کے اعتبار سے بہت
پہلے سے قرآن یاد کر رہے تھے اور ہر ایک کے پاس مصحف میں قرآن لکھا ہوا بھی موجود
تھا پھر قرآن ان کی مادری زبان میں اترا تھا انہیں کے محاورے اور لغات کے مطابق
قرآنی عبارتیں تھیں اور یہ سب باتیں انصار کو میسّر نہ تھیں پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ خذوا القرآن من اربعۃ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو عبداللہ بن مسعودؓ سے، سالم (مولےٰ بن حذیفہؓ) سے، معاذ بن جبلؓ سے اور ابی بن کعبؓ سے (بخاری)

(۱) سالمؓ اگرچہ مہاجر تھے مگر عجمی ایرانی الاصل تھے۔ حضرت ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابوحذیفہؓ کی بیوی انصاریہ تھیں اور یہ دراصل اِنھیں کے موالی میں سے تھے۔ ان کو انہیں نے حضرت ابوحذیفہؓ سے کہہ کر آزاد کر دیا تھا۔ اس لئے انصار سے بھی بحیثیت ایک انصاریہ کے ایک غلام آزاد کردہ ہونے کے ان کے تعلقات تھے اور پھر حضرت حذیفہؓ نے ان کی آزادی کے بعد ان کو متبنیٰ کر کے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا اور انھیں کے ساتھ یہ رہے اس لئے مہاجرین میں ایک مہاجر بھی تھے۔ غرض یہ ایرانی الاصل تھے اس لئے ایک عجمی تھے۔ مگر انصاریوں میں انصاری اور مہاجرین میں ایک مہاجر بھی تھے۔ چونکہ ایک قریشی کے ساتھ سالہا سال رہے اس لئے قریش کی زبان، قریش کے لغات و محاورات سے قریش کے رسم الخط اور املا سے پوری طرح واقف تھے۔

(۲) عبداللہ بن مسعودؓ بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ یہ ہذلی کہے جاتے ہیں۔ ان کی والدہ بھی ان کی ہم نسب ہذلیہ تھیں۔ حضرت ام عبد انصاریہ میں نے یہ سلسلہ نسب استیعاب سے نقل کیا ہے۔ مگر نہایت الارب فی معرفۃ انساب العرب میں "ہذیل بن مدرکہ بن الیاس" خزیمہ کے نام کو حذف کر کے لکھا ہے اور اسی طرح ابن خلدون میں بھی ہے۔ ابن خلدون میں خزیمہ کو ہذیل کا بھائی بتایا ہے خزیمہ ان کے نزدیک مدرکہ کے بیٹے ہیں اور کنانہ کے باپ۔ اور کنانہ سے قریش کا سلسلۂ نسب چلتا ہے یعنی ہذیل کے بھتیجے سے۔ غرض بنی ہذیل قریشیوں کے ہم جد تھے۔ بہرحال قریش ہذیل دونوں بنی مضر ہیں، ہم جد ہیں۔ اسی لئے عبداللہ بن مسعودؓ کے

تعلقات قریشیوں سے بہت تھے اور یہ قریش کی زبان، محاورے اور لغات سے پوری طرح واقف تھے۔ قریشی رسم الخط اور املا خوب جانتے تھے۔ اگرچہ انصاری تھے چونکہ ان کی ننہال انصاریوں میں تھی۔

۳۔ معاذ بن جبلؓ بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن اوی بن سعد بن علی بن اسد بن ساردہ بن تزید بن خشم بن الخزرج۔ انصار کے مشہور قبیلہ بنی خزرج سے تھے۔

۴۔ ابی بن کعبؓ بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار وہو تیم الارت بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج الاکبر المعاوی الجدیلی، بنو معاویہ کو بنو جدیلہ کہا کرتے تھے۔

معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعب دونوں قریش کے حلیف تھے اور دونوں کے دیرینہ تعلقات قریش[1] سے تھے۔

۵۔ زید[2] بن ثابت بن الضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد عوف بن غنم بن

---

[1]: مدینے کے دو قبیلے اوس اور خزرج بہت بڑے بڑے قبیلے اور بہت ممتاز تھے۔ ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۹۔ کان بینھم و بین قریش اخاءٌ قدیمٌ وصھرٌ یعنی قریش اور اوس و خزرج کے درمیان پرانا بھائی چارہ اور شادی بیاہ کے تعلقات تھے۔ اس لئے ان قبائل کے بہتیرے افراد کو قریشی لغات و محاورات اور رسم الخطؒ و املا پر کافی عبور تھا۔

[2]: زید بن ثابتؓ کے بارے میں استیعاب جلد ۱ ص ۱۸۹ میں ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سریانی زبان سیکھنے اور لکھنے کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے حکم دیا تو انہوں نے بیس دن سے کم مدت میں زبان اور رسم الخط دونوں سیکھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو خطوط سریانی زبان میں آتے تھے ان کو پڑھ کر ترجمہ کرتے تھے۔

ص ۱۶۶ پر

مالک بن النجار۔ ان کی والدہ نوار بنت مالک بن معاویہ بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار تھیں۔ یہ دادیھال ننھیال ہر طرف سے نجاری تھے۔

۶۔ ابو زید بن النضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج بن الحارثہ۔ یہ بھی نجاری تھی اور جتنے نجاری ہیں سب خزرجی ہیں۔

یہ ابوزید حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ لاولد تھے۔ اس لئے حضرت انسؓ ہی ان کے وارث ہوئے۔

۷۔ ابو درداء۔ ان کا نام عویمر تھا۔ عویمر بن عامر بن مالک بن زید بن قیس بعضوں نے لکھا ہے۔ عویمر بن قیس بن زید بن امیہ۔ بعضوں نے عویمر بن عبداللہ بن زید بن قیس بن ربیعہ بن عامر بن عدی بن کعب بن الخزرج بن الحارث بن الخزرج لکھا ہے۔ ابو درداء کا نام بعضوں نے عامر بن مالک بتایا ہے اور لکھا ہے عویمر لقب تھا۔ ان کی ماں محبتہ بنت واقد بن عمرو بن الاطنابہ تھیں۔ یہ بھی خزرجی ہی تھے جن کے برادرانہ تعلقات قریشیوں سے تھے۔

تعلیم قرآن کے متعلق ان پہلے چار شخصوں کو تمام مہاجرین و انصار میں سے

---

۱۶۵ سے۔ اور جو جواب بتایا جاتا تھا اس کو سریانی زبان میں لکھا کرتے تھے بعضوں نے سریانی زبان اور رسم الخط کے عوض عبرانی زبان اور رسم الخط لکھا ہے اور یہ زیادہ قرین عقل ہے اس لئے کہ عبرانی زبان ہی عربی زبان کی اصل ہے اس لئے عربی اور عبرانی زبان اور رسم الخط میں تھوڑا سا فرق ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ان کو تو سریانی یا عبرانی سیکھنے کو کہا مگر دوسرے عام صحابہ کو اپنی مادری عربی زبان کی کتابت سیکھنے کا حکم تو کجا، مشورہ تک نہ دیا؟ حاشا وکلا! آپ نے ضرور ہر شخص کو کتابت سیکھنے کی تاکید فرمائی جبکہ طلب علم کو ہر زن و مرد پر فرض بتایا اور علم بغیر کتابت کے نہیں آسکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے چنا کہ ان میں ایک اگرچہ عجمی الاصل تھے لیکن وہ مہاجرین میں مہاجر اور انصاریوں میں انصاری تھے۔ مگر قریشیوں کے ساتھ ہمیشہ رہنے کی وجہ سے لغات ومحاورات اور رسم الخط اور املائے قریش سے پوری طرح واقف تھے۔

انصاریوں میں سے تین صحابہ کو منتخب کیا اور تینوں خزرجی، بنی خزرج عموماً اور خاص کر ان تینوں کے تعلقات قریشیوں سے بہت زیادہ تھے۔ لغات ومحاورات اور رسم الخط واملائے قریش سے یہ تینوں پوری طرح باخبر تھے۔ زبان ان کی بالکل قریشیوں ہی کی طرح تھی۔ قرآن بالکل اسی لب ولہجہ سے پڑھتے تھے۔ تاریخ ابن خلدون جلد دوم، حصہ اول صفحہ ۲۹ میں ہے (اوس وخزرج کے ذکر کے بعد) وکان بینهم وبین قریش اخاء قدیم وصهر یعنی خزرج واوس مدینے کے دونوں قبیلوں اور قریش کے درمیان پرانا بھائی چارہ اور شادی بیاہ کا تعلق تھا مگر اوس سے زیادہ خزرج سے یہ تعلقات تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کی نانی قریشیہ، حارث بن زہرہ بن کلاب القرشی کی بیٹی تھیں اور یہ خود ہذیلی تھے اور ہذیل اور قریش دونوں مضر ہی کی دو شاخیں ہیں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ خزاعی تھے اور بنی خزاعہ مکی الاصل تھے مکہ سے منتقل ہونے کے بعد بھی قریش کے حلیف رہے اور نسب کے اعتبار سے بنی خزاعہ بھی مضری ہی تھے جیسا کہ نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب صفحہ ۲۰۵ میں لکھا ہے۔ اس لئے یہ بھی لغات ومحاورات اور رسم الخط واملائے قریش سے اچھی طرح واقف تھے اور قریشیوں ہی کے لب ولہجہ میں پڑھتے تھے۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر قریشی صحابہ کی تحریص وترغیب کے خیال سے غیر قریشی ہی چار ایسے آدمیوں کو منتخب کیا جو باوجود غیر قریشی ہونے کے قریشی لغات ومحاورات سے پوری طرح واقف تھے اور قریشی لب ولہجہ بھی رکھتے

تھے اور قرآن بالکل قریشیوں ہی کی طرح پڑھتے تھے تاکہ ان سے دوسرے غیر قریشی صحابہؓ بھی قرآن سیکھ کر قریشی لغات و محاورات اور قریشی لب و لہجہ سیکھنے میں دشواری محسوس نہ کریں اور سمجھیں کہ جب یہ غیر قریشی ہونے کے باوجود قریشیوں کی طرح قرآن سمجھتے اور پڑھتے ہیں تو پھر ان کی طرح سیکھ کر ہم بھی قریشیوں کی طرح سمجھ سکتے اور پڑھ سکتے ہیں۔ اگر انصاریوں کو قریشیوں یا مہاجرین مکی الاصل سے قرآن سیکھنے کے لئے کہا جاتا تو یہ بات نہ ہوتی اور انصاری کہہ سکتے تھے کہ ان کا مادری لب و لہجہ ہم کہاں سے لا سکتے ہیں۔ ہم سے اس طرح تلفظ ادا نہ ہو سکے گا مگر جب دیکھیں گے کہ یہ لوگ بھی تو انصاری ہی ہیں، غیر قریشی ہی ہیں اور ایک تو عجمی الاصل ہیں۔ جب ان لوگوں سے قریشی لب و لہجہ اتر سکتا ہے تو پھر ہمارے لئے یہ کیوں دشوار رہوگا۔ ہم بھی کوشش کریں۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کی تعلیم بہ اعتبار تلفظ و لہجہ اور بہ اعتبار رسم الخط و املا اور بہ اعتبار لغات و محاورات کی ضرورت اہل مکہ اور قریشیوں کو نہ تھی کیونکہ ان کی تو زبان ہی میں قرآن اترا تھا۔ اس کی اگر ضرورت تھی تو کسی قدر ان انصار کو جن کے تعلقات مکہ اور قریشیوں سے نہیں رہے تھے یا آفاقی صحابہؓ کو۔ اسی لئے مہاجرین کیلئے نہ معلم مقرر کرنے کی ضرورت تھی، نہ مہاجرین کو معلم مقرر کرنا مقتضائے مصلحت تھا۔ اسی لئے ان چار صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریوں اور آفاقیوں کے لئے قرآن کا معلم مقرر فرمایا اور انہیں انصاریوں اور آفاقیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس کو قرآن اسی طرح پڑھنا ہو جس طرح اترا ہے وہ عبداللہ بن مسعودؓ کے پڑھنے کے مطابق پڑھے یعنی انہیں کا لب و لہجہ اتارے یعنی وہ بالکل قریش ہی کے لب و لہجہ سے ادا کرتے ہیں اور قرآن قریش ہی کی زبان میں اترا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا کوئی قریشی بھی ان کے برابر نہیں پڑھ سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریوں کی سہولت کے خیال سے ایک صحیح پڑھنے والے انصاری ہی کا نام بتا دیا۔

جمع قرآن : باقی رہیں جمع قرآن والی دو روایتیں جو حضرت انسؓ سے بخاری میں مروی ہیں کہ جن لوگوں نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن جمع کیا وہ سب انصاری ہی تھے۔ ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابو زیدؓ دوسری روایت میں انس بن مالکؓ ہی سے وہیں یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے اور چار آدمیوں کے سوا کسی نے قرآن جمع نہیں کیا۔ ۱۔ ابو درداءؓ، ۲۔ معاذ بن جبلؓ، ۳۔ زید بن ثابتؓ اور ابو زیدؓ۔ اور ابو زیدؓ نے جو جمع کیا تھا اُس کے وارث ہم ہوئے۔ پہلی روایت ہمام بن یحییٰ بن دینار الازدی العوذی ابری بجی سے ہے جو کسی ازدی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ بذات خود تو لوگ ان کو ثقہ اور سچا لکھتے ہیں مگر حافظہ ان کا خراب تھا۔ اس لئے یحییٰ بن سعید ان کی حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے۔ ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ یہ غلطی کر جاتے تھے۔ ابو حاتم نے بھی ان کے حافظہ کی شکایت کی ہے۔ ابو بکر ابری بجی نے ان کو لَا یُحْتَجُّ بِہٖ یعنی ناقابل استناد کہا ہے اور قتادہ تو پرانے حاطب اللیل، مشہور مدلس، مرسل، روایت کرنے کے خوگر اور قدریہ مذہب کے داعی تھے معلوم نہیں اس روایت میں قتادہ کی تدلیس کا کہاں تک دخل ہے اور ہمام کے ضعف حافظہ کا کہاں تک اثر ہے ؟ اور یہ تو آپ یہیں پر خود دیکھ رہے ہیں کہ دونوں روایتیں حضرت انسؓ ہی سے متعلق ہیں مگر دوسری روایت پہلی روایت کی صاف تردید کر رہی ہے کیونکہ دوسری روایت میں حصر کے ساتھ ہے کہ ابو درداؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابو زیدؓ کے سوا کسی نے حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن جمع ہی نہیں کیا مگر پہلی روایت میں ابو درداؓ کا نام ہی نہیں۔ ان کے عوض معاذ بن جبلؓ کا نام ہے دوسری روایت معاذ بن جبلؓ کے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن جمع کرنے سے انکار کر رہی ہے۔

اور دوسری روایت عبداللہ بن المثنیٰ سے ہے جو اللہ رکھے 'ضعیف الحدیث'،

منکرالحدیث وغیرہ سب کچھ ہیں۔ پھر اس روایت کا کیا کہنا ہے اس لئے یہ حدیث تو ضرور یا تو سرے سے موضوع ہے یا کتربیونت کرکے دونوں حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ یہ بالکل خلافِ عقل ہے کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنے مہاجرین میں سے کسی نے بھی قرآن جمع نہ کیا ہو۔ جن کو ابتدائے نزول سے ۱۳ برس تک انصار سے پہلے دن رات کا واسطہ رہا۔ ان میں سے کسی نے بھی قرآن جمع نہ کیا؟ اور صرف انصار ان میں سے بھی فقط چار یا پانچ ہی سہی، یا پانچ نے جمع کیا؟ اگر واقعی حضرت انسؓ نے کہا ہوگا تو یہ کہا ہوگا کہ قبیلہ بنی اوس کے مقابلے میں بنی خزرج میں سے ان چار نے سب سے پہلے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن جمع کیا ورنہ صحاح ہی کی روایت سے اور متعدد صحابہؓ کا عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن کا جمع کرلینا ثابت ہے۔ خود حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے فرمایا تھا کہ جس نے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے قرآن جمع کیا وہ میں تھا۔ دیکھیے تاریخ الخلفاء ترجمہ حضرت عثمانؓ۔ اس لئے حضرت انسؓ کی وجہ سے ان روایتوں کا اعتبار کرنا درحقیقت صحابہؓ کی قرآنی خدمات اور ان کے قرآنی انہماک سے انکار اور تمام صحابہؓ پر ظلم ہے۔

کتابُ[1] الامام یا کتاب الام، اسطوانۂ مصحف کا ذکر: کتابتِ وحی کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی ایک شخصِ معیّن کے سپرد نہیں کیا تھا بلکہ مہاجرینؓ و انصارؓ جیسے معتمد و معتبر لوگوں میں سے جو شخص بھی وقت پر موجود رہا، اس سے آپ اس وقت کی نازل شدہ آیات کو اس کتاب میں جس کا نام امام اور ام تھا جو پہلے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بننے کے بعد اس کے ایک ستون کے پاس ایک صندوق میں محفوظ رہتی تھی، لکھوا دیا کرتے تھے اس لئے اس ستون کو "اسطوانۂ مصحف" کہتے تھے۔ اسی ستون کے پاس بیٹھ کر صحابہ قرآن یاد کیا کرتے تھے اور کتاب الامام سے قرآن اپنے اپنے مصحفوں میں نقل کیا کرتے تھے جیسا کہ خود زید بن ثابتؓ ہی سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ کنا عند رسول اللہ صلی

---

[1] یہ کتاب الامام ۶۴ھ بعد مروان بن حکم نے قصداً ضائع کروا دی کہ منافقین اس میں تحریف کرکے عوام کو گمراہ نہ کریں اور جو قرآن کتابی شکل میں

اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع۔ یعنی زید بن ثابتؓ فرماتے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بیٹھ کر) رقعوں سے یعنی اوراق سے قرآن جمع کیا کرتے تھے (مستدرک حاکم و اتقان جلد ۱ صفحہ ۵۸ اور فتح الباری)۔ غرض اسی ستون کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر صحابہؓ کتاب الام سے اپنے اپنے مصاحف نقل کر کے جمع کیا کرتے تھے۔

جب منافقین کی ریشہ دوانیاں بڑھیں تو ان کے دست برد سے بچانے کے لیے وہ صندوق مسجد سے اٹھا کر ام المومنین حضرت حفصہؓ کے یہاں بھیج دیا گیا اور مصحف الامام اس وقت سے حضرت حفصہؓ کی زندگی تک برابر حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔

تو جب کوئی تازہ وحی نازل ہوتی تو پہلے زمانہ میں اسطوانہ کے پاس سے صندوق نکال کر اور بعد کو حضرت حفصہؓ کے یہاں سے کتاب الام منگوا کر اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے سامنے حاضر الوقت کاتب وحی سے اس نازل شدہ وحی کو لکھوا دیتے تھے۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اگر ایک ہی کاتب ہوتا تو اس کی صحت کی ذمہ داری صرف اسی ایک شخص پر ہوتی۔ دوسرے کو خبر نہ ہوتی کہ کیا لکھوایا گیا اور لکھنے والے نے کیا لکھا۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب متعدد لکھنے والے تھے تو ہر لکھنے والے نے پہلے کی لکھی ہوئی آیت پر بھی نظر ڈال لی اور پڑھ لیا، اوپر کی چند آیات ہی سہی، کہ پہلے شخص نے کیا لکھا ہے۔ صرف لکھا ہوا تو ہوتا نہ تھا بلکہ جو لکھا جاتا تھا اس کو پھر ہر شخص تک پہنچا بھی دیا جاتا تھا اور پھر

۱؎ : کیونکہ امہات المومنین میں فن کتابت کی سب سے زیادہ ماہر حضرت حفصہؓ تھیں۔ انہوں نے حضرت شفاؓ سے باقاعدہ فن کتابت کی تعلیم حاصل کی تھی جیسا کہ کتب احادیث و سیر میں موجود ہے اور جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ طاہر

ہر شخص اس کو یاد بھی کر لیتا تھا اور ہر شخص اپنی کتاب میں نقل بھی کر لیتا تھا جو آیت نازل ہوئی یا جو سورہ نازل ہوئی اس کو ایک کاتبِ وحی نے سب سے پہلے تو اس کتاب الامام میں لکھ دیا پھر ہر شخص نے کسی پرزے، لکڑی، ہڈی، ٹھیکری یا چھال پر یعنی اس وقت جو چیز اس کو ایسی میسر آئی جس پر لکھ سکے اس پر لکھ لیا اور پھر گھر آکر اپنی کتاب میں اس نے نقل کر لیا مگر وہ پرزہ یا لکڑی یا ہڈی یا ٹھیکری یا چھال جس پر وہ لکھ کر لایا تھا اس کو بھی اس نے ضائع نہ کیا بلکہ کسی مٹکے یا دوسرے ظرف میں یا کسی کپڑے میں لپیٹ کر محفوظ رکھ لیا کہ آخر اس پر قرآن کی آیت لکھی ہوئی ہے ضائع اور پامال نہ ہو سکے

یہ وہ شے ہے لکھا جاتا ہے جس پر نام اس گل کا

اٹھا لے آدمی گر راہ میں پائے پڑا کاغذ

غرض کتاب الامام میں جس وقت جو نئی نازل شدہ آیت لکھی گئی وہ نقل در نقل ہو کر تمام صحابہؓ تک جلد از جلد پہنچ گئی اور پھر ہر شخص کے سینے اور سفینے دونوں ہی میں محفوظ کر لی گئی۔ یہ بات روایت صحیحہ سے ثابت ہے کہ جو آیت اترتی تھی اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے والے سے وہیں پر لکھوانے تھے جو اس کا محل ہوتا تھا یعنی لکھنے کے وقت بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد لکھو جیسا کہ صحیح حدیثوں میں موجود ہے۔ اس لئے کتاب الامام کی طرح ہر شخص کے صحیفے میں ہر نئی آیت آپ کی ہدایت کے مطابق اپنے محل پر ہی لکھی جاتی تھی اور پھر اسی کے مطابق لوگ یاد بھی کر لیتے تھے۔ چونکہ کتابت اور حفظ دونوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری تھا اور کتابت و حفظ کے بعد ہر شخص اپنے مصحف میں تلاوت روزانہ کا بھی پابند تھا[1] اس لئے اعراب اور نقطے کتابت میں رکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یعلمون جہاں بصیغۂ جمع غائب ہے وہاں باوجود نقطے نہ ہونے کے "ی" ہی کے ساتھ پڑھا جاتا تھا اور جہاں بصیغۂ جمع حاضر ہے

---

[1] صفحہ ۱۷۳ پر ملاحظہ فرمائیے۔

وہاں باوجود نقطے نہ ہونے کے "ت" ہی کے ساتھ پڑھا جاتا تھا اس لئے کہ ہر لکھنے والے نے خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی ماہر قرآن صحابی سے سن کر ہی لکھا تھا اور زبانی تلقین کے مطابق حفظ بھی کر لیا تھا۔ کتاب دیکھ کر پڑھنے کی تاکید[1] اسی لئے تھی کہ لوگ بسبب حفظ کے کتاب سے مستغنی تھے اور زبانی ہی پڑھنے پر اکتفا کرتے تھے۔

کتاب اللہ دیکھ کر پڑھنے کا حکم اور تاکید

کتاب دیکھ کر پڑھنے سے دونا ثواب پانے کی بشارت سن کر بہ اُمیدِ ثواب ضرور کتاب دیکھ کر پڑھتے تھے مگر ہر چند نظر تو کتاب کی سطروں پر دوڑتی تھی لیکن زبان سے وہی نکلتا تھا جو زبانی یاد تھا چنانچہ اس وقت بھی حفاظ قرآن سامنے کھلا رکھ کر پڑھتے ہیں اور ہر مسلمان ان سورتوں کو جو اس کو یاد ہیں جب قرآن دیکھ کر پڑھتا ہے تو اسی طرح پڑھتا ہے۔

غلطی کتابت سے کوئی حافظ غلط نہیں پڑھ سکتا بلکہ غلطی کی تصحیح کرلے گا

اگر کسی کتاب میں کاتب کی غلطی سے نقطے یا اعراب غلط بھی لگے ہوں، کوئی حرف یا لفظ چھوٹ بھی گیا ہو تو عموماً اس پر نظر نہیں پڑھتی، اپنی یاد کے مطابق حافظ صحیح ہی پڑھ جاتا ہے۔ کبھی غلطی کتابت پر نظر پڑ گئی تو فوراً قلم لے کر اس غلطی کی تصحیح کر لیتا ہے بعض وقت ایسا بھی ممکن ہے کہ جس لفظ پر نظر پڑی وہاں رک گیا

---

[1] حدیث میں وارد ہے اعطوا اعینکم حظها من القرآن یعنی قرآن میں جو تمہاری آنکھوں کا حصہ ہے وہ ان کو دیا کرو یعنی مصحف دیکھ کر پڑھا کرو اور مشکوٰۃ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قراءۃ الرجل فی غیر المصحف الف درجة وقرءته فی المصحف تضعف علی الفی درجة یعنی قرآن غیر مصحف میں (زبانی) پڑھنا ہزار گنا ثواب کا درجہ رکھتا ہے اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنا دوگنا ہو کر دو ہزار گنا ثواب کا درجہ رکھتا ہے (مشکوٰۃ باب فضائل القرآن ص۱۸۱)

اور جو لکھا ہوا دیکھ رہا ہے اس کے متعلق مشتبہ ہوا کہ جو لکھا ہوا ہے وہ صحیح ہے یا جو مجھ کو یاد ہے وہ صحیح ہے۔ ایسے وقت میں وہ کسی دوسرے نسخے یا کسی دوسرے حافظ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس نسخے کی یا اپنی یاد کی تصحیح کر لیتا ہے۔ اس دورِ اوّل میں اگر نقطے یا اعراب مصاحف میں نہیں تھے تو اس کی وجہ سے پڑھنے والوں میں کسی طرح کا بھی اختلاف ممکن نہ تھا۔ ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ **یعلمون** کو کوئی **تعلمون** یا **یَحْسَبُوْنَ** کو کوئی **یَحْسِنُوْنَ** پڑھ دے۔ اس لئے کہ قرآن کا اصل تعلق زبانی تلقین سے تھا نہ کہ کتابت سے۔ اور زبانی تلقین کا آخری سلسلہ ہر پڑھنے والے کا خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تک منتہی ہوتا تھا اور وہ تلقین صرف ایک ہی بار نہیں ہوتی تھی بلکہ صحابہ کرامؓ بار بار نمازوں میں تو ضرور اور نمازوں سے باہر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی سورتیں سنا کرتے تھے اس لئے زبانی تلقین پر تلقین ہوتی رہتی تھی۔ پھر صحابہؓ بھی آپس میں دَور کیا کرتے تھے۔ ہر سال ماہ رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور پورے قرآن کا دَور کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں یہ روایت[1] موجود ہے۔ اس لئے ضرور پورے قرآن کا دور ہوتا تھا اور اسی بنا پر نازل

---

[1]: باب کان جبرئیل یعرض القرآن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال مسروق عن عائشۃ عن فاطمۃ اسرالی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان جبرئیل یعارضنی بالقرآن کل سنۃ وانہ عارضنی العام مرتین ولا اراہ الا حضر اجلی یعنی بخاری کتاب الواب فضائل القرآن میں ایک باب ص ۱۷۵ پ ۲

شدہ آیات کا محل و مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتب وحی کو بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد لکھو۔ اگرچہ بعض روایتوں میں یہ بھی وارد ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تھے تو وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورہ کی ہے۔ اس کو فلاں آیت کے بعد لکھوائیے مگر یہ محض برسبیل احتیاط و از قبیل یاد دہانی تھا۔ یہ ناممکن تھا

---

۱۷۴ ہے۔ ہی منتقل ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ اس باب میں یہ حدیث ہے کہ مسروق حضرت ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے راز کے طور سے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام ہر سال ایک بار مجھ سے قرآن کا دور کرتے تھے مگر امسال انہوں نے دو بار مجھ سے قرآن کا دور کیا۔ اس سے میں اور تو کچھ نہیں سمجھتا بجز اس کے کہ میرا وقت آ گیا۔ اور مشکوٰۃ باب الاعتکاف میں ہے (۱۷۵)

عن ابن عباس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اجود الناس بالخير وكان اجود ما يكون فى رمضان. كان جبرئيل يلقاه كل ليلة فى رمضان يعرض عليه النبى صلى الله عليه وسلم القرآن فاذا لقيه جبرئيل كان اجود من الريح المرسلة (متفق عليه) وعن ابى هريرة قال كان يعرض على النبى صلى الله عليه وسلم القرآن كل عام مرة فعرض عليه مرتين فى العام الذى قبض وكان يعتكف كل عام عشرا فاعتكف عشرين فى العام الذى قبض رواه البخارى يعنى عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی میں سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں تو اور بھی زیادہ

۱۷۵ پر

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور خود جس آیت کو جس سورہ میں جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مناسب سمجھتے بکھوا دیتے۔ آخر جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور ہوتا تھا تو اس میں آیات کی اور پھر سورتوں کی کوئی ترتیب تو ضرور ہوتی تھی تو یقیناً اسی ترتیب کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات اور سورتوں کو لکھوایا۔

ھ ۱۷۵ سے۔

سخی ہو جاتے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن سناتے تھے تو جب آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام آتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھائی میں اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ تیز ہوتے تھے۔ یہ حدیث متفقہ علیہ ہے اور ابو ہریرہ رضی سے مروی ہے کہ ہر سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن پیش کیا جاتا تھا (یعنی جبرئیل ع پڑھ کر سناتے تھے) ایک بار مگر جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس سال دو دور ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال (رمضان میں) دس دن اعتکاف فرماتے تھے مگر جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی بیس دن اعتکاف فرمایا

یہ حدیث بخاری میں ہے۔

ملے : اگر ترتیبِ نزول کی عند اللہ و عند الرسول کوئی اہمیت ہوتی تو یقیناً ترتیبِ نزول کے مطابق ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو لکھواتے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس کی ضرورت نہ پڑتی کہ آیات کا محل و مقام آ آ کر بتاتے اور اللہ تعالیٰ حسب وعدۂ قرآنی ترتیب نزول کے مطابق ہی قرآن کو جمع کراتا اور اس کو محفوظ رکھتا۔ اگر ترتیبِ نزول کے مطابق ترتیب جمع و تدوین مناسب ہوتی تو اس میں دشواری کیا تھی۔ آسانی تو اسی میں تھی کہ جیسے جیسے سورتیں، آیتیں اترتی جاتیں آپ لکھواتے

ھ ۱۷۷ پر

ترتیب نزول کی پُرفریب اہمیت

اس میں کونسی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آتی اور خواہ مخواہ ترتیب نزول کا نام لے کر اس کی ایک غلط روایت بیان کر کے ترتیب توقیفی حضرت جبرئیلؑ کی قرأت کے مطابق حسب حکم فاذا قرأنٰہ فاتبع

صنٰہ[۱] سے ۔ جاتے اور لوگ لکھتے جاتے مگر چونکہ ترتیبِ نزول کے مطابق جمع و تدوین منشائے الٰہی کے مطابق نہ تھی اس لئے لوحِ محفوظ کی ترتیب کے مطابق جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دَور فرمایا کرتے تھے اور جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام بتاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق جمع و تدوین رکھی اور اسی کے مطابق تلاوت و حفظ اور کتابت و قرأت کا سلسلہ قائم رہا۔

[۱]: استیعاب جلد ۱ ص ۲۴۳ میں بضمن ترجمہ حضرت امیرالمومنین اعظم صدیق اکبرؓ مذکور ہے کہ خلف بن قاسم عبداللہ بن عمر سے، وہ احمد بن محمد بن الحجاج سے، وہ یحیٰی بن سلیمان سے، وہ اسمٰعیل بن علیہ سے، وہ ایوب السختیانی سے اور وہ محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ ابن سیرین نے کہا کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر سب لوگوں نے بیعت کر لی تو حضرت علیؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں دیر کی اور گھر میں بیٹھے رہے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کے پاس کسی کو بھیج کر پوچھوایا کہ کس بات نے آپ کو روک رکھا؟ کیا آپ میرے امیر منتخب کیے جانے کو ناپسند کرتے ہیں؟ تو حضرت علیؓ نے کہلوا بھیجا کہ میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا بجز نماز کے لئے، جب تک میں قرآن جمع نہ کر لوں۔ ابن سیرین نے کہا کہ حضرت علیؓ نے لکھا ترتیبِ نزول کے مطابق۔ اگر یہ کتاب مل جاتی تو اس میں بہت سا علم مل جاتا۔ اسی حدیث کے پہلے راوی خلف بن قاسم بالکل مجہول ہیں۔ دوسرے صاحب کون ہیں اس کا بھی پتہ نہیں

بقیہ ۱۷۸ پر

قرآنہ موجودہ ترتیب آیات اور سورتوں کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ ہے اور عہدِ نبوی سے آج تک بے مثل تواتر کے ساتھ قائم ہے ایسی قطعی چیز کی اہمیت گھٹائی جاتی ہے۔ افسوس۔ واللہ المستعان علیٰ ما یصفون۔

ص ۱۷۷ سے

اس نام کے متعدد راوی ہیں۔ باقی رہے تیسرے احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدینی بن سعد ابوجعفر المصری ابن حجر لکھتے ہیں قال ابن عدی کذبوہ وانکرت علیہ اشیاء محدثین نے ان کو جھوٹا قرار دیا ہے اور ان کی بعض حدیثوں سے انکار کیا ہے اس کے بعد ومن اباطیلہ (ان کی باطل حدیثوں میں سے) کہہ کر بعض حدیث نقل کی ہے، ۲۹۲ھ میں مرے۔ علامہ فہمونی نے کہا کہ ان کے باپ، دادا، پردادا سب ضعیف الحدیث تھے۔ ان کے شیخ احمد بن صالح بھی ان کو کذاب کہتے تھے۔ (لسان المیزان جلد اوّل ص ۲۵۷) یہ روایت اتقان جلد اول ص ۵۰ میں ہے۔ ہودہ خلیفہ سے اور وہ عوف سے، وہ ابن سیرین سے مگر ہودہ بن خلیفہ منکر الحدیث اور غیر ثقہ تھے اور عون نام کا کوئی شخص ایسا نہیں جو ابن سیرین سے روایت کرتا ہو اس لئے یہ طریق روایت بھی ناقابلِ اعتبار ہی ہے اور تقیہ کی علامت "ق" بھی ان کے نام کے بعد موجود ہے۔ دیکھ لیجیے کتب رجال شیعہ۔

اسمعیل بن علیہ سے حدیثوں کی روایت نہیں ہے۔ البتہ ان کے صاحبزادے ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہ سے روایت ہے مگر ابن حجر لسان المیزان میں ان کو جہمی، خبیث، ملعون لکھتے ہیں اور ان کو کوئی ثقہ نہیں لکھتا۔ اپنے باپ سے صرف یہی تنہا روایت کرتے ہیں اور یس اور ایوب السختیانی سے ابن علیہ تو ضرور روایت کرتے ہیں مگر ابن علیہ تو ابراہیم ہی کو کہتے ہیں جیسا کہ لسان المیزان جلد ۶ ص ۲۸۵ میں لکھا ہے "ابناہ" کی تفصیل اور کوئی بھی "ابن علیہ" نہیں کہا جاتا اسی

ص ۱۷۹ پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توقیف کے مطابق آیات اور سورتوں کی ترتیب قائم کر کے مصحف الامام میں لکھواتے تھے : باقی رہی وہ روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاتبِ وحی کو فرماتے تھے کہ فلاں سورہ میں ایسی جگہ لگا دو جہاں پر اس اس قسم کی آیتیں ہوں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کاتب وحی کو مجاز بنا دیتے تھے تھوڑا سا اشارہ بتاکر، اور وہ اس اشارے کے مطابق اپنی سمجھ سے اس آیت کے لیے کسی سورہ میں ایک جگہ متعین کر لیا کرتا تھا۔ . . . . محض افترا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ دونوں پر بہتان ہے جس کی شہادت بزبانِ حال خود اس روایت کی نشستِ الفاظ دے رہی ہے۔

عوف اعرابی رافضی شیطان تھا اس کے علاوہ اس حدیث کا راوی عوف اعرابی ہے جس کو ابن حجر نے تہذیب التہذیب جلد ۸ ص۱۶۷ میں کان قد ریا رافضیا شیطانا لکھا ہے۔ یہ روایت ترمذی جلد ۲ ص۱۳۲ اور ص۱۴۷ سے ہے۔

۱؎ اسمٰعیل بن علیہ کا ذکر نہ تہذیب التہذیب میں ہے، نہ لسان المیزان میں، نہ تقریب میں نہ میزان الاعتدال میں محمد بن سیرین کی ولادت حضرت عثمانؓ کی شہادت سے دو برس پہلے ہوئی۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو دیکھا نہ حضرت ابوبکرؓ کو۔ یہ واقعہ حضرت ابوبکرؓ کی ابتدائے خلافت کا۔ آخر کس سے سُنا ؟ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۲۱۵ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے جب دو برس رہ گئے تھے تو یہ پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ درحقیقت یہ روایت احمد بن یحییٰ الحجاج یا یحییٰ بن سلیمان کی من گھڑت ہے۔ اسی روایت کی بنیاد پر لوگ حضرت علیؓ کے جمع قرآن مطابق ترتیب نزول کا ڈھول پیٹا کرتے ہیں جو دراصل حضرت علیؓ پر مخالفتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مخالفتِ جبرئیل علیہ بلکہ مخالفتِ منشائے الٰہی کا بہتان ہے معاذ اللہ من ذالک۔

مسند احمد جلد ۱ ص۵۹ میں ہے دیکھ لیجیۓ اور عوف اعرابی کی جسارت اور محدثین کی سادہ لوحی دیکھ کر عبرت حاصل کیجیۓ۔ مسند امام احمد جلد ۴ ص۲۱۸، حدیث عثمان بن العاص کے آخر میں ایک اور روایت موجود ہے جس کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیہ کو فلاں سورت میں فلاں جگہ پر رکھو۔ مختصر کنز العمال جلد ۲ ص۴۱ میں بھی ہے کہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں فلاں جگہ رکھو اور ظاہر ہے کہ سورہ نام ہی ہے مجموعۂ آیات کا اور آیت نام ہے مجموعۂ کلمات کا۔ قرآن میں آیت اور سورہ دونوں کا ذکر موجود ہے۔ جس چیز کا نام موجود ہے یقیناً اس کا مسمّٰی بھی ضرور موجود ہے۔ کفار سے کہا جاتا ہے کہ ایسی دس سورتیں بھی بنا کر لاؤ اور ایک سورہ کے متعلق بھی کہا گیا ہے۔ اگر سورتوں کی، آیات کی کوئی ترتیب ہی نہ تھی تو سورتوں کا وجود کہاں سے آیا؟ جس اللہ نے جس فرشتے کی معرفت قرآن مجید نازل فرمایا۔ اسی اللہ نے اسی فرشتے کی معرفت آیات کی ترتیب اور سورتوں کی تحدید ضرور بتا دی اور جب جو سورہ مکمل ہو گیا تو اس کی تکمیل کی اطلاع بھی ضرور دے دی۔ یہ حدیث جو عثمان بن العاص سے مروی ہے یہ بھی ضرور ناقص ہے۔ کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ پہلے اتر چکی تھی اور معلق تھی نہ یہ معلوم تھا کہ یہ کس سورہ کا جزو ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیران تھے کہ اس کو کہاں رکھیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل خالی الذہن تھے کہ اچانک غیر متوقع طور سے جبرئیل علیہ السلام نے آکر اس کا محل بتا دیا حالانکہ یہ بالکل خلافِ عقل ہے۔ جو آیت جس وقت اتری اُسی وقت اس کا موقع و محل بتا دیا گیا اور اسی وقت وہ آیت اپنے محل پر لکھوا دی گئی اور جو بتایا بھی گیا وہ محض مبنی بر احتیاط تھا۔ ہر حال جبرئیل علیہ السلام جو آکر آپ کے ساتھ

قرآن کا دور کیا کرتے تھے اس وجہ سے آپ کو خود ہر آیت کا موقع و محل معلوم تھا اور پورا قرآن آپ کو حفظ ہو گیا تھا۔

زید بن ثابتؓ کی کتابتِ وحی میں کوئی خصوصیت نہ تھی: اتنی تصریح سے یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ زید بن ثابتؓ کی کوئی خصوصیت نہ تھی کہ جمع قرآن جیسے اہم کام کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ صرف انہیں کو دوسرے کاتبینِ وحی میں سے منتخب فرماتے اور بالفرض اگر کوئی خصوصیت ان کے نزدیک تھی بھی جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ زید بن ثابتؓ اس وقت موجود تھے جبکہ آخری مرتبہ حضرت

زید بن ثابتؓ کی عرضۂ آخیرہ میں شرکت: جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دور کر رہے تھے۔ اگرچہ یہ خلافِ عقل ہے اور ہرگز کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں مگر بالفرض مان بھی لیا جائے تو اتنا بڑا اہم کام ہرگز ہرگز تنہا زید بن ثابتؓ کے ذمے چپکے سے حضرت ابوبکرؓ سپرد نہیں کر سکتے تھے یقیناً اس کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ تمام مہاجرینؓ اور انصارؓ کو مدعو کرتے اور حسبِ معمول خطبہ دیتے۔ جس میں حمد و ثنا کے بعد اس مہم پر ہر شخص کی رائے طلب کرتے اور ہر وہ شخص جس کو قرآن کا کچھ حصہ بھی یاد ہو یا کوئی حصہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا ہوا ہو، سب کے بلوانے کے لئے نفیرِ عام کرتے۔ متعدد لکھنے والے ہوتے اور ایک ایسا معتمد علیہ شخص تمام زبانی اور تحریری شہادتیں لے لے کر املا کراتا جو آغازِ نزولِ وحی سے قرآن کی ایک ایک سورۃ اور ایک ایک آیت سے واقف تھا اور باقی دوسرے لوگ جو علمِ قرآن میں اس

ا: متاخرین نے بخاری کی اس روایت میں یہ خامی محسوس کی اور پھر نئی نئی روایتیں بنا بنا کر اور بعضوں نے بطور شرح اپنی طرف سے لکھ لکھ کر نفیرِ عام وغیرہ کا ذکر کیا ہے مگر متاخرین کی یہ ترمیم اس حدیث کے نقص کا اور بھی ببانگِ دہل اعلان کر رہی ہے۔

کے ہم پلہ تھے، اس کے شریکِ املا ہوتے، دیکھتے اور سنتے رہتے اور اس طرح یہ کام اہلِ علم صحابہؓ کے مجمع میں پورے حزم و احتیاط کے ساتھ ہوتا یہ سلسلہ یقیناً مہینوں تک جاری رہتا نہ یہ کہ حضرت عمرؓ

زید بن ثابتؓ نے واقعۂ جمع قرآن عبید بن سباق کے سوا اور کسی سے کبھی بیان نہیں کیا۔

نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا اور حضرت ابوبکرؓ نے صرف حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا کر چپکے سے کہہ سن کر آمادہ کر لیا اور بس اسی دن یا دوسرے دن پورا قرآن جمع ہو گیا جس کی خبر زید بن ثابتؓ کے سوا کسی اور کو نہ ہو سکی۔ اور پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے کبھی اس واقعہ جمع قرآن کا ذکر بھی کسی سے نہیں کیا۔ اِنَّ ھٰذَا مِنْ اَعَاجِیْبِ الزَّمَنْ زید بن ثابتؓ بھی اپنی پوری زندگی میں اس واقعۂ جمعِ صدیقی کو کسی شخص سے بھی نہیں کہتے ہیں۔ اگر کہتے ہیں تو صرف عبید بن السباق سے جو ان کی وفات کے کئی برس بعد پیدا ہونے والا ہے یا شاید ان کی وفات کے وقت صرف دو برس کا تھا۔ زید بن ثابتؓ کے بیٹے خارجہؓ، ان کو خبر ہے تو صرف نقل مصاحف بعہد عثمانی کی یا شاید اس کی بھی نہیں کیونکہ یہ تو صرف آیت احزاب کی گمشدگی و بازیابی کا ذکر کرتے ہیں جو مشتبہ ہے۔ نہ معلوم جمع صدیقی کے وقت یا نقل مصاحف بعہد عثمانی کے وقت۔ حضرت انس بن مالکؓ بھی جانتے ہیں تو اسی نقل مصاحف بعہد عثمانی کو مگر ان کو کسی آیت کے بھی گم ہونے اور کسی کے پاس ملنے کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ جمع قرآن بعہد صدیقی کی اطلاع ان لوگوں کو بھی معلوم ہوتی نظر نہیں آتی ورنہ یہ لوگ عبید بن السباق سے زیادہ حقدار تھے کہ اس کی روایت کرتے۔

انس بن مالک خادم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع صدیقی کی کوئی خبر نہ تھی:

انس بن مالکؓ تو خود ایک انصاری صحابی تھے۔ زید بن ثابتؓ سے عمر میں یہ صرف ایک ہی برس تو چھوٹے تھے۔ وہ جمع قرآن بعہد صدیقی میں شریک ہوں گے

اگر املاء و کتابت میں شریک نہ ہوں گے تو شہادت زبانی و تحریری تو ضرور ہو گی اس کے کیا معنی ہیں کہ نقل مصاحف بعہد عثمانی کی تو یہ روایت کرتے ہیں مگر جو اس سے زیادہ اہم واقعہ جمع قرآن بعہد صدیقی کا تھا اس کا مطلق ذکر کسی سے بھی نہیں کرتے۔ نقل مصاحف والی روایت میں کہتے ہیں کہ "حضرت عثمانؓ نے حضرت ام المومنین حفصہؓ کے پاس کسی کو بھیجا کہ آپ صحیفے بھیج دیجئے۔ ہم لوگ مصاحف میں ان کو لکھ لیں گے اور پھر یہ صحیفے آپ کے پاس واپس کر دیں گے" مگر اس کا مطلق ذکر نہیں کرتے کہ وہ صحیفے جو حضرت ام المومنین حفصہؓ کے پاس تھے وہ کیسے تھے اور کب کے لکھے ہوئے تھے جیسے یہ کوئی مشہور بات تھی۔ سارے مسلمان اس سے واقف تھے۔

انس بن مالک کو اس کی مطلق خبر نہ تھی کہ حضرت حفصہؓ کے پاس جو صحیفے ہیں وہ کیسے ہیں

اگر یہ کہا جائے کہ جمع صدیقی کے واقعے سے سب لوگ واقف تھے اور ان صحف صدیقی کے حضرت حفصہؓ کے پاس ہر پھر کر چلے آنے کی خبر سب کو معلوم تھی اس لئے اس عہد عثمانی کے نقل مصاحف والی روایت کے موقع پر اس کی تصریح نہ کی کہ وہ صحیفے جو حضرت حفصہؓ کے پاس تھے، کیسے تھے اور کب کے لکھے ہوئے تھے تو یہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ حضرت عثمانؓ کے وقت جمع صدیقی کی روایت بنی ہی نہ تھی کہ ان کو اس کی اطلاع ہوتی۔ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صرف زید بن ثابتؓ کو چپکے چپکے جمع قرآن کا کام انجام دینے کو کہا اور وہ چپکے چپکے انجام دیتے رہے۔ من صدور الرجال یعنی لوگوں کو جو قرآن یاد تھا وہ بھی ایک ایک سے پوچھتے تھے تو معلوم نہیں ان لوگوں کو اس کی اطلاع بھی دیتے تھے یا نہیں کہ ہم کس لئے پوچھ رہے ہیں اور تختی اور ٹھیکری وغیرہ پر بقول راوی جو کچھ لوگوں کے پاس آیتیں تھیں وہ بھی جو ان سے لے لے کر لاتے تھے تو کیا کہہ کر ان سے لیتے تھے یہ بھی اللہ کو معلوم، اس لئے کہ زید بن ثابتؓ کے سوا کسی سے بھی جمع صدیقی کی روایت نہیں ملتی۔ تنہا زید جو خود جامع قرآن تھے وہی اس کی روایت کرتے ہیں وہ بھی ایک ایسے شخص سے جو ان کی وفات کے وقت زیادہ

سے زیادہ دو برس کا تھا اور وہ بھی تنہا ہی اس کی روایت کرتا ہے تو صرف زہری ہے۔

جمع صدیقی کی روایت پوری رازداری کے ساتھ سو برس تک وحدانی سلسلے سے سینہ بسینہ ہوتی رہی [۱] جو روایت اس رازداری کے ساتھ تقریباً سو برس تک سینہ بسینہ بالکل وحدانی سلسلے کے ساتھ چلی آ رہی ہو اس کی خبر بے چارے حضرت عثمانؓ کو کیا ہو سکتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے صرف حضرت ابوبکرؓ سے کہا، حضرت ابوبکرؓ نے صرف زید بن ثابتؓ سے کہا۔ زید بن ثابتؓ نے صرف ایک دو برس کے بچے عبید بن السباق سے کہا۔ عبید بن السباق نے صرف زہری سے کہا۔ البتہ زہری نے ایک صدی کے بعد پردۂ کتمان کو چاک تو کیا لیکن اپنے سینکڑوں شاگردوں میں سے صرف یونس، شعیب، ابراہیم اور عبدالرحمٰن بن خالد چار ہی قابل وثوق اور معتمد علیہ تلامذہ کو اس نے ایسے راز کا ہمراز بنایا جو سو برس کے وحدانی سلسلے سے ایک ہی ایک شخص کے سینے میں پوشیدہ چلا آ رہا تھا۔ ان چاروں کے بھی زہری کے سوا بیسیوں شیوخ تھے مگر کسی نے بھی اپنے کسی دوسرے شیخ سے اس کے متعلق کچھ نہ پوچھا کہ ہم نے جمع قرآن کے متعلق استاد زہری سے ایسا سنا ہے، آپ کو اس کی کچھ خبر ہے؟ صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ کو بلانے کیلئے جس کو بھیجا تھا اس کا نام مصلحتاً نہیں بتایا گیا : اس روایت میں غالباً کسی مصلحت کی بنا پر نہیں بتایا گیا ہے کہ کس کو حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ کے پاس بھیجا تھا بہرحال آگے چلیے۔ زہری سے عبید بن السباق کہتے ہیں کہ زید بن ثابتؓ سے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میرے پاس عمرؓ نے آ کے کہا کہ یمامہ کے دن حفاظ قرآن کے قتل کا بازار بہت گرم رہا اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر حفاظ کے قتل کا بازار اسی طرح مختلف مقامات پر گرم رہا تو قرآن کے بہت سے حصے جاتے رہیں گے۔" اس عبارت میں فیذهب کثیر من القرآن "تو قرآن کے بہت سے حصے جاتے رہیں گے" کا فقرہ صاف بتا رہا ہے کہ حفاظ قرآن میں پورے قرآن کا کوئی حافظ نہ تھا بلکہ مختلف آیتوں اور سورتوں کے

مختلف لوگ حافظ تھے۔ ان میں کتنے ایسے تھے جو بعض آیتوں یا سورتوں کے حفظ میں منفرد تھے یعنی جو حصہ ایک کو یاد تھا وہ دوسرے کو نہیں اور جو دوسرے کو یاد تھا وہ تیسرے کو نہیں۔ کیونکہ ایسی حالت میں حفاظ کے قتل سے قرآن کے بہت سے حصوں کے چلے جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے چنانچہ اسی مفہوم کی تائید میں ایک روایت

اتقان و کنز العمال کی ایک جھوٹی روایت جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن کے بعض حصے غائب ہو گئے

بنائی گئی ہے جس کو ابن ابی داؤد کی کتاب سے سیوطی نے اتقان میں نقل کیا ہے[1]۔ حضرت عمرؓ نے کسی آیت کے بارے میں (جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے) کسی سے پوچھا تو ان سے جواب میں کہا گیا کہ وہ آیت فلاں کے ساتھ (یعنی فلاں کو یاد) تھی جو یمامہ کے دن شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون (اسی واقعے سے ان کو ہوش ہوا) اور جمع قرآن کا حکم (یعنی مشورہ حضرت ابوبکرؓ کو) دیا تو گویا یہی سب سے پہلے جامع قرآن ہیں مصحفوں میں "یعنی باعث جمع قرآن یہی ہیں۔ غرض اس عبارت کی یہ ہے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ جب تو ضرور قرآن کے کچھ حصے غائب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ قرآن کا جو وعدہ کیا ہے وہ قرآن کے بعض حصوں کے متعلق پورا نہ ہو سکا۔ معاذ اللہ من ذالک

صحابہؓ کی کثرتِ تعداد : حقیقت یہ ہے کہ صحابہؓ کی اتنی کثیر تعداد بفضلہٖ تعالیٰ تھی کہ کہا جاتا ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ صحابہؓ تھے اور یقیناً بوڑھے، بیمار، عورتیں اور معذور صحابہؓ جو حجۃ الوداع میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ ان کی تعداد بھی مذکورہ تعداد سے کم نہ ہوگی اور یہ بھی ہم لکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم کی ترغیب و تاکید تعلیم و تعلم قرآن پر اور تلاوت و

---

[1] : یہ روایت کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۸۰ میں بھی موجود ہے اور اتقان مطبوعہ احمدی صفحہ ۸۲ کے آخر میں بھی۔

قرأت کی مزاولت کا حکم اور ہر مسلم مرد و عورت پر فرضیتِ تحصیل علم کا عام اعلان پر اعلان اور پھر عام طور سے صحابہؓ کا قرآنِ پاک کے ساتھ شغف، یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ شاید ہی کوئی ایسا کم نصیب صحابی ہو جس نے دو ڈھائی سال بھی شرفِ صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رکھنے کے باوجود پورا قرآن وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک حفظ نہ کر لیا ہو اور چونکہ تحصیلِ علم ہر مرد و عورت پر فرض تھا اور کتاب دیکھ کر پڑھنے کی تاکید اور دوگنا ثواب کی بشارت تھی اس لئے کم و بیش ہر شخص نے ضرور لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا ہوگا اور ہر ایک کے پاس کتابی صورت میں قرآن مجید موجود ہوگا جس میں وہ کتاب دیکھ کر پڑھتے ہوں گے۔ ایک جنگِ یمامہ نہیں پچاس یمامہ جیسی جنگوں میں بھی اگر ستر ستر حفاظ شہید ہوں تو قرآن کے ایک ایک حرف بلکہ ایک نقطے کے بھی چلے جانے کے خطرے کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ پورے قرآن کے ہزاروں حافظ موجود تھے۔ ہزاروں نسخے پورے قرآن کے لکھے ہوئے گھر گھر میں موجود تھے۔ ان ستر حفاظ کی شہادت سے قرآن کیوں چلا جانے لگا؟

ایسا کام جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا : اور آگے چلئے متنِ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سے حضرت عمرؓ نے اور پھر جب حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ سے کہا تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے اور زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ "ایسا کام کس طرح کرو گے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔" سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ علیہ وسلم نے قرآن نہیں لکھوایا تھا؟ پھر حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ سے یہ کیوں کہا کہ "تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے" وہ وحی کیا تھی؟ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی تھا؟

کاغذ کا فقدان : کہا جاتا ہے کہ اس وقت کاغذ یا کاغذ کی طرح کی کوئی چیز نہ تھی جس پر کتاب کی صورت میں قرآن لکھا جاتا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہڈی چھال، کھال، تختی، پتھر اور ٹھیکری وغیرہ پر قرآن لکھواتے تھے اور لکھنے پڑھنے کا

اس وقت عام عرب اور مکہ و مدینہ میں بھی رواج ہی بہت کم تھا۔ صرف چند گنتی کے آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ کتابی صورت میں قرآن نہیں لکھوایا تھا اور حضرت ابوبکرؓ کتابی صورت میں لکھنے کے لئے زید بن ثابتؓ سے کہہ رہے تھے اور ان سے پہلے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا تھا اس لئے یہ کہا گیا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ تم کس طرح کرو گے؟ تو یہ بالکل غلط اور جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ صرف اسی جھوٹی حدیث کی بنا پر یہ محض خلافِ واقعہ مشہور کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کتابی صورت میں نہیں لکھوایا تھا بلکہ ہڈی، کھال، چھال، تختی، پتھر اور ٹھیکری وغیرہ پر لکھوایا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ چونکہ اس وقت عرب میں کاغذ نہیں ملتا تھا۔ معلوم نہیں ایسا سفید جھوٹ کس طرح بیچ اور بالکل صحیح سمجھ لیا گیا ہے کہ ساری اسلامی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے اور ہر مصنف اس کو دہرائے جاتا ہے۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ آخر عرب میں بعثت سے پہلے پہلے اہل کتاب رہتے تھے ان کے پاس ان کی کتابیں تھیں اور لوگ اپنے ہاتھوں سے لکھ لکھ کر لوگوں میں پھیلاتے تھے

قرآنی شہادت : یکتبون الکتاب بایدیھم : جس کی شہادت قرآن ہی میں موجود ہے۔ آخر تورات و انجیل اور زبور کس چیز پر لکھی جاتی تھی اور وہ جو خود لکھتے تھے وہ کس چیز پر لکھتے تھے۔ سو سو اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو شعروں کے قصائد جو لکھ لکھ کر شعراء خانۂ کعبہ سے لگاتے تھے وہ کس چیز پر لکھتے تھے اور جب سارا عرب، سوائے چند ایک کے ان پڑھ ہی تھا تو کس کے لئے یہ قصائد لکھے جاتے تھے؟ اور اہل کتاب جو اپنے ہاتھ سے لکھ لکھ کر شائع کرتے تھے وہ کس کے لئے؟ اور کس چیز پر؟

تفسیر کبیر سے ایک شہادت : تفسیر کبیر جلد ۵ صہ ۵۲۶ میں حرمت علیکم المیتۃ والدم (الآخر) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل

عرب کا یہ دستور تھا کہ جب سفر یا جنگ یا تجارت یا نکاح یا کسی دوسرے اہم کام کا ارادہ کرتے تھے تو تیر مارتے تھے اور بعض پر لکھ دیتے تھے "اَمَرَنِی رَبِّی" مجھ کو میرے رب نے حکم دیا۔ بعض پر لکھ دیتے تھے نَهَانِی رَبِّی۔ مجھے میرے رب نے منع کیا اور بعض کو خالی سادہ چھوڑ دیتے تھے۔ تو اگر حکم والا تیر نکلا تو سمجھتے کہ کام کرنا چاہیئے۔ ممانعت والا تیر نکلے تو سمجھتے کہ کام نہیں کرنا چاہیئے اور سادہ تیر نکلا تو پھر دوبارہ یہی عمل شروع کرتے تھے تو "استقسام بالازلام" کے معنی یہ ہیں کہ خیر و شر کا پتہ کس طریقے سے لگایا جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج کافی تھا کیونکہ اس قسم کی ضرورت ہر شخص کو پڑتی تھی اور تاریخی ثبوت اس زمانے میں کاغذ کے وجود کا بہت زیادہ ملتا ہے۔ صلح نامے جتنے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ سے ہوئے یا اور قبائل کے آپس میں، سب کاغذ ہی پر لکھے گئے۔ جتنے خطوط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جس کے پاس بھیجے، سب کاغذ ہی پر لکھے گئے۔ غرض تورات و انجیل لکھنے کے لئے اہل کتاب کی ضرورتوں کے لئے معاہدات اور قصائد لکھنے کے لئے، خطوط لکھنے کے لئے، ہر کام کے لئے کاغذ ملتا تھا، اگر نہیں ملتا تھا تو صرف قرآن لکھنے کے لئے۔

زید بن ثابتؓ کا اقرار : ایک طرف تو بخاری کی یہ روایت ہے دوسری طرف خود زید بن ثابتؓ ہی کا یہ اقرار موجود ہے کہ وہ فرماتے تھے کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع یعنی زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر رقعوں سے قرآن جمع کیا کرتے تھے۔ اسی حدیث کو حاکم نے مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۱۱ میں جلال الدین سیوطیؒ نے اتقان جلد ۱ صفحہ ۱ میں اور ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے اور سب نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرطوں کے مطابق ہے اور صحیح ہے۔ ذہبیؒ نے بھی تلخیص مستدرک میں حاکم

ط : ص ۱۸۹ پر

ebooks.i360.pk

کی تائید کی ہے تو پھر زید بن ثابتؓ اور ان کے رفقائے کار رقعوں یعنی رَق کے اوراق سے کس چیز پر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن نقل کیا کرتے تھے؟ اس حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ کسی لکھنے والے یا چند لکھنے والوں نے پہلے غیر شیرازہ بند غیر مجلد اوراق پر قرآن لکھا تھا۔ زید بن ثابتؓ اور دوسرے صحابہؓ ان اوراق پر سے کسی شیرازہ بند کتاب ہی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر قرآن نقل کیا کرتے تھے اور غالباً نہیں بلکہ یقیناً نقل کر کرکے ہر صحابی اپنے گھر اپنا نسخہ لے جاتا تھا جب ہی تو ہر صحابیؓ کے پاس لکھا ہوا قرآن

صفحہ ۱۵۸ سے۔
یہ حدیث اس واقعے کو بتا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو کتاب الامام رَقِّ مَنْشُور کے رقاع یعنی اوراق پر لکھا جاتا تھا ان رقاع سے ہر لکھا پڑھا صحابی اپنے اور اپنے اہل وعیال کے پڑھنے کے لئے قرآن نقل کر کرکے لے جایا کرتا تھا۔ جب کوئی وحی آتی، سب سے پہلے کتاب الامام میں لکھی گئی اس کے بعد صحابہ اس کتاب الامام کے اوراق سے اپنے اپنے لئے لکھ لکھ کر لے جایا کرتے تھے۔ اسی مضمون کو زید بن ثابتؓ خود جمع متکلم ماضی استمراری کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر رقاع سے قرآن جمع کیا کرتے تھے تو اتنی احتیاط ملحوظ رہتی تھی کہ اس نقل کے کام کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر ہی انجام دیا جاتا تھا۔ صحابہؓ کا تو قرآن کے ساتھ اس قدر محتاط معاملہ تھا۔ مگر ان راویانِ احادیث موضوعہ نے کس طرح صحابہؓ کو بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ کو قرآن کی طرف سے بے پروا ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ صحیح حدیثوں کو بھی یا تو غلط عنوان بیان سے روایت کیا یا اگر کسی قدر صحیح الفاظ ہے تو انہیں موضوع روایتوں کی بناء پر محدثین نے ان صحیح جملوں کے بھی غلط معنی لیئے جیسا کہ اس زیر بحث حدیث کے ساتھ ہوا۔

کتابی صورت میں موجود تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو کتاب دیکھ کر پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے اور سفر میں کتاب ساتھ لے جانے سے منع فرماتے تھے اور وہ اوراق (رقاع) رقِ منشور کے تھے جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن لکھواتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بعض فقرائے صحابہؓ

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اُجرت پر کام کرنے والے کاتبین مصاحف

جو کتابت کے فن اور قریشی رسم الخط و املا کی مہارت رکھتے تھے۔ کتابتِ قرآن کا کام کرتے تھے اور اس کی اُجرت سے بسر اوقات کرتے تھے۔ بعض لوگوں کو اس کمائی کے حلال ہونے پر شبہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ مسئلہ پیش ہوا جس پر آپ نے فرمایا احق ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ تعالیٰ یعنی جن کاموں پر تم اجرت لیا کرتے ہو ان میں اجرت لینے کی زیادہ حقدار چیز کتاب اللہ کی کتابت ہے۔ اس حدیث کو ابن عباسؓ سے امام بخاری ہی نے روایت کیا ہے۔ (تیسیر الوصول جلد ۱ صفحہ ۲۹۳) صاحبِ تیسیر الوصول اسی حدیث کو لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے کتابتِ مصحف کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کاتبین مصاحف تو مصوّر ہیں (یعنی پہلے لکھے ہوئے حروف کی تصویر اتارتے ہیں یا تلفظ و آواز کے لئے جو صورتیں مقرر کی گئی ہیں ان صورتوں کو اتارتے ہیں) وہ لوگ تو اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے ہیں۔ خیر یہ تو ابن عباسؓ کا قول ہے۔ بخاری کی روایت میں تو خاص رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ٥

زید بن ثابت کے وجوہ انتخاب پر بحث

بخاری کی جمع قرآن والی اس قسم کی حدیثوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ایک اور بات قابلِ توجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ کو اس کام کے لئے جو منتخب کیا تو اس کی چار وجہیں بیان فرمائیں جن میں سے نمبر ۱ جوان ہونا۔ نمبر ۲۔ عاقل ہونا۔ نمبر ۳۔ غیر متہم ہونا۔ غور فرمائیے کہ یہ تین باتیں کیا

زید بن ثابتؓ کے لئے وجہ ترجیح ہو سکتی ہیں؟ کیا انس بن مالکؓ وغیرہ صحابیوں میں یہ تین باتیں اسی حد تک نہ تھیں جو زید بن ثابتؓ میں تھیں؟ باقی رہی چوتھی وجہ یعنی کاتب وحی ہونا تو ان سے کہیں زیادہ مدت تک اور کہیں زیادہ حصہ قرآن لکھنے والے دوسرے صحابہؓ موجود تھے جو آغاز نزول سے کاتب وحی رہے تھے اور تمام صفات میں زید سے افضل تھے۔ اس صفت میں بھی زید کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جو شخص آغازِ نزول سے آخر تک تمام آیات و سورتوں اور ان کے مواقع نزول وغیرہ سے واقف ہو، پورا قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا چکا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن چکا ہو جس کا حفظِ قرآن مسلّم ہو اور قوی الحافظہ ہو، اوقاف وخواتم وفواصل آیات سے پوری طرح باخبر ہو پھر زبانِ قریش پر اس کو عبور ہو کیونکہ قرآن زبانِ قریش میں اترا ہے اور قریش کے رسم الخط وطریقِ املا میں جس کو مہارتِ تامہ ہو اور خطاطی وخوشخطی میں بھی کمال حاصل ہو تو ان میں سے تو ایک بات کو بھی زید بن ثابتؓ میں ثابت نہیں کیا گیا اور دوسرے کاتبینِ وحی متعدد ایسے تھے جن میں یہ سب باتیں یقیناً زید بن ثابتؓ سے زیادہ تھیں مگر افسوس کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کو منتخب تو کہاں تک کرتے، زید بن ثابتؓ کا کسی کو شریکِ مشورہ تک نہیں بنایا۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ ہی کے لکھے ہوئے صحیفوں کی نقل کرنے کے لئے تو زید بن ثابتؓ کے ساتھ

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے زیدؓ پر بھروسہ کر لیا
مگر حضرت عثمانؓ نے زیدؓ پر بھروسہ نہ کیا

عبداللہ بن زبیرؓ، سعیدؓ بن العاص اور عبدالرحمان بن الحارث بن ہشام تین قریشی کاتبوں کو یہ کہتے ہوئے ساتھ لگا دیا کہ جہاں زیدؓ سے اختلاف ہو تو زید کی بات نہ ماننا کیونکہ وہ قریشی نہیں ہیں اور تم لوگ قریشی ہو۔ قریش ہی کی زبان اور رسم الخط کا اتباع کرنا اور بالکل آغاز کار ہیں ایک غیر قریشی کے سپرد سارا کام جمع آیات اور سورتوں کا حضرت ابوبکرؓ کر دیتے ہیں، ایک عجیب وغریب بات ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی اور کو بھی زید کا شریک کار بنا دیا تھا جیسا کہ صحاح سے باہر کی بعض روایتوں میں یہ اضافہ کرکے اصلاح کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ بخاری کی روایت اس کی متحمل نہیں : واضح رہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ راوی نے صرف زید بن ثابتؓ کا نام بیان کیا ہے مگر حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ کے ساتھ دوسرے کاتبینِ وحی حافظینِ قرآن کو بھی ضرور زید بن ثابتؓ کا شریک و معاون بنایا ہوگا اور زید بن ثابتؓ نے ہرگز تنہا یہ کام محض اپنی ذمہ داری پر نہیں کیا ہوگا بلکہ دوسروں کی مدد و معاونت بھی ضرور ان کے ساتھ ہوگی۔ بعض متاخرین نے پانی مرتا دیکھ کر ایسی روایتیں بنائی ہیں مگر بخاری کے پرستار ایسا نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس روایت میں ہر جگہ زید بن ثابتؓ اپنے لئے واحد متکلم یا واحد حاضر کی ضمیر لا رہے ہیں۔ پوری روایت غور سے پڑھ جائیے اَرْسَلَ اِلَیَّ ، اِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ ، لَا نَتَّهِمُكَ ، وَكُنْتَ تَكْتُبُ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ ، فَاجْمَعْهُ ، لَوْ كَلَّفُوْنِیْ لَكَانَ اَثْقَلَ عَلَیَّ ، اَمَرَنِیْ بِهٖ ، قُلْتُ یُرَاجِعُنِیْ ، صَدْرِیْ ، فَتَتَبَّعْتُ ، اَجْمَعُهٗ ، وَجَدْتُ ، لَمْ اَجِدْهَا ۔ اگر ایک شخص بھی کوئی دوسرا ان کا شریک کار ہوتا تو یقیناً جمع متکلم یا حاضر یا "تثنیہ" کی ضمیر لاتے ۔ جس طرح حدیث نقل مصاحف میں حسب ضرورت لاتے ہیں عرضہ اخیرہ میں زیدؓ کی شرکت کہا جاتا ہے کہ زید بن ثابتؓ پورے قرآن کے حافظ تھے اور "عرضۂ اخیرہ" یعنی جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ماہِ رمضان میں پورے قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور سال وفات میں دو بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل علیہ السلام اسی غرض سے آئے تو آخری عرضہ یعنی آخری دور میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی موجود تھے ۔ اگرچہ یہ بالکل خلاف عقل ہے کہ ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو شریک کیا ، نہ حضرت عمرؓ کو نہ حضرت

عثمانؓ کو اور نہ حضرت علیؓ کو۔ آخر زید بن ثابتؓ میں کون سی ایسی خصوصیت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام دونوں نے ان کو اور صرف ان کو شریکِ دَور بلا وجہ کرلیا اور اگر واقعی یہ شرفِ خصوصیت ان کو حاصل تھا تو حضرت ابوبکرؓ کو تو سب سے پہلے یہی کہنا تھا کہ تم حافظِ قرآن ہو۔ پورا قرآن مجید تم کو یاد ہے اور پھر تم کو ایسی خصوصیت کا شرف حاصل ہے جو کسی کو بھی نہیں۔ وہ یہ کہ تم عرضۂ اخیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اس لئے تم سے بڑھ کر اور کون جمع قرآن کا اہم کام انجام دے سکتا ہے؟ جو اہم ترین خصوصیت حضرت زیدؓ کی تھی وہ تو نہ کہی اور کہا کہ تم نوجوان ہو، عاقل ہو، ہم لوگ تم پر کوئی تہمت نہیں لگاتے۔ ان میں سے کوئی بات بھی کیا اس انتخاب کی وجہ ہو سکتی ہے؟ رہی کتابتِ وحی، تو ان سے زیادہ مدت تک دوسرے لوگ کر چکے تھے۔ یہ عرضۂ اخیرہ کی شرکت کا مضمون بعد والوں نے بخاری کی اس روایت پر پشتہ باندھنے کے لئے گھڑا ہے۔

آخر سورہ براۃ کے واقعے پر غور

اب وہ آخر سورہ براۃ والے واقعے پر غور فرمائیے خزیمہ اور ابوخزیمہ کا اختلاف تو اپنی جگہ پر ہے جس کی بحث متابعات کے سلسلے میں ہو چکی۔ مگر یہاں لفظ مَعَ کا اختیار کیا تاکہ اس مَعَ سے آپ جو چاہیں سمجھ لیں مَعَ ابی خزیمہ سے یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے پاس لکھا ہوا تھا اور یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ان کو یاد تھا۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انہیں کے پاس لکھا ہوا تھا مگر یاد دوسروں کو بھی تھا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یاد انہیں کو تھا مگر لکھا ہوا دوسروں کے پاس بھی تھا اور پھر ظاہر عنوانِ بیان کے مطابق یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ صرف انہی کے پاس لکھا ہوا تھا اور یاد کسی کو بھی نہ تھا ایک " مَعَ " کے لفظ سے کتنے پہلو پیدا کر دیئے۔ اب حدیث کا پڑھنے والا جس پہلو سے مطمئن ہو اسی پہلو کو سمجھ لے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ اس آیت کا محل ان

کو کس طرح معلوم ہوا کہ اس کو آخر سورۂ توبہ قرار دیا۔ زید بن ثابتؓ یہ نہیں فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مجھ کو یاد تھیں اس لئے میں نے ان کو بہت ڈھونڈھا مگر لکھی ہوئی ان کو ابو خزیمہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں پایا۔ یا مجھے چھوڑ کر ابو خزیمہ کے سوا اور کسی کو یاد نہ تھیں۔ نہ انہوں نے یہ کہا کہ میں ان آیتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا اس لئے ان کو ڈھونڈھنے لگا۔ جیسا کہ سورۂ احزاب والی آیت کی روایت میں ہے۔ ممکن ہے کہ زید بن ثابتؓ نے ان دونوں آیتوں کو آخر سورۂ توبہ زمانۂ روایت کے اعتبار سے کہا ہو یعنی جو دو آیتیں اس وقت سورۂ توبہ کے آخر میں ہیں کیونکہ ابن ابی داؤد اور امام احمد بطریق محمد بن اسحٰق، عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو ہم ان کو ایک مستقل سورہ ہی قرار دے دیتے مگر یہ تو دو ہی آیتیں ہیں اس لئے ان کو کسی سورہ کے آخر میں لگا دو۔ غرض ان دونوں آیتوں کو محض حضرت عمرؓ کے اس حکم کے مطابق مگر اپنے جی سے خود زید بن ثابتؓ ہی نے سورۂ توبہ کے آخر میں بلا کسی مناسبت اور بغیر کسی دلیل کے اٹکل پچو لگا دیا تھا۔ مگر اس کے بعد پھر یہ آیتیں آخر سورۂ توبہ کی آیتیں ہو گئیں۔ اس لئے روایت میں ان کو آخر سورۂ توبہ کہا گیا مگر ابن ابی داؤد کی اس روایت میں نہ خزیمہ کا نام ہے نہ ابو خزیمہ کا بلکہ حرث بن خزیمہ کا نام ہے کہ وہ تنہا یہ دو آیتیں لے کر خود آئے جو نہ کسی دوسرے کے پاس لکھی ہوئی تھیں اور نہ کسی اور کو یاد تھیں مگر حضرت عمرؓ نے شہادت دی اور قسم کھائی کہ میں نے ان آیتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ بغرض حرث بن خزیمہ اور حضرت عمرؓ دو گواہوں کی شہادت پر یہ دونوں آیتیں قرآن میں داخل کر لی گئیں مگر ان کا محل و مقام کسی کو بھی معلوم نہ تھا یونہی اٹکل پچو سورۂ توبہ کے آخر میں ان کو لگا دیا گیا۔ لیجئے نہ خزیمہ نہ ابو خزیمہ بلکہ حرث بن خزیمہ۔ نہ اِلَّا الَّذِی نہ اَلَا الَّذِی بلکہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی

ط۱
بعض محدثین نے بات یوں بنانی چاہی کہ ابوخزیمہ ہی کا نام حرث تھا مگر یہ صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ابوخزیمہ بن اوس تھے اور یہاں حرث بن خزیمہ ہیں۔ مگر تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ کتاب الاحکام والی حدیث میں فَاَلْحَقْتُهَا فِی سُوْرَتِهَا کا اضافہ ہے۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ جب آخر سورۂ توبہ کو میں نے خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ پایا تو اس کو اس کے سورہ میں لگا دیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ زید بن ثابتؓ کو پہلے سے یہ معلوم تھا کہ یہ ایک یا دو آیتیں جو خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس ملی ہیں یہ آخر سورۂ توبہ ہی کی ہیں۔ اس لئے زیدؓ نے اس کو اس کی جگہ پر آخرِ سورۂ توبہ میں لگا دیا۔ اس بخاری والی حدیث کے سامنے اب وہ ابن ابی داؤد وغیرہ کی روایت کو رکھ کر دیکھیے کہ یہ آیت لگی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو ہم ان کو ایک سورت بنا دیتے مگر یہ دو ہی آیتیں ہیں اس لئے ان کو کسی سورہ کے آخر میں لگا دو۔" کون ایماندار ہے کہ بخاری کی حدیث میں فالحقتها فی سورتها دیکھنے کے بعد ابن ابی داؤد وغیرہ کی اس روایت کو جھوٹی ط۲ اور منافقوں

ط۲: ایک شریر مگر ذہین لڑکے کے پڑھانے کے لئے ایک مولوی صاحب مقرر ہوئے لڑکے نے باپ سے کہا کہ ہم مولوی صاحب کا امتحان لیں گے اگر امتحان میں پاس ہو گئے تو ان سے پڑھیں گے ورنہ ان کو ہم سے پڑھنا ہوگا۔ باپ نے ہنس کر کہا کہ اچھا مولوی صاحب سے کچھ پوچھو۔ لڑکے نے پوچھا کہ بتائیے اِلّا الّذی صحیح ہے یا اُلّا الّذی؟ مولوی صاحب نے کہا کہ اِلّا الّذی صحیح ہے۔ لڑکے نے کہا کہ غلط ہے نہ اِلّا الّذی نہ اُلّا الّذی بلکہ قرآن میں ہے اِقرأ باسم ربّك الّذی۔ اس واقعے کے بعد سے یہ مثل مشہور ہے کہ "نہ اِلا الذی نہ اُلا الذی" یعنی ایسی بات جس کے دو پہلو نکلتے ہوں اور ان میں سے ایک صحیح ہو اگر کوئی اس کے دونوں پہلوؤں سے انکار کرے تو کہتے ہیں کہ نہ اِلا الذی نہ اُلا الذی یعنی دونوں غلط، تم دونوں کے ماننے سے انکار کرتے ہو۔

کی من گھڑت نہ کہے گا ؟ مگر داد دیجیئے محدثین کی روایت پرستی کی کہ ان کے نزدیک یہ سب حدیثیں صحیح ہیں۔

یہاں ایک بات اور بھی قابلِ غور ہے وہ یہ کہ کتاب الاحکام والی حدیث وہی ہے جس کا ذکر کتاب التفسیر میں بسلسلۂ تصریح متابعات امام بخاری نے درج فرمایا ہے وہاں ابوثابت کی جو روایت ابراہیم بن سعد سے ہے اس میں خزیمہ یا ابوخزیمہ شک کے ساتھ لکھتے ہوئے ان کے پاس صرف فان تولو (الخ) والی ایک ہی آیت کے پائے جانے کا ذکر ہے اور اسی لئے یہاں کتاب الاحکام میں اس حدیث میں فالحقتھا فی سورتھا ضمیر واحد اور مؤنث کے ساتھ آیا ہے تاکہ ایک آیت کی طرف پھرے۔ اگر ابوثابت، ابراہیم بن سعد سے خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ دو آیتوں کے پائے جانے کی واقعی روایت کرتے تو واحد کی ضمیر کے عوض تثنیہ کی ضمیر لاتے اور فالحقتھما فی سورتھما روایت کرتے۔ اس لئے صاف پتہ مل رہا ہے کہ اس حدیث میں متابعت کے مطابق آخر سورہ توبہ کی صرف ایک ہی آیت مذکور تھی مگر یارانِ طریقت نے باب جمع القرآن اور کتاب التفسیر سے اختلاف مٹانے کے لئے یہاں دونوں آیتیں لکھ دیں۔ یہ اس کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ صحیح بخاری میں بعد کو لوگوں نے روایتوں میں گھٹاؤ بڑھاؤ کیا ہے۔ اتنے واضح اور روشن ثبوت کے بعد بھی بخاری کو اصح الکتاب کہنا اور اس کے ہر لفظ کو قطعی الصحت سمجھنا درحقیقت دین و ملت پر ظلم ہے اور قرآن مجید کے ساتھ کھلا ہوا شرک۔

تعجب اور سخت تعجب : ایک اور تعجب کی بات یہ بھی ہے کہ نقل مصاحف بعہد عثمانی کی حدیث میں آخر میں یہ کہا گیا کہ حضرت عثمانؓ نے چند مصاحف لکھوا لینے کے بعد اس کے علاوہ جو مصاحف لوگوں کے پاس تھے ان سب کو جلا دینے کا حکم دیا مگر یہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب زید بن ثابتؓ سے لکڑیوں، پتھروں، چھالوں اور ٹھیکریوں پر نقل کرا کے صحیفے مرتب کر لیے تو

پھران ٹھیکریوں، پتوں، چھالوں اور لکڑیوں کو کیا کیا؟ سب کو جلا ڈالا یا کہیں دفن کر دیا یا جو شخص جو چیز لایا تھا اس کو واپس کر دیا۔ اگر ماسوا کا ضائع کر دینا ضروری تھا تو سب سے پہلے صحفِ صدیقی کے مرتب ہو جانے کے بعد ماسوا کو ضائع کر دینا تھا کہ اب آیات اور سورتوں کی ایک ترتیب ان صحیفوں میں قائم ہو گئی اور ان چیزوں پر غیر مرتب آیات اور سورتیں لکھی ہوئی تھیں۔ اس لئے ان چیزوں کی وجہ سے تو سخت اختلاف کا خطرہ تھا اس لئے ان سب کا ضائع کر دینا سب سے پہلے ضروری تھا ورنہ یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ آخر وہ کیا ہوتے؟ اور پھر مقام تعجب یہ ہے کہ یہ اہم سوال کہ جمع صدیقی کے بعد پھر وہ ہڈی، ٹھیکری، پتے، چھال، کھال وغیرہ کیا ہو گئے؟ اس کو نہ زہری نے عبید بن السباق سے پوچھا نہ عبید نے زید بن ثابت سے اور نہ زہری سے، زہری کے تلامذہ نے اور نہ جناب امام بخاری نے اپنے شیوخ سے کبھی پوچھا اور نہ آج تک کسی محدث نے اس کا کھوج لگایا۔

نفسیاتِ مطہرہ صحابہؓ کا سفاکانہ قتلِ عام: یہ روایت ایسی ظالمانہ ہے کہ اس کے بنانے والے نے محدثین کی روایت پرستانہ نفسیات کا اس قدر گہرا مطالعہ کیا تھا کہ اس روایت کو وضع کر کے محدثین سے اس کو ان کے جذبہ روایت پرستی کے تحت سندِ مقبولیت دلوا کر سارے صحابہ کرامؓ خصوصاً مہاجرینؓ، انصارؓ اور ازواجِ مطہراتؓ سب کی نفسیاتِ طاہرہ کا نہایت بے رحمی سے قتلِ عام کر دیا۔

بااللہِ العظیم جس وقت آخر سورہ توبہ کی یہ دو آیتیں اتری ہوں گی لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (الخ)، صحابہؓ کا بچہ بچہ اور ننھی ننھی لڑکیاں اس آیت کو پڑھتی ہوں گی اور اللہ جانے کس والہانہ و فدویانہ جوشِ محبت میں جھومتی اور پڑھ پڑھ کر وجد کرتی رہتی ہوں گی۔ اس وقت کون سا انسان ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہو اور اس آیت کے نزول کے بعد اس آیت کا

ایک ایک حرف اس کے دل میں نگینے کی طرح جاگزین نہ ہوگیا ہو۔ یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامور تھے ہر وحی کو لوگوں تک پہنچا دینے پر۔ اس لئے جس وقت یہ آیتیں اتری تھیں، آپ نے ضرور ان کو تمام صحابہؓ تک پہنچا دیا اور حسبِ معمول وحسب حکم حاضرین نے غائبین تک پہنچا دیا اور اس آیت کے ہر ہر حرف میں جو مقناطیسی کشش ہے میں کہہ چکا۔ بس ایک بار سن لینے کے بعد کون ہوگا جس کو یہ آیتیں یاد نہ ہوگئی ہوں گی۔ ایسی آیت کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ بجز خزیمہ یا ابوخزیمہ یا حرث بن خزیمہ کے اور کسی کے پاس نہ ملیں جس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر خزیمہ یا ابوخزیمہ یا حرث کے پاس کوئی ٹھیکری یا تختی جس پر یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں نہ ملتی یا وہ لے کر نہ آتے تو کسی کو یہ آیتیں یاد بھی نہ آتیں۔ صحابہؓ کی اس والہانہ شیفتگی اور فدیانہ گرویدگی کا جو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی، کیسی بے رحمانہ خون ریزی ہے۔ اے اللہ جھوٹی حدیثیں بنانے والے منافقین سے تو سمجھ! اب اس حدیث کا آخری فقرہ بھی سامنے رکھ کر غور کیجئے۔ مطلب یہ ہے کہ زید بن ثابتؓ نے بس دو چار گھنٹے نہ سہی، دو چار دن یا ہفتے یا چند مہینے ہی سہی، اکیلے پورا قرآن جمع کر ڈالا[2] اور اپنے جی سے جس طرح مناسب سمجھا آیتوں کی ترتیب قائم کر لی۔ اس لئے کہ ٹھیکریوں، تختیوں وغیرہ پر نمبر دیئے ہوئے تو تھے نہیں کہ اس کے مطابق ترتیبِ آیات قائم کر لی جاتی۔ کتنی آیتیں جو بعض خاص خاص لوگوں

ص ۱۹۷ سے۔

[1]: تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے تمہاری تکلیف جس پر سخت گراں ہے یعنی وہ تمہیں تکلیف اور مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا۔ جس کو تمہاری بھلائی کا ہوکا ہے، ایمان والوں کے لئے نہایت شفیق اور مہربان۔ (افسوس کہ ترجمے میں وہ مقناطیسی اثر کسی طرح نہیں لایا جا سکتا جو ان عربی اور خاص اللہ پاک کے الفاظ میں ہے)۔

[2]: ص ۱۹۹ پر۔

کو یاد تھیں۔ وہ ان لوگوں کے جنگِ یمامہ میں شہید ہوجانے سے ضائع ہو چکیں تو اب اگر وہ کہیں ہیں تو انہیں ٹھیکریوں اور تختیوں ہی پر ہیں جس میں آگے پیچھے کی کوئی علامت نہیں۔ تو اب ترتیب بھی کتنی جگہ زید بن ثابتؓ کو ہی بطورِ خود صرف اپنی ہی سمجھ پر اعتماد کر کے کرنا پڑی۔ اتنی بڑی ذمہ داری میں کوئی اور تو شریکِ کار ان کو دیا نہیں گیا تھا اور نہ یہ کہا گیا تھا کہ دوسرے معتبر لوگوں سے مشورہ لے کر کام کرنا۔ حضرت عثمانؓ کو محض نقل مصاحف کے وقت یہ خیال ہوا کہ زید بن ثابتؓ غیر قریشی ہیں اور قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے اس لئے صرف ایک لکھی ہوئی کتاب اور خود

حضرت عثمانؓ نے لغت قریش کا خیال کیا مگر حضرت ابوبکرؓ نے کچھ خیال نہ کیا

زید بن ثابتؓ ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب کے نقل کرنے میں

صفحہ ۱۹۸ سے

ملے: جنگِ یمامہ سنہ ۱۲ھ کے اوائل میں ہوئی تھی۔ جمع قرآن کے واقعہ کو صحیح مان لیجیے تو سنہ ۱۲ھ کے اواخر ہی میں مانا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ جنگِ یمامہ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ اور صحابہؓ کو اطمینان نہیں ہو گیا تھا بلکہ اہل بحرین، مرقد بن حطم، یمن اور حضر موت وغیرہ سے نبٹنا ابھی باقی تھا۔ حضرت خالدؓ یمامہ وغیرہ سے فارغ ہو کر سنہ ۱۲ھ میں مدینہ پہنچے ہیں (طبری آغاز جلد چہارم) اور جمادی الاوّل سنہ ۱۳ھ میں حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات ہے۔ اب اندازہ کیجیے کہ ہڈی، ٹھیکری وغیرہ سے قرآن کے اجزاء کو مرتّب کرنا تنہا زید بن ثابتؓ کا، کتنے دنوں میں ہو سکتا ہے؟ کس کس کے پاس کیا کیا لکھا ہوا ہے۔ کس کس کو کتنا یاد ہے۔ ان سب کا ایک ایک صحابی سے پوچھنا کیا کھیل ہے کہ چند مہینے تو کیا کہ سال دو سال میں بھی تنہا کسی صحابی سے انجام پا سکتا ہے؟ غرض اس سات آٹھ ماہ کی مدت میں سے چند ماہ ایسے بھی دیکھیے جن میں زید کے ترتیب دیئے ہوئے صحیفے حضرت ابوبکرؓ کے پاس رکھے رہے ہوں تو مطلب یہ ہوا کہ زیدؓ نے تین چار ماہ میں پورا کام جمع قرآن کا انجام دے دیا۔

یہ احتیاط برتی کہ تین تین قریشیوں کو ان پر متعین کیا کہ اگر تم لوگوں میں اور زید بن ثابتؓ میں اختلاف ہو تو زیدؓ کی بات نہ ماننا، قریش کی زبان اور رسم الخط اختیار کرنا۔ مگر بالکل آغازِ کار میں انہی صحیفوں کی جمع و تالیف کے موقع پر جن کی صرف نقل کرنے میں یہ احتیاط برتی گئی تھی۔ فقط زید بن ثابتؓ پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں ہی نے بھروسہ کر لیا اور اس کا کچھ خیال نہ کیا کہ یہ غیر قریشی ہیں اور قرآن قریش کی زبان میں اُترا ہے۔ یہ پورے قرآن کو غیر قریشی زبان اور غیر قریشی رسم الخط میں لکھ کر غیر قریشی بنا دیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ نے صحیفے لکھوائے، وہ ان کی ذاتی ملکیت تھے یا بیت المال کی ملکیت؟

بہرحال زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ "وہ صُحُف جو تیار و مرتب ہوئے وہ حضرت ابوبکرؓ کی زندگی تک تو انہی کے پاس رہے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہنے لگے اور ان کی حیات تک رہے۔ ان کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس رہنے لگے۔" سوال یہ ہے کہ یہ صحیفے جو حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے زید بن ثابتؓ نے مرتب کیے اگر حضرت ابوبکرؓ کی ذاتی ملک ہو گئے تھے تو ان کے بعد ان کے ورثا کو ملنا تھے اور اگر بحیثیت خلیفہ کے انہوں نے اس کام کو انجام دلوایا تھا تو صحیفے بیت المال میں رہتے مگر نہیں رہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے نزع کے وقت حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ "اے بیٹی! میں خلیفہ بنایا گیا ہوں، میں نے بیت المال سے روپیہ نہیں لیا مگر بقدر موٹا کھانے، موٹا پہننے کے، اور اب میرے پاس بیت المال کا سوائے اس ایک حبشی غلام کے اور پانی پلانے یا کھیت پٹانے والی اس اونٹنی اور اس ایک پرانی چادر کے اور کچھ نہیں ہے۔ میرے بعد ان سب کو عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔" اگر زید بن ثابتؓ کے جمع کردہ صحیفے بھی ہوتے تو ان صحیفوں کا ذکر بھی اس وصیت میں ضرور ہوتا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد صحیفے حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو پھر حضرت

۱؎ : تاریخ الخلفاء مجتبائی ص ۵۴

عمرؓ کے بعد یہ صحیفے حضرت حفصہؓ کے پاس کیونکر چلے گئے؟ ان کو تو حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے پاس رہنا تھا۔ اگر حضرت حفصہؓ نے مستعار مانگ بھیجا تھا تو ان کو پھر واپس کرنا تھا یا عثمانؓ کو بیت المال کی چیز حاصل کر لینا تھی۔ نقل مصاحف کے وقت مستعار نہ مانگنا تھا اور جب منگوا لیا تھا تو نقل کے بعد واپس نہ کرنا تھا۔ صاف کہہ دینا تھا کہ یہ صحیفے بیت المال کے ہیں، بیت المال سے بلا وجہ باہر نہیں رہ سکتے۔

یہ ایسی زبردست گرہ اس حدیث میں ہے جس کے کھولنے کی کوئی شارح حدیث ہمت نہیں کرتا اور اس بھاری پتھر کو سب نے آہستہ سے چوم کر چھوڑ دیا۔ غریب ابوجعفر ابن جریر طبری نے اس دشواری کو محسوس کیا۔ اس لئے انہوں نے اپنی تفسیر کے آغاز میں جو جمع قرآن کی بحث کی ہے اور اس کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ ان میں یوں بات بنائی کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک کسی چیز پر لکھا ہوا نہ تھا صرف لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے زیدؓ سے ہڈی، چھال، کھال وغیرہ پر لکھوایا اور پھر حضرت عمرؓ نے اس کو زیدؓ ہی سے ان ہڈیوں، چھالوں، کھالوں سے صحیفوں میں لکھوایا تو وہ صحیفے حضرت عمرؓ نے لکھوائے تھے اس لئے حضرت عمرؓ کے بعد ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس رہنے لگے۔ غریب ابن جریر نے صحیح بخاری والی روایت سے بہتر طریقے سے ایسی صاف بات بنائی جس سے وہ کانٹا بالکل نکل جاتا ہے۔ مگر محدثین و مؤرخین کو خلش خاری پسند ہے اس کا کیا کیا جائے کہ سب کے سب صحیح بخاری والی روایت پر ایمان لائے ہوتے ہیں جو ایک خارزار سے کم نہیں اور غریب ابن جریر نے جو کانٹوں کو کاٹ چھانٹ کر شاخ تیار کی تھی، اس کی طرف کوئی نہیں دیکھتا۔

صحف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحف حفصہؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی تو آپ کاتبین وحی

میں سے کسی حاضر و موجود کاتب کو نازل شدہ آیات اور سورتوں کے لکھ لینے کا حکم فرماتے تھے اور وہ آیتیں یا سورتیں کچھ اوراق پر لکھی جاتی تھیں۔ جب چند اوراق پر ایک سورۃ مرتب ہو گئی تو وہ ایک صحیفہ ہو گیا۔ چھوٹی چھوٹی متعدد سورتیں ایک صحیفے میں درج کر لی گئیں اس طرح متعدد صحیفوں میں پورا قرآن عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مرتب ہو چکا تھا البتہ دوسرے حاضر الوقت صحابہؓ اپنے یاد کر لینے کے لئے وقتی طور سے کسی دوسری چیز پر بھی لکھ لیا کرتے ہوں، یہ ممکن ہے۔ مختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو نازل شدہ آیات اور سورتیں لکھواتے تھے وہ ہرن کی جھلی کے اوراق پر ہی لکھواتے تھے اور اس مجموعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل تک بزمانۂ قیام مکہ خود اپنی حفاظت میں رکھتے تھے۔ ہجرت کے بعد ابتدائی زمانے میں مسجد نبوی کے ستون سے لگا کر اس مصحف کو ایک صندوق میں مقفل رکھا جاتا تھا تاکہ حفظ کرنے والے اپنے شبہات، اس کو دیکھ کر رفع کر لیں اور نقل کرنے والے نقل کر سکیں اسی لئے اس ستون کا نام ہی "اسطوانۃ المصحف" پڑ گیا۔ مگر جب مدینہ میں منافقین کی ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں تو پھر یہ مصحف ان کی دست درازی سے محفوظ رکھنے کے خیال سے ام المومنین حضرتِ حفصہؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکھوانے لگے کیونکہ وہ ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ لکھی پڑھی تھیں، ان کو شفاء بنت عبداللہ بن عبد شمس بن خلف نے کتابت کی تعلیم دی تھی جیسا کہ ابوداؤد کی ایک حدیث جلد ۲ صـ۱۸۶، کتاب الطب، باب الرقی اور تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صـ۴۲۸ سے ظاہر ہے۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ مرد ہی نہیں عورتوں میں بھی لکھنے پڑھنے کا عرب میں رواج موجود تھا۔ یہ بخوبی ممکن ہے کہ حضرت شفاءؓ سے کتابت سیکھنے کے بعد حضرت حفصہؓ نے دوسری ازواج مطہرات کو بھی کتابت کی تعلیم دے دی ہو ورنہ حضرت شفاءؓ ہی نے دوسری ازواجِ مطہرات کو حضرتِ حفصہؓ کے بعد کتابت کی تعلیم دی ہو گی کیونکہ جب " طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ " خود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے تو ناممکن ہے کہ اپنی ازواج مطہرات کو تعلیم نہ دلوائی ہو اور تعلیم کا دارومدار لکھنے پڑھنے پر ہے۔ قرآن مجید میں ہے" علّم بالقلم"۔ اس لئے تعلیم بغیر کتابت کی تعلیم کے کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں حضرتِ حفصہؓ کی تعلیمِ کتابت کا ذکر ضمناً ہے حصر کے ساتھ نہیں اس لئے یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ حفصہؓ کو کتابت کی تعلیم دلوائی تو دوسری ازواجِ مطہراتؓ کو بھی ضرور دلوائی۔ مگر زیادہ قوی گمان یہی ہے کہ حضرت حفصہؓ نے ہی دوسری ازواج کو تعلیم دی۔ ان کی مہارت چونکہ دوسروں سے زیادہ تھی اس لئے صحیفۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی امین یہی بنائی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں حضرتِ حفصہؓ کو اس قرآن کا (جس کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام رکھا تھا اور اس کو اُم بھی کہا جاتا تھا)، امین بنایا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی وہ "مصحف" امام" حضرتِ حفصہؓ کی زندگی تک حضرتِ حفصہؓ ہی کے پاس رہا۔ خلفائے راشدینؓ یہ مناسب نہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امانت مصحف " امام" کا یہ منصب اب حضرتِ حفصہؓ سے اپنی طرف منتقل کر لیا جائے تو حضرتِ حفصہؓ کے پاس وہی مصحف تھا جو کاتبین وحی سے نزول آیات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھوایا جاتا تھا۔ اس نسخہ مصحف کے اس شرف کو لوگوں کے ذہنوں سے نسیاً منسیا کر دینے کے لئے جمع قرآن بعہد صدیق اکبرؓ کا ایک فرضی واقعہ گھڑا گیا اور اس کی ایک محض جھوٹی روایت بنا کر حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف منسوب کر کے عبید بن السباق کے ذریعے زہری تک پہنچا دی گئی۔ زہری نے اس کو اللہ جانے اپنے کن کن شاگردوں کے سامنے پیش کیا مگر زہری کے سینکڑوں شاگردوں میں سے صرف چار نے اس روایت کو قبول کیا شعیب بن ابی حمزۃ الحمصی تو زہری کے کاتب یعنی پرائیویٹ سیکرٹری ہی تھے۔ اس کی روایت سے کس طرح انکار کر سکتے تھے۔ ان کے علاوہ ابراہیم بن سعد جو زہری کے

انتقال کے وقت تقریباً پندرہ برس کے تھے۔ اللہ جانے بالغ بھی ہوئے تھے یا نہیں اس کے سننے کے وقت تو اور بھی کم سن ہوں گے۔ اس لئے ان کو عام طور سے زہری کی حدیثوں میں کمزور ہی سمجھا جاتا ہے[1] اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے زہری کو شاید دیکھا بھی نہ ہو اس لئے کہ ایلہ میں رہتے تھے جو مصر کے قریب ایک موضع تھا اور ابراہیم مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ اپنی کم سنی کی وجہ سے زہری کی زندگی میں ایلہ گئے بھی نہ ہوں گے البتہ شیعوں کے یہاں یہ ثقہ اور حجۃ ہیں اور یونس بن یزید جو زہری کے ہم وطن یعنی ایلہ کے رہنے اور زہری سے منکر حدیثیں روایت کرنے میں خاص طور سے مشہور ہیں جن کو ابن سعد نے لا یحتج بہ لکھا ہے اور عبدالرحمٰن بن خالد جو ابراہیم بن سعد کی طرح شیعوں کے نزدیک تو ثقہ ہیں مگر اہلسنّت محدثین ان کو منکر الحدیث لکھتے ہیں۔ بس انہی لوگوں نے اس حدیث کا پروپیگنڈہ کیا۔ اگر اس حدیث کو صحیح بخاری میں جگہ نہ مل جاتی تو شاید ہی کوئی صاحبِ عقل ایسی خلافِ عقل جھوٹی روایت کو قبول کرتا۔ چاہے امام بخاری نے خود محض حمایت حدیث کی مصلحت کے ماتحت اس روایت کو قبول کر لیا ہو۔ چاہے امام بخاری کے کسی شاگرد نے یہ پورا "باب جمع القرآن" ان کی کتاب میں ان کے بعد داخل کر کے پھر اس کے مختلف مقامات میں اس حدیث کو، کہیں آدھی کہیں پوری ٹھونس دی ہو۔ بہرحال صحیح بخاری میں جب یہ حدیث بعد والوں کو نظر آئی تو پھر بعد والے بخاری پرستوں پر اس کی حمایت فرض ہو گئی اور ترمذی اور نسائی وغیرہ نے بھی اس کو اپنی کتاب میں درج کر لیا اور مسند احمد کی تکمیل تو بہت بعد کو خاص منافقین کے ہاتھوں ہی ہوئی ہے جیسا کہ میرے رسالے التاریخ المستند لمسند الامام احمد میں روز روشن

---

[1] : قال صالح جزرہ حدیثہ عن الزھری لیس بذاک لانہ کان صغیراً حین سمع الزھری یعنی ابراہیم بن سعد کی حدیث زہری سے کچھ بھی نہیں۔ چونکہ زہری سے سننے کے وقت کم سن تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ا صہ ۱۲۲ ترجمہ ابراہیم بن سعد)

کی طرح ثابت کر دیا گیا ہے[1]۔ اس میں اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو تعجب ہوتا۔ امام مسلم ضرور اس حقیقت کو تاڑ گئے تھے، اسی لئے انہوں نے جمع قرآن کے مسئلے ہی کو نہیں چھیڑا۔ موطا امام مالک میں جمع قرآن کی کوئی حدیث نہیں : امام مالک کو امام احمد بن حنبل نے زہری کے شاگردوں میں سب سے زیادہ قابلِ وثوق قرار دیا ہے۔ غالباً اسی لئے زہری کی یہ ہمت نہ پڑی کہ ان کے سامنے جمع قرآن بعہد صدیقی اور نقل مصاحف بعہد عثمانی اور سورۂ توبہ و سورہ احزاب کی آیتوں والی حدیثیں پیش کر سکیں یا پیش کی بھی ہوں گی تو انہوں نے ان موضوع حدیثوں کو یقیناً رد کر دیا ہوگا۔ جب ہی تو موطا میں ان میں سے کوئی حدیث نہیں ہے یا شاید موطا و مسلم میں بخاری کی طرح لوگوں کو اس حدیث کے داخل کرنے کا موقع نہ ملا۔

قرآن کی شہادت : کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن کسی چیز پر بھی جمع نہیں کیا گیا تھا اور اگر لکھا بھی گیا تھا تو ٹھیکری، تختی اور پتھر وغیرہ پر۔ مگر قرآن میں ہے رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً کیا ٹھیکریوں، تختیوں اور پتھروں ہی کو صحف فرمایا گیا ہے؟ پھر قرآنِ پاک کو صُحُفٌ مُّكَرَّمَةٌ بھی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبع طوال یعنی سات پہلی بڑی بڑی سورتیں۔ اور مئین سو سو آیتوں کی سورتیں اور طوال مفصل و قصار مفصل، یہ سب سورتوں کے مجموعے، خود مرتب فرما کر اسی حساب سے قرآن کے متعدد صحیفے قرار دیئے تھے، اسی لئے قرآن کے پورے مجموعے کے متعلق فرمایا گیا فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ اور پورے قرآن کو کُتُبٌ اور صُحُفٌ جمع کے صیغے سے تعبیر کیا گیا اور ان صحف یعنی صحیفوں کے پورے مجموعے کو مصحف بھی کہا گیا ہے۔ چنانچہ بعض حدیثوں میں مصحف[2] کا لفظ موجود ہے۔

---

[1] : یہ رسالہ "رسالۃ البیان" امرتسر مورخہ ماہ اکتوبر و ماہ نومبر ۱۹۴۶ء کے دو پرچوں میں دو قسط کر کے چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

[2] : صفحہ ۲ پر۔

سورتوں کے مختلف مجموعوں کی تقسیم اور اُن کے نام : خالد الحذاءؒ ابو قلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تورات کی جگہ ہیں مجھ کو "سبع طوال" دیا گیا اور زبور کے عوض مجھ کو "مثانی" ملے اور انجیل کے بدلے "مئین" دیا گیا اور مفصل مجھ کو فاضل ملے اور واثلہ بن الاسقع سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ توراۃ کی جگہ مجھ کو "سبع طوال" ملے۔ زبور کے بدلے "مئین" اور انجیل کے عوض "مثانی" اور مفصل مجھ کو "فاضل" ملے۔ (معانی القرآن ابو جعفر طبریؒ) "سبع طوال" سورۂ فاتحہ کے بعد سات بڑی سورتوں کو کہا گیا یعنی ۱۔ بقرہ ۲۔ آل عمران

۲: ص۲۰۵ سے

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مما یلحق المومن من عملہ وحسناتہ بعد موتہ علماً علمہ ونشرہ۔ وولداً صالحاً ترکہ او مصحفاً ورثہ او مسجداً بناہ او بیتاً لابن السبیل بناہ او نھراً اجراہ او صدقۃ اخرجھا من مالہ فی صحتہ وحیواتہ تلحقہ من بعد موتہ۔ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد مومن کے مرنے کے بعد اس کے اعمال وحسنات میں سے جو ایسے ہیں جن کے ثواب اس کو پہنچتے رہتے ہیں وہ اس کا علم ہے جس کی تعلیم اس نے دوسروں کو کی اور اس کو پھیلایا یا صالح اولاد جس کو وہ چھوڑ گیا یا مصحف ہے جس کو اس نے میراث میں چھوڑا یا مسجد ہے جو اس نے بنائی یا مسافر خانہ ہے جو اس نے بنایا یا نہر ہے جس کو اس نے جاری کیا یا صدقہ جاریہ ہے جس کو اس نے اپنی صحت وحیات میں اپنے مال سے نکالا۔ ان سب کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی برابر پہنچتا رہے گا۔ اس حدیث کو مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۳ ص۳۵ میں نقل کیا ہے۔ ابن ماجہ اور شعب الایمان بیہقی سے عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطوا اعینکم حظھا من العبادۃ۔ النظر فی المصحف والتفکر فیہ والاعتبار عن عجائبہ الحکیمۃ یعنی ابو سعید خدریؓ روایت کرتے

۳۔ نساء، ۴۔ مائدہ، ۵۔ انعام، ۶۔ اعراف اور ۷۔ انفال "مثانی" کے بارے میں محدثین و شراح حدیث اہل لغت لکھتے ہیں کہ وہ سورتیں جن میں سو۱۰۰ سے کم آیتیں ہوں مگر "مفصل" سے بڑی ہوں مگر ان کو مثانی کیوں کہتے ہیں اس پر پوری طرح کسی نے روشنی نہیں ڈالی جو وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں وہ دل کو لگتی نہیں۔ میرے نزدیک ایک وجہ ان کے مثانی کہنے کی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض سورتوں کو نمازوں میں اس طرح پڑھتے تھے کہ ہر رکعت میں دو دو سورتیں۔ سنن ابوداؤد میں بیس سورتوں کے نام درج ہیں۔ یہ روایت اگرچہ کوفے کے ٹکسال میں گھڑی گئی ہے اور سورتوں کی متواتر ترتیب کے خلاف مقدم و مؤخر کر کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ ترتیب عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف کی ہے اور کوفیوں ہی نے تمام اختلافات قرأت اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعب کے مختلف مصاحف کا ڈھونگ رچایا ہے اس لئے زیادہ گمان اس روایت کے موضوع ہی ہونے کا ہے۔ مگر موضوع روایت بھی عموماً کسی بنیاد ہی پر بنائی جاتی ہے اس لئے اتنا پتہ اس سے ملا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یا کبھی کبھی ہر رکعت میں دو دو سورتیں پڑھتے تھے۔ سورۂ نجم سے عم یتساءلون تک۔ اور ممکن ہے ابوداؤد میں صرف بیس ہی سورتوں کا ذکر ہے اور یوں پچیس سورتیں ہوتی ہیں۔ اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ آپ اس کا لحاظ نہیں کرتے تھے کہ جس سورۃ کے بعد جو سورۃ ہو وہی پڑھی جائے یا مقدم و مؤخر کا لحاظ نہیں فرماتے تھے۔ اس وقت تک ترتیب، تقدیم و تاخیر کا لحاظ ضروری نہ تھا اس سے ایک مستقل ترتیب قرآن کی قائم کر لینا صحیح نہیں۔ قرآن کی ترتیب وہی صحیح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قائم ہوئی اور ہر صحابی کے گھر میں اسی ترتیب کے مطابق قرآن مصحف کی صورت میں مرتب و مدون رہا کرتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یا حضرت ابی بن کعب کیوں تمام صحابہؓ سے اختلاف کر کے ایک نئی ترتیب سے قرآن مرتب کرتے۔ یہ سب کوفیوں

کے اتہامات ہیں جس پر مفصل بحث میری کتاب "اعجاز القرآن" میں انشاء اللہ آئے گی۔ واللہ الموفق و علیہ التکلان۔

" مئین " ان سورتوں کو کہتے ہیں جن میں کم و بیش سو آیتیں ہوں۔ " مفصل " چھوٹی سورتوں کو کہتے ہیں۔ مفصل کی بھی تقسیم ہے " طوال مفصل " یعنی چھوٹی سورتوں میں بڑی ہیں۔ " اوساط مفصل " جو نہ بڑی ہیں نہ چھوٹی اور " قصار مفصل " آخر قرآن کی چھوٹی سورتیں۔ بہر حال ان روایتوں کے ماننے والوں کو یہ تو ماننا پڑے گا کہ سورتیں سب کی سب عہد نبوی میں مرتب ہو چکی تھیں اور ہر سورت کا نام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا اور برابر نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ کیا کوئی سچا مسلمان ہے جو اس کا انکار کرے؟ اگر ہے تو (ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین) اگر سچے ہو تو میرے سامنے ثبوت پیش کرو۔

ص ۲۰۶ سے

ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی آنکھوں کا جو حصہ عبادت میں ہے وہ ان کو ادا کرو یعنی مصحف پر نگاہ دوڑانا اور اس میں غور کرنا اور اس کے پر حکمت، عجائبات سے عبرت حاصل کرنا۔ بیہقی نے اس کو شعب الایمان میں لکھا ہے۔ مختصر کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۳۵۵ عن عثمان بن عبد اللہ بن اویس الثقفی عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأۃ الرجل القرآن فی غیر المصحف الف درجۃ و قرأتہ فی المصحف تضعف علی الفی درجۃ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کو غیر مصحف میں زبانی پڑھنا ایک ہزار درجہ ثواب کا رکھتا ہے اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنا مضاعف ہو کر دو ہزار گنا ثواب کا درجہ رکھتا ہے (مشکوٰۃ باب فضائل القرآن صفحہ ۱۸۱) غرض مصحف کا وجود ہی عہد نبوی میں نہ تھا تو پھر ان حدیثوں میں مصحف کا ذکر کہاں سے آیا؟ اور وراثت میں کوئی مصحف کس طرح چھوڑتا؟ کوئی دیکھ دیکھ کر کس چیز کو پڑھتا رہا؟

سات منزلیں یعنی تحزیب القرآن (یعنی تلاوتِ روزانہ کے لئے قرآن کی مقدارِ تلاوت کا تعین)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے بطورِ وِرد تلاوتِ قرآن کے لئے ایک مقدار مقرر فرمائی تھی اور اس مقدار کو "حزب" کہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ مقررہ پر پڑھنے کا موقع نہ ملا۔ تو دوسرے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حزب پورا کر لیا جب حجرے سے باہر تشریف لائے (ابوداؤد جلد ا ص ۲۰۵) پھر اس حدیث کے بعد اسی جگہ ابوداؤد میں ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت اوس بن حذیفۃ الثقفی جن کو اوس بن ابی اوس بھی کہتے ہیں جو خود صحابی تھے اور مذکورہ بالا حدیث وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس کا ایک ٹکڑا ہم نے ترجمہ کر کے اوپر نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اکابر صحابہؓ سے پوچھا کیف تحزبون القرآن قرآن کا حزب آپ لوگ کس طرح مقرر کرتے ہیں ؟ تو سب نے کہا تین اور پانچ اور سات اور نو اور گیارہ اور تیرہ اور مفصل کا پورا ایک حزب۔ یعنی ا۔بقرہ، ۲۔آلِ عمران اور ۳۔ نساء کا پہلا حزب پھر۔ مائدہ، ۲۔ انعام، ۳۔ اعراف، ۴۔ انفال اور ۵۔ توبہ یعنی سورہ برأت کا دوسرا حزب۔ پھر ا۔یونس، ۲۔ ہود، ۳۔یوسف، ۴۔رعد، ۵۔ ابراہیم، ۶۔ حجر اور ۷۔ نحل کا تیسرا حزب پھر بنی اسرائیل، ۲۔ کہف، ۳۔ مریم، ۴۔طٰہٰ، ۵۔ انبیاء ۶۔ حج، ۷۔ مومنون، ۸۔ نور اور ۹۔ فرقان کا چوتھا حزب پھر شعراء، ۲۔ نمل ۳۔ قصص، ۴۔ عنکبوت، ۵۔ روم، ۶۔ لقمان، ۷۔ سجدہ، ۸۔ احزاب، ۹۔ سبا ۱۰۔ فاطر، ۱۱۔ یٰسٓ کا پانچواں حزب پھر ا۔ والصافات، ۲۔ ص، ۳۔ زمر، ۴۔ مومن، ۵۔ حم سجدہ، ۶۔ شوریٰ، ۷۔ زخرف، ۸۔ دخان، ۹۔ جاثیہ، ۱۰۔ احقاف ۱۱۔ محمد، ۱۲۔ فتح اور ۱۳ حجرات کا چھٹا حزب پھر سورہ قاف سے آخر تک ساتواں حزب۔ انہی ساتوں احزاب کو سات منزل کہتے ہیں اور پہلی منزل سورہ فاتحہ سے شروع کرتے ہیں " فمی بشوق " کے حساب سے تلاوت کو اسی لئے مسنون سمجھتے ہیں

یعنی ف سے فاتحہ، م سے مائدہ، ی سے یونس، ب سے بنی اسرائیل، ش سے شعراء و سے والصافات اور ق سے سورہ قاف۔ ہر منزل کی پہلی سورتوں کے پہلے حروف کے مجموعے سے "فمی بشوق" کا لفظ لوگوں نے بنالیا ہے (جس کے معنی ہیں میرا منہ قرآن کریم کے شوق سے بھرا ہوا ہے)۔

اس سے یہ واضح ہوگیا کہ سورتوں کی تحدید، ان کا تعیّن، ان کی ترتیب اور ان کی گنتی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے چلی آرہی ہے اسی طرح آج تک بلاکم وکاست اور بلاتقدیم وتاخیر ساری دنیائے اسلام میں ہر ملک، ہر شہر، ہر قریہ اور ہر دیہات میں بلکہ ہر مسلمان کے گھر میں کتابی صورت میں بغیر کسی اختلاف کے چلی آرہی ہے اور آج تک ہر مسلمان کی تلاوت میں ہے، چاہے اب ایک منزل روزانہ کے پڑھنے والے کم ہی کیوں نہ ہوں مگر منزلیں انہی سات احزاب کے مطابق آج تک لکھی ہوئی موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گی۔ اس ترتیب کے حساب سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سورۂ ق سے آخر تک مفصّل کا حساب ہے۔

کتابتِ وحی کی شہادتِ قرآنیہ: کاتبینِ وحی جو کتابتِ قرآن کیا کرتے تھے، کفار طعن سے کہتے تھے کہ یہ تو اگلوں کی داستانیں ہیں جن کو انہوں نے لکھوایا ہے اور صبح شام ان کے سامنے لکھا جاتا ہے وقالوا اساطیر الاولین اکتتبها فهی تملی علیه بکرة واصیلا (سورۂ فرقان ۲۵/۵) یہ آیت کتابت وحی کا دستور ثابت کرنے کے لئے نص قطعی ہے۔ املیٰ علیه کے معنی ہیں کہ کسی کے ڈکٹیٹ کرانے سے زبانی بتانے سے اس کے بتائے ہوئے کو کسی نے لکھا۔

کاتبین وحی[1]: سورہ عبس پ ۳۰ میں ہے کلا انها تذکرة ۵ فمن شاء ذکره ۵ فی صحف مکرمة ۵ مرفوعة مطهرة ۵ بایدی سفرة ۵ کرام بررة ۵

---

[1] کاتبین وحی کی تعداد کتاب "ترتیب الاداریہ لکتانی" مطبوعہ مراکش جلد اوّل ص ۱۱۶ میں ان سب کے اسمائے گرامی کے ساتھ بیالیس مذکور ہے۔

یہ بیشک ایک نصیحت ہے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔ قابلِ تکریم صحیفوں میں، برتر پاک سافروں (ماہرینِ فنِ املاء و کتابت) کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی، جو بزرگ اور نیک کار ہیں۔ "سفارت" کے معنی اہلِ لغت "کتابت" لکھتے ہیں مگر کتابت و سفارت[1] میں ذرا فرق ہے۔ کتابت عام ہے مگر سفارت اس کتابت کو کہتے ہیں جو حسنِ خط اور واقفیت اصول املاء و قواعد انشاء کے ساتھ ہو۔ تو فرمایا جاتا ہے کہ ان قرآنی صحیفوں کے کاتب محض کاتب ہی نہیں ہیں بلکہ سافر ہیں یعنی خطاط بھی ہیں اور فنِ املاء و انشاء کے ماہر بھی ہیں۔ اس لئے ان[2] سے نہ بدخطی ہو سکتی ہے نہ غلطیٔ املاء و انشاء اور یہ کاتبین صحفِ قرآنیہ ہر خاص و عام کے نزدیک بزرگ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیک کار ہیں یعنی عندالناس و عنداللہ ہر جگہ، معتمد علیہ اور ہر حیثیت سے قابلِ وثوق ہیں۔ کاتبینِ وحی کی ایسی صریح و واضح منقبت اور خاص قرآن مبین میں، بھلا یہ منافقینِ عجم کب دیکھ سکتے تھے اور شیعے تو اس کو برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ حضرت امیر المومنین معاویہؓ بھی کاتبِ وحی رہ چکے تھے۔ بس فوراً ایک حدیث بنا ڈالی

---

[1]: سفارت و سفیر جو عرفِ عام میں مشہور ہے یعنی حکومتوں کی طرف سے ایک دوسرے کے سفیر دوسرے ممالک میں رہا کرتے ہیں جو وہاں رہ کر اپنے ملک کی نمائندگی اور اپنے ملکی حقوق کی وہاں نگہبانی کرتے ہیں اور پھر وہاں کے حالاتِ صحیحہ سے اپنے ملک کے بادشاہ و اعیانِ دولت کو خبر کرتے رہتے تو یہ اصطلاح بھی اس کے معنی کے اعتبار سے قائم ہوئی ہے اس لئے کہ جو شخص جس ملک میں سفیر بنا کر بھیجا جاتا ہے اس کو اس ملک کی زبان رسم الخط اور املاء و انشاء وغیرہ سے پوری واقفیت ہونی ضروری ہے تو جو شخص جس ملک کا سفیر ہو، سمجھنا چاہیئے کہ وہ اس ملک کی زبان، رسم الخط اور اصول املاء و انشاء سے پوری طرح واقف ہے۔ یہ سمجھنا کہ وہ دو ملکوں کے درمیان صلح و امن میں کوشاں ہوتا ہے اس لئے اس کو سفیر کہتے ہیں، صحیح نہیں۔

[2]: صـ۲۱۲ پہ لہ۔

کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ سفرۃ سے مراد یہاں فرشتے ہیں۔ امام بخاری کو اس کی تفسیر میں کوئی روایت تو نہ ملی مگر جو دوسرے مفسرین سُدّی وکلبی جیسے وضّاعین وکذّابین کہتے تھے یہ بھی بغیر کوئی روایت نقل کئے لکھ گئے اور لکھا تو کیا لکھا کہ سَفَرَۃٌ کے معنی اصلحت بینھم ہیں وجعلت الملٰئکۃ اذا انزلت بوحی اللّٰہ وتادیتہ کالسفیر الذی یصلح بین القوم یعنی فرشتے جب اللہ تعالےٰ کی وحی لے کر آئے تو ان کی حیثیت سفیر کی ہوئی جو قوم کے درمیان صلح کراتا ہے کس قدر لغو تمثیل ہے صلح کسی جنگ اور اصلاح کسی فساد کے بعد ہوتی ہے۔ کیا نعوذ باللہ اللہ اور رسول کے درمیان کوئی جنگ تھی کہ فرشتے اللہ کی طرف سے پیغام صلح لے کر آتے تھے؟ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خود سفارت کے معنی کتابت کے بتائے ہیں اور سَفَرَۃٌ کا ترجمہ کَتَبَۃٌ ہی کیا ہے جو سَافِر کی جمع ہے اور کتبۃٌ کاتب کی۔ جیسا کہ تمام مفسرین متقدّمین ومتاخرین سب لکھتے آئے ہیں مگر یارانِ طریقت نے

صفحہ ۲۱۱ سے

۲ : کتاب "النثر الفنّی" جلد اوّل صفحہ ۵۶ میں اس کے مصنّف ڈاکٹر زکی مبارک مصری نے لکھا ہے کہ وکذالک یری ابن الفارس ان معرفۃ القدماء من الصحابۃ بکتابۃ المصحف علی النحو الذی یعللہ النحویون فی ذوات الواد والیاء والھمزۃ والمد والقصر تدلّ علیٰ فھمھم لاصول اللغۃ وقواعد الکتابۃ وھو علی الجملۃ یری ان العلوم العربیۃ کانت معروفۃً قبل الاسلام یعنی ابن الفارس کو اس کا یقین ہے کہ قدمائے صحابہ کو کتابتِ قرآن میں جو واقفیت تھی ان باتوں سے جن میں علمائے نحو فرق کرتے ہیں لغات واوی ویائی ومہموز اور مد وقصر وغیرہ میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اصول لغت اور قواعد کی بہت سمجھ رکھتے تھے اور اس سے اس کا پتہ ملتا ہے کہ علومِ عربیہ قبل اسلام ہی سے ایک حد تک لوگوں میں متعارف تھے۔

اس کے بعد یہ اضافہ کر دیا کہ مراد فرشتے ہیں جو لوحِ محفوظ سے کتاب اللہ نقل کیا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کہیں اس آیت سے اصل مطلب اور صحیح مفہوم نہ سمجھ لیا جائے اور وہ صحابہؓ جو کاتبین وحی تھے کہیں ان کی عظمت اس سے نہ معلوم ہو جائے یہاں تو کوشش یہ کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تا دمِ وفات اَن پڑھ ہی رہے۔ کاتبینِ وحی کے متعلق بھی جھوٹی جھوٹی روایتیں بنا بنا کر اگر ان میں سے بعض کو منافق یا مرتد یا غیر معتبر ثابت کر دیا گیا تو پھر یہ امکان باقی رہے گا کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا کچھ اور ہو اور لکھنے والے نے کچھ اور لکھ دیا ہو۔ اس طرح یہ قرآن اپنی صحت میں یقینی نہ رہے۔ اسی ناپاک مقصد کے تحت بعض روایتیں بنا کر شائع کی گئیں چنانچہ مشکوٰۃ باب المعجزات ص۵۲۴ میں ایک حدیث منقول ہے کہ "حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتابت کرتا تھا تو وہ مرتد ہو گیا اسلام سے اور مشرکین سے جا ملا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو زمین قبول نہیں کرے گی تو (حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ) مجھ کو ابو طلحہؓ نے خبر دی کہ وہ اسی سرزمین پر پہنچے جہاں وہ مرا تھا تو اس (کی لاش) کو باہر پھینکا ہوا پایا۔ تو ابو طلحہؓ نے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم لوگوں نے اس کو دفن تو کیا مگر زمین اس کو قبول نہیں کرتی۔" اوّل تو اس حدیث کا مضمون ہی اس کے موضوع ہونے کی شہادت دے رہا ہے بالفرض اگر مان بھی لی جائے تو اس کاتب کا کاتبِ وحی ہونا کیوں تسلیم کر لیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ مراسلات وغیرہ کے سلسلے میں کتابت کا کام اس سے بھی لیا گیا ہو۔ کیونکہ وحی جیسی اہم چیز کی کتابت کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی غیر معتبر آدمی سے نہیں لے سکتے تھے مذکورہ روایت کے بنانے والے نے اتنی سی گنجائش رکھی ہے کہ اس کاتب کو کاتبِ وحی نہ قرار دیا جا سکے بلکہ عام مراسلات کا کاتب سمجھا جائے۔ بعض منافقین نے تو ایسی ایسی حدیثیں بھی گھڑ لی ہیں جو خاص کاتبِ وحی سے متعلق ہیں اگرچہ وہ صحاح میں نہیں

ہیں مگر پھر حدیث کی کتابوں میں تو ہیں۔ بہر حال مجھ کو اس بحث کو خواہ مخواہ طول دینا مقصود نہیں۔ جب وہ حدیثیں صحاح میں نہیں ہیں تو ان کے صحیح نہ ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ جامعین صحاح نے ان کو قابلِ اعتبار قرار نہیں دیا۔ مثلاً عبداللہ بن ابی سرح کے ارتداد کی روایت جس کو شیعوں نے گھڑا اور مشہور کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ارتداد کی روایت محض کذب و افتراء ہے۔ میں نے رسالہ اعجاز القرآن میں اس پر مفصل بحث کی ہے جو زیر تصنیف ہے۔ بخاری میں ایک روایت جو ایک کاتب نصرانی کی منقول ہے کہ وہ کاتب نبوی تھا۔ مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا۔ اگرچہ وہ روایت بھی الحاقی ہی ہے مگر اس میں بھی اس کی تصریح نہیں ہے کہ وہ کتابتِ وحی کیا کرتا تھا بلکہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو وہ ضرور اہلِ کتاب سے مراسلات کے لئے مقرر کیا گیا ہوگا مگر دراصل وہ روایت ہی صحیح نہیں۔

قرآن کے نزول اولی کا مقام اور کس چیز پر قرآن لکھا جاتا تھا: سورۂ طور کا آغاز پڑھیے

وَالطُّوْرِ ٥ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ٥ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ٥ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ٥ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ٥ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ٥ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ٥ مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ٥ "طور" کے معنی پہاڑ ہیں۔ یہ جو بعضوں نے لکھ دیا ہے کہ جس پہاڑ پر حضرت موسیٰؑ کے لئے تجلّی ہوئی تھی۔ اسی پہاڑ کا نام طور تھا۔ یہ غلط ہے اس کو طورِ سیناء کہتے ہیں۔ یہ اضافت عام بسوئے خاص ہے جیسے "کوہ ہمالیہ" وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ میں طور کے معنی عمومی ہی مراد ہیں نہ کہ طور سیناء غرض یہاں الطور پر الف۔ لام عہد کا ہے اس سے مراد کوہ حرا ہے جو مکہ کا ایک پہاڑ ہے مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبل بعثت اس پہاڑ کے ایک غار میں یا وادی کے

---

[۱] ؛ تفسیر فتح البیان جلد ۹ صـ ۲۵ میں بھی ہے کہ کتاب مسطور جو رق منشور پر لکھی ہوئی یہاں مذکور ہے اس سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔

[۲] ؛ صـ ۲۱۵ پر۔

لے جایا کرتے تھے[۱] بہرحال اسی پہاڑ پر پہلے پہل حضرت جبرئیل ع آپ کے پاس کتاب اللہ لے کر تشریف لائے تھے اور کہا تھا اقراء یعنی پڑھیئے[۲] قرآن مجید میں اسی پہاڑ کی اور اسی کتاب کی جو رقِ منشور پر لکھی جا رہی تھی اور بیت معمور یعنی خانہ کعبہ

صہ ۲۱۴ سے

[۱] : تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ غارِ حرا ملّتِ ابراہیمی کے متبعین کی عبادت گاہ (مسجد) تھی جہاں وہ مشرکین مکہ سے محفوظ رہ کر ایک اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے رسول اللہ کے دادا حضرت عبدالمطلب اور حضرت عمرؓ کے چچا حضرت زید بن عمرو بن نفیل کی سوانح میں بھی غارِ حرا میں ان کی عبادت کا تذکرہ ملتا ہے۔ طاہر

[۲] : بخاری کا سب سے پہلا باب جو بسم اللہ کے بعد ہی شروع ہوا ہے اس مضمون کا ہے کہ کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آغاز وحی کس طرح ہوا۔ اس باب کی تیسری حدیث محدثین کے مشہور استاد ابن شہاب زہری سے ہے جس کو وہ عروہ بن الزبیر سے اور وہ حضرتِ عائشہ صدیقہؓ سے حسبِ بیانِ زہری روایت کرتے ہیں۔ میں ترجمہ زہری میں تہذیب التہذیب کی عبارت اور دلائل سے ثابت کر چکا ہوں کہ ابن شہاب زہری کا سماع حدیث عروہ سے بلکہ لقاء بھی ثابت نہیں ہے اور زہری کے جمع احادیث کرنے سے پہلے عروہ کی وفات ہو چکی تھی۔ بہرحال روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے خواب دیکھنے لگے۔ جو رات کو دیکھتے دن کو وہ پورا اترتا۔ پھر خلوت پسندی مزاج میں آ گئی اور غارِ حرا میں خلوت نشینی کرنے لگے اور راتوں کو عبادت کرتے۔ کئی راتیں گزار کر اپنے گھر آتے اور چند دنوں کے کھانے کا سامان اپنے ساتھ لے جاتے اور پھر کچھ دنوں کے بعد آتے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس سے کچھ سامان لے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس حق (حق سے مراد وحی ہے قرآن کا ایک نام حق ہے لقد جاءک الحق من ربک (یونس) یا ایھا الناس قد جاءکم الحق من ربکم (یونس، آخر سورہ) درحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا ہی میں تھے

صہ ۲۱۶ پر

کی۔ پھر سقف مرفوع یعنی آسمانوں کی اور بحرِ مسجور یعنی سمندر کی قسمیں کھائی

صہ ۲۱۵ سے

جس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ کے پاس فرشتہ پہنچا اور اس نے کہا کہ "اقراءَ" یعنی پڑھیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ما انا بقاریٔ میں پڑھ سکنے والا نہیں ہوں یعنی پڑھنا نہیں جانتا۔ تو اس فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر خوب بھینچا پھر چھوڑ دیا۔ پھر کہا کہ اقراءَ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ما انا بقاریٔ پھر اس نے دوبارہ پکڑا اور بھینچا اور پھر چھوڑ دیا اور پھر کہا کہو اقراءَ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما انا بقاریٔ۔ پھر اس نے سہ بارہ پکڑ کر بھینچا پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھ" اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ہ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَم تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہانپتے کانپتے ان آیتوں کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ مجھ کو اڑھاؤ، مجھ کو اڑھاؤ۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ خوف کا اثر جاتا رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے پورا واقعہ بیان فرمایا اور کہا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ لاوارثوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی زبان میں کتاب لکھتے تھے اور انجیل میں سے کچھ عبرانی یا عربی میں لکھتے تھے اور بہت بوڑھے اور آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے تو ان سے حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے تم اپنے بھتیجے سے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) ان کا حال سنو۔ تو ورقہ نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ اے بھتیجے کیا حال ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا حال کہہ سنایا تو ورقہ نے کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جس کو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ کاش میں اس وقت جوان ہوتا، کاش کہ میں اس وقت

صہ ۲۱۷ پر

گئیں یعنی ان کی شہادت پیش کی گئی ہے۔ کوہِ حرا پر پہلے پہل شبِ قدر ماہ رمضان میں آپ پر قرآن کا کتابی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نزول ہوا۔ اس لئے

صہ ۲۱۶ سے

زندہ ہوتا جس وقت تمہیں تمہاری قوم گھر سے نکال دے گی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا وہ لوگ میرے نکالنے والے ہوں گے ؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں، تمہارے جیسا کوئی نہیں آیا مگر اس ۔ سے عداوت کی گئی۔ اگر تمہارا زمانہ مجھے ملا تو میں تمہاری مدد کروں گا، زبردست مدد سے ۔ پھر کچھ ہی زمانے کے بعد ورقہ نے وفات پائی اور وحی موقوف ہو گئی ۔ ابن شہاب نے کہا کہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے مجھے خبر دی کہ جابر بن عبداللہ انصاری نے کہا فترۃ الوحی (وحی کے رُکے رہنے کے زمانے) کا حال بیان کرتے ہوئے اپنی حدیث میں ۔ یعنی رسول اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راہ چل رہا تھا کہ میں نے ایک آسمانی آواز سنی۔ تو اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو وہی فرشتہ مجھ کو نظر آیا جو کوہِ حرا پر نظر آیا تھا، آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تو میں اس سے مرعوب ہو گیا تو گھر واپس پلٹا اور کہا کہ مجھ کو اڑھاؤ، مجھ کو اڑھاؤ تو اللہ تعالےٰ نے نازل فرمایا یاایھا المدثر قم فانذر ہ وربك فكبرہ وثيابك فطهرہ والرجز فاهجر۔ پھر سلسلۂ وحی شروع ہو گیا اور پے درپے وحی آنے لگی ۔ زہری سے اس حدیث کو مختلف راویوں نے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے مگر یہ پوری روایت زہری ہی سے ہے۔ البتہ صحاح سے باہر یہ روایت بعض دوسروں سے بھی ملتی ہے۔ اگر ان سب روایتوں کو یکجا کر کے غور کیا جائے تو لفظ اور مفہوم کا بہت اختلاف ملے گا دلائل النبوۃ میں بھی حافظ ابو نعیم الاصبہانی نے متعدد روایتیں آغازِ وحی کی درج کی ہیں۔ جن میں ایسے اختلافات ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا کون صحیح ہے کون غلط، بہت مشکل ہے جو صحیح معلوم ہو سکتی ہے اس کا عنوان بیان صحیح نہیں ہوتا۔ اس حدیث کے متعلق ایک

صہ ۲۱۸ پر

اس پہاڑ کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے وہ کتاب جس کو حضرت جبرئیل علیہ السلام لائے تھے اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ خانۂ کعبہ کی اہمیت روزِ روشن کی طرح ہے

صـ ۲۱۷ سے

لمبی چوڑی بحث ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب " اعجاز القرآن" کے لیے اٹھا رکھا ہے یہاں اس تفصیل کی گنجائش نہیں مگر اتنا ضروری ہے کہ یہ حدیث بہت مخدوش ہے اس میں متعدد فتنے پوشیدہ ہیں۔ آخر زہری ہی کی روایت ہے خصوصاً ورقہ ابن نوفل کی داستان۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فراستِ نبویہ کے مالک تھے، نبوت کے لئے منتخب کیے گئے محض بھولے بھالے بچے تھے اور اتنی سمجھ بھی نہیں رکھتے تھے جتنی کہ حضرت خدیجہؓ عورت ذات رکھتی تھیں، معاذ اللہ من ذالک۔ اس لئے اس روایت میں بہت سارے اضافے ہیں جو منافقینِ عجم میں سے کسی کی طرف بڑھے۔ زہری نے درمیان کا ایک راوی چھوڑ کر بلا واسطہ عروہ بن الزبیر سے اس کی روایت کر دی۔ بہر حال اب اس پر غور فرمائیے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب کہا کہ اقراء، پڑھیئے تو آپ نے جواب میں فرمایا ما انا بقاری ؒ میں پڑھ سکنے والا نہیں یعنی پڑھنا نہیں جانتا۔ یہ جواب جبھی صحیح ہو سکتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی لکھی ہوئی چیز، کوئی کتاب پیش کی ہو، ورنہ یہ جواب کبھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قسطلانی بخاری کی اسی حدیث کی شرح میں مرسل عبید بن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَتَانِي جِبْرَائِيلُ بِنَمْطٍ مِنْ دِيبَاجٍ فِيهِ كِتَابٌ فَقَالَ اِقْرَأْ۔ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ ؒ۔ جبرئیل میرے پاس ایک ریشمی رومال لائے جس میں ایک کتاب تھی، پھر کہا کہ پڑھیئے۔ میں نے کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں یعنی پڑھا لکھا نہیں ہوں اگر اس ٹکڑے کو بھی بخاری کی روایت میں ملا لیجئے تو مضمون واضح ہو جاتا ہے ورنہ چالیس برس کے افصح العرب العجم، فراست نبویہ کے مالک، نبوت و رسالت کے لئے جس کا انتخاب ہوا، ان سے اتنا نہیں ہو سکتا

صـ ۲۱۹ پر

صفحہ ۲۱۸ سے

تھا کہ تین چھوٹی چھوٹی آیتیں جن کو جبرئیل علیہ السلام ادا کر رہے تھے۔ آپ بھی سن کر دہرا دیتے؟ اور جب جبرئیلؑ صرف ایسی قدر چاہتے تھے کہ جو وہ اپنی زبان سے کہہ رہے تھے۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان سے دہرا دیتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ما انا بقاریؑ نہ فرماتے بلکہ ماذا اقرأ یا ما اقرأ فرماتے یعنی پوچھتے کہ میں کیا پڑھوں؟ یہ جواب کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو جبھی دیا جاتے گا کہ کوئی لکھی ہوئی چیز پیش کی جائے جیسا کہ عبید بن عمیر کی روایت میں ہے۔ غیر صحاح کی روایتوں میں اس کو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ما انا بقاری کی جگہ ابوالاسود نے اپنے مغازی میں کیف اقرأ کا لفظ رکھا ہے یعنی کیسے پڑھوں؟ مگر یہاں بھی وہ کسر موجود ہے اور ابن اسحٰق نے موقع کی نزاکت سمجھ کر ماذا اقرأ ہی لکھا ہے مگر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان آیتوں کو اپنی زبان سے ادا کر دیا تھا نہ کہ تین تین بار بھینچا تھا۔ بار بار جبرئیل علیہ السلام کا پکڑ پکڑ کر بھینچنا صاف بتا رہا ہے کہ اس کے اثر سے کوئی غیر معمولی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا ہوئی ورنہ صرف سُن کر چھوٹی چھوٹی آیتوں کو دہرانے کے لئے بار بار پکڑ پکڑ کر بھینچنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ عبید بن عمیر کی روایت گو مرسل ہے مگر صحیح ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک کتاب ہی لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی اور کہا کہ اقرأ آپ پڑھنا جانتے ہی نہ تھے اس لئے کہا کہ ما انا بقاریؑ، جبرئیلؑ کے تین بار پکڑ پکڑ کر بھینچنے سے آپ میں پڑھنے کی صلاحیت آگئی اور جہاں سے جبرئیلؑ نے پڑھنے کو کہا تھا، آپ نے پڑھ دیا۔ اور پھر آپ کو پڑھنا آ گیا۔ اسی لئے سورۂ عنکبوت ۵ میں ہے وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ٥ اس سے پہلے تم کوئی کتاب تلاوت نہیں کر سکتے تھے اور نہ

صفحہ ۲۲۰ پر

میں زمین کو آغوش میں لیے ہوتے ہے۔ کون ہے جو ان دونوں آیات اللہ کی اہمیت سے انکار کر سکتا ہے۔ جس طرح آسمان ہر طرف سے دنیا کو محیط ہے اسی طرح یہ کتاب اللہ

صـ ۲۱۹ سے

لکھتے ہو اپنے ہاتھ سے۔ اگر تم پہلے سے لکھے پڑھے ہوتے تو باطل پرست لوگ تمہارے بارے میں شک و شبہ کرتے رہتے۔ من قبلہ کی ضمیر قرآن کی طرف پھر رہی ہے یعنی اس قرآن کے نزول سے پہلے۔ یہ آیت صاف اعلان کر رہی ہے کہ بعثت کے ساتھ ساتھ آپ کو لکھی ہوئی چیزوں کے پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی اگر ایسا نہیں ہے تو پھر من قبلہ کے لفظ کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ یہ کہنا کہ یہاں تلاوت سے مراد زبانی پڑھنا ہے اور مقصود یہ ہے کہ تم قرآن سے پہلے کسی کتاب کو زبانی نہیں پڑھتے تھے بالکل لایعنی ہے۔ خصوصاً جب آگے ولا تخطہ کا لفظ موجود ہے "لکھنے" کے ذکر کے ساتھ "پڑھنے" کا جب ذکر آئے گا تو کتاب دیکھ کر ہی پڑھنا مراد ہوگا اس لئے اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ نزول قرآن کے بعد فوراً ہی آپ کو پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی اور آپ یقیناً کسی پڑھنے والے سے کم پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اس لئے وہ عبید بن عمیر والی مرسل روایت یقیناً صحیح ہے اور بخاری کی روایت سے اتنا حصہ نکلا ہوا ہے یا نکالا ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پڑھ ثابت کرنے کی بڑی کوشش کی گئی ہے تاکہ کتابتِ وحی کے متعلق ایک محلِ اشتباہ باقی رہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا وہ صحیح طور سے لکھا بھی گیا یا نہیں؟ اس کا علم عین الیقین کے مطابق آپ کو نہ تھا بلکہ کاتبینِ وحی کے ایمان و دیانت کے اعتماد پر آپ سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہم نے بتایا ہے وہی ان لوگوں نے لکھا ہوگا اور پھر انہی منافقینِ عجم نے کاتبین میں سے کسی کو منافق، کسی کو مرتد بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے جب کاتبوں پر اعتماد قطعی طور سے نہیں اور لکھوانے والے خود پڑھنے والے نہیں تو پھر کس نے کیا لکھ

صـ ۲۲۱ پر

اپنے احکام و ہدایات کے اعتبار سے تمام اہلِ دُنیا پر محیط ہے اور جس طرح سمندر اپنی آغوش میں دُنیا کو لیئے ہوئے ہے۔ اسی طرح خانہ کعبہ کی مرکزیت تمام دنیا پر حاوی ہے۔

اللہ تعالٰی نے قرآن کو کتابی صورت میں "رقّ منشور پر لکھی ہوئی" اُتار کر رسول اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی بتا دیا کہ قرآن کی جو آیت اور سورۃ بھی جب بھی آئے اس کو اسی طرح رقّ منشور کے اوراق پر ہی لکھوایا جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برابر رقّ منشور کے اوراق ہی پر نازل شدہ آیات اور سورتوں کو لکھوایا اور جب کوئی بڑی سورت مرتب ہوگئی تو وہ ایک مستقل صحیفہ قرار دیا گیا۔ اوسط درجہ کی دو تین سورتوں کا ایک صحیفہ اور چھوٹی چھوٹی متعدد سورتوں کا ایک صحیفہ بنایا گیا۔ اس لئے کتاب اللہ کے مجموعے کے متعلق صحف مکرمۃ، کتب قیمہ بصیغۂ جمع فرمایا گیا اور مجموعے کو کتب، قرآن فرقان، حق، ذکر وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ وکتب مسطور میں قسم اسی کتاب کی مقصود ہو جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے لکھوایا تھا۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں پوری کتاب اللہ کو کتابی صورت میں اپنے سامنے مدوّن و مرتب نہ کرا دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک ہی میں صحابہؓ کے ہاتھوں میں پورے قرآن کی جلدیں نہ ہوتیں جس طرح یہود کے پاس تورات کی

ص ۲۰۰ سے

دیا اس کے بارے میں لکھوانے والے کو کیا خبر ہوسکتی ہے۔ یہ تو کسی روایت میں ہے نہیں کہ آپ جو لکھواتے تھے اس کو دوسروں سے پڑھوا کر سن بھی لیتے تھے۔ غرض یہ سمجھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کی صلاحیت نہ تھی بالکل غلط ہے اور وہ کتاب جو حضرت جبرئیل علیہ السلام لائے تھے وہ وہی لوحِ محفوظ اور کتابِ مکنون تھی جس کی صفت بیان کی گئی ہے کہ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝

جلدیں اور عیسائیوں کے پاس انجیل کی جلدیں تھیں۔

قرآن میں حکم کتابت سورہ بقرہ جو مدینہ طیبہ میں اترنے والی سورتوں میں پہلی سورت ہے۔ اس کے آخری رکوع سے پہلے ۳۹ میں مسلمانوں کو آپس کے لین دین اور خرید و فروخت والے معاملوں کو لکھ لینے کا حکم تاکیدی ہے۔ یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمّی فاکتبوہ۔ آخر رکوع تک پڑھ جائیے کیا ایسی قوم جو لکھنا پڑھنا نہ جانتی ہو، جس کے پاس لکھنے پڑھنے کا سامان نہ ہوں، کاغذ تک نہ ملتا ہو، اس قوم کے ہر فرد کو یہ حکم دیا جا سکتا ہے کہ کسی سے قرض کا لین دین کرو یا آئے دن کی معمولی خرید و فروخت کے علاوہ جو بیع و شریٰ کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو یا لکھوا لیا کرو۔ کیا یہ ضرورتیں ایسی ہیں جو ناگہانی طور سے ہزار و دو ہزار میں کبھی کسی کو پیش آتی ہوں گی؟ ایسی ضرورت تو زندگی میں بارہا تقریباً ہر شخص کو پیش آتی ہے۔ کاتب اور سامان کتابت کے نہ ملنے کا امکان وضو کے لئے پانی نہ مل سکنے کے امکان کی طرح صرف سفر ہی میں تصور کیا جا سکتا ہو جس کے لئے رہن کا حکم ہو۔

سورہ بقرہ کا یہ رکوع اس بات کا شاہد عادل ہے کہ ہجرت کے وقت تک صحابہؓ میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج ہو چکا تھا اور لکھنے پڑھنے کا سامان کاغذ وغیرہ کافی حد تک ان کے پاس موجود رہتا تھا یعنی زید بن ثابت کے کتابت سیکھ لینے سے پہلے ہی یا ان کی مہارتِ کتابت کے زمانے تک ہزاروں صحابہؓ فنِ کتابت سے واقف ہو چکے تھے اور ان کے پاس کاغذ بھی برابر مہیا ہوتا رہتا تھا۔ کیونکہ سورۂ بقرہ کا نزول زید بن ثابتؓ کی مہارتِ کتابت سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اور مسلمانوں کو لین دین وغیرہ کے معاملات کے لکھ لینے کا حکم زید بن ثابتؓ کی مہارتِ کتابت سے پہلے مل چکا تھا۔

تعجب تو یہ ہے کہ جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو وحی اُتری اس میں علّم بالقلم کا جملہ بیان فرما کر یہ ثابت کر لیا گیا کہ تعلیم قلم ہی کے ذریعے ہوتی ہے۔ جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد و عورت پر علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہو اُس رسولِ

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا کہ ایسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں لکھنے پڑھنے کا رواج اس قدر کم تھا کہ قرآن جیسی کتاب جو ساری قوم کا سرمایۂ ایمان تھا، اس کو بھی اس نے کتابی صورت میں مرتّب و مدوّن نہ کیا تھا؟ امّت تو امّت تھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مرتّب کر کے نہ لکھوایا۔ آخر یہود و نصاریٰ کے پاس یہ لوگ تورات و انجیل کتابی صورت میں کاغذ پر لکھی ہوئی دیکھتے تھے۔ دوسروں کی کتابوں کو دیکھ کر بھی یہ ولولہ نہ پیدا ہوا کہ ہم لوگ بھی اپنی کتاب کو اسی طرح کتابی صورت میں مدوّن کر ڈالیں؟

ابو داؤد جلد دوم آغاز سنہ ۱۲۹ (مطبع مجتبائی دہلی) ایک حدیث ہے جس سے ظاہر ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت اہلِ صفّہ کو قرآن کے پڑھنے اور لکھنے کی تعلیم دیا کرتے تھے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دنیا میں تشریف فرما تھے اور عبادہ بن صامت مدنی، نصاری خزرجی صحابی تھے۔

عبداللہ بن سعید بن العاص کے بارے میں بھی استیعاب جلد ا صد ۱۸۳ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا تھا کہ مدینے میں جو لوگ لکھنا نہیں جانتے ہیں، ان کو لکھنے کی تعلیم دیں۔

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اسیرانِ جنگِ بدر کے علاوہ مستقل طور سے تعلیم کتابت پر مامور تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہؓ میں تعلیمِ کتابت کی ترویج کی کتنی اہمیت رسولؐ کو تھی اور یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ بس اتنے ہی لوگ تعلیم کتابت پر مامور تھے۔ ان کے علاوہ بھی یقیناً بہت لوگ مامور ہوں گے اور کتنے لوگ بطور خود سکھاتے ہوں گے اور کتنے لوگ بطورِ خود سیکھتے ہوں گے اور کتابت سیکھنے کے بعد سب سے زیادہ محبوب مشغلہ اور مرغوب کام ہر شخص کا قرآن ہی لکھنا ہوگا۔ کون سا شخص ہوگا جس نے کتابت سیکھی ہو اور قرآن نہ لکھا ہو اپنے لئے اور اہل و عیال کے لئے اور اپنے اعزہ و ہم جوار کے لئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں قرآن جمع نہ ہو سکنے کی غیر معقول وجہ جو کہی جاتی ہے

قرآن کریم کا نزول چونکہ نجماً نجماً تھوڑا تھوڑا کر کے ہوا، اس لئے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وہ حصۂ قرآن جو اترا لکھوایا تو ضرور مگر غیر مطمئن طور سے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود یہ معلوم نہ تھا کہ سلسلۂ نزول کب ختم ہو گا اور درمیان سے کون سی آیت کب منسوخ کر دی جائے گی اور اس کے عوض کون سی آیت اترے گی اور کب؟ ترتیب نزول کے مطابق بھی اگر آپ جمع کراتے تو ہو سکتا تھا کہ جیسے جیسے آیتیں اترتی جاتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے جاتے اور پھر آخری آیت پر قرآن ختم ہو جاتا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمع کرا رہے تھے۔ ترتیب نزول کے خلاف لوحِ محفوظ کے مطابق۔ اور مجمع الزوائد میں طبرانی کی اوسط سے تو روایت ہے کہ عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا قالت کان جبرئیل علیہ السلام یملی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن لکھواتے تھے یعنی کاتبینِ وحی جب لکھتے تھے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے جاتے تھے مگر جبرئیل علیہ السلام وہیں پر بیٹھے سنتے رہتے تھے کہ لکھوانے میں کسی طرح کی بھول چوک بمقتضائے بشریت نہ ہو جائے مجمع الزواید جلد ۷ صفحہ ۱۵۶، مجمع الزواید جلد اوّل صفحہ ۱۵۲ میں غالباً اسی بناء پر زید بن ثابت ؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ فان کان فیہ سقط اقامہ اگر اس میں لکھنے سے کچھ چھوٹ گیا تو اس کو اس کی جگہ پر لکھ دیا یا غلطی ہو گئی تو اس کو صحیح کر دیا ثم اخرج بہ الی الناس اس کے بعد تبلیغ و اشاعت کے لئے اس نازل شدہ وحی کو لوگوں تک پہنچا دینے کے لئے نکالتے تھے۔ وقتِ وفات تک بعض آیات کے نزول کا امکان موجود تھا۔ بدیں وجہ آپ نے قرآن کو کتابی صورت میں مرتّب و مدوّن نہیں فرمایا۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کسی صحابی ؓ کے لئے بطور خود اپنے جی سے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی اجازت سے، اتری ہوئی آیتوں کو مرتّب و مدوّن کرنے کا امکان تھا۔ اس لئے عہد نبوی میں قرآن مرتّب و مدوّن نہ ہو سکا۔[1] چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزول آیات کے بعد کاتبینِ وحی سے فرماتے تھے۔ اس آیت یا ان آیات کو فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد لکھو اس لئے کسی سورت کے متعلق بھی وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک یہ یقین نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ سورت مکمل ہے کیونکہ ممکن تھا کہ وہ ایک آیت ایسی اتر جائے کہ اس سورۃ کے اوّل یا آخر یا درمیان میں داخل کر دینے کا حکم ہو۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی نازل شدہ آیات منسوخ بھی کر دی جاتی تھیں۔ بعض کے احکام اور بعض کی تلاوت نازل ہونے کے بعد منسوخ[2] ہو جاتی تھی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا احتمال ہمیشہ لگا رہتا تھا کہ شاید کوئی آیت تلاوتاً منسوخ ہو جائے تو پھر کتاب میں داخل کرنے کے بعد اس کا نکالنا بے موقع اور مشکل ہو گا۔

---

[1]: اگرچہ یہ قول بخاری وغیرہ کی حدیثوں کے خلاف ہے کیونکہ عہدِ نبوی ہی میں بعض صحابہؓ کے قرآن جمع کرنے کی روایت بخاری وغیرہ میں موجود ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

[2]: منسوخ الحکم آیتیں تو خطابی اور ان کے ہم عقیدہ علماء کے نزدیک آج تک قرآن میں موجود ہی ہیں۔ ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں اور سینکڑوں مگر بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ صرف پانچ اور منسوخ التلاوۃ کا تو پتہ ہی نہیں، اللہ جانے، کتنی آیتیں ہوں گی۔ یہی راویان حدیث کہتے ہیں کہ سورۂ احزاب پہلے اتنی بڑی تھی کہ سورہ بقرہ سے بھی زیادہ آیتیں اس میں تھیں مگر اس حدیث کے راوی بڑے چالاک تھے۔ ایسے عنوان سے کہہ گئے جس سے کوئی تو یہ سمجھا کہ وہ بہت سی آیتیں جو اب سورہ احزاب میں نہیں ہیں منسوخ ہو گئیں جن کا حکم بھی منسوخ ہے اور تلاوت بھی۔ اور کوئی یہ سمجھا کہ وہ جب آیتیں شہدائے جنگ یمامہ کو یاد تھیں مگر وہ تو شہید ہو گئے اس وجہ سے قلمبند نہ ہو سکیں اور غائب ہو گئیں جس کا الزام رسول اللہ صلی اللہ پر ہے بلکہ خود اللہ پر۔ کہ قبل اس کے کہ قرآن

(بقیہ صفحہ ۲۲۶ پر)

خطابی کا عذر لنگ اور اس سے زیادہ بے موقع ہونے کا احتمال اس وقت کے لئے تھا کہ لوگوں سے کہا جاتا کہ تم نے فلاں سورہ جو یاد کیا ہے اس کی فلاں آیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۵)
مرتب و مدون ہو جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں اٹھا لیا؟ اور ان حفاظ کو کیوں شہید کرا دیا گیا؟ اور کوئی یہ سمجھے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے زید بن ثابتؓ سے کہہ کر ان آیات کو نکلوا دیا۔ کیونکہ ان آیات میں حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کی منقبت تھی۔ غرض اس قسم کی منسوخ آیتوں کے متعلق جن کے احکام اور جن کی تلاوت دونوں ان علماء کے نزدیک منسوخ تھی، کیا بتایا جا سکتا ہے کہ وہ کتنی تھیں البتہ ایک آیت ان کے نزدیک ایسی بھی عجیب و غریب ہے جس کا حکم تو باقی ہے مگر صرف تلاوت منسوخ ہے۔ اس کا حکم چونکہ باقی ہے اس لئے وہ حدیثیں محدثین و فقہا میں دائر و سائر ہے جس کو یہ لوگ آیۃ الرجم کہتے ہیں
الشیخ والشیخۃ اذا زنیا وارجموھما البتۃ نکالا من اللہ (الخ) جس کا ترجمہ تو یہ ہے کہ بوڑھا اور بڑھیا اگر زنا کریں تو ان کو ضرور سنگسار کرو یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے مگر کہا یہ جاتا ہے کہ بوڑھے سے مراد بیوی والا مرد اور شوہر والی عورت ہے خواہ نوجوان ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر واقعی یہ آیت ہے اور اس کا حکم باقی ہے تو پھر اس کی تلاوت کیوں منسوخ ہو گئی اور کس نے کی؟ اور کہاں ایسی کوئی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ یہ ہے تو قرآن کی آیت اور اس کا حکم باقی رہے گا مگر اس کو قرآن میں داخل کر کے اس کی تلاوت نہ کرنا۔ کہا جاتا ہے کہ جمع کے وقت ہر صحابی قرآن کے وہ حصے جو اس کے پاس لکھے ہوئے یا زبانی یاد کی صورت میں تھے لے کر آتا تھا اور اس پاس سے دو گواہ طلب کیے جاتے تھے [illegible] اگر وہ تو دو خود لانے والا ہوتا تھا اور ایک اور کسی کو وہ لے آتا تھا جب وہ حصہ قرآن میں داخل کر لیا جاتا تھا اور جس کے ملنے لانے والے کے پاس کوئی گواہ نہ ہوتا وہ حصہ قرآن میں داخل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷ پر دیکھیں)

منسوخ التلاوۃ ہے اس لئے اب بھول جاؤ اس کو چھوڑ کر اب پڑھا کرو نعوذ باللہ من تلک الھفوات۔ چنانچہ خطابی کا قول اتقان صفحہ ۵۸ میں منقول ہے قال الخطابی انما لم یجمع القرآن مسلعم فی المصحف لما کان یترقب من ورود

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶)
نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت خزیمہ بن ثابت الانصاری آیت سورۂ احزاب یا آخر سورۂ توبہ کے تنہا آئے تو وہ چونکہ ذوشہیدین تھے یعنی ان کی ایک شہادت دو مردوں کی دو شہادتوں کے برابر قرار دے دی گئی تھی اس لئے قبول کرلی گئی مگر آیت الرجم کو صرف حضرت عمرؓ لے کے آئے تھے ان کے سوا کسی دوسرے نے اس کی شہادت نہیں دی اس لئے یہ آیت الرجم قرآن میں داخل نہیں کی گئی اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو چونکہ حضرت عمرؓ کا سچا ہونا تو یقیناً اس روایت پر ایمان رکھنے والوں کے نزدیک بھی مسلم ہوگا اس لئے وہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن ناقص رہ گیا اور یہ آیت قرآن میں داخل نہ ہو سکی اور اس کی تلاوت سے امت محروم رہ گئی مگر اس سے یہ تو نہیں سمجھا جائے گا کہ یہ آیت منسوخ التلاوت ہوگئی

توقیف بمعنی اقامت وتعلیم وتبیین یہاں مراد تعلیم الٰہی ہے یعنی منجانب اللہ تعلیم وتبیین کے ماتحت آیات اور سورتوں کی ترتیب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

یہ آیت قرآن سے نکل جائے اور اس طرح اس کو منسوخ کردیا تو یقیناً اس کا حکم بھی منسوخ کردیا پھر اس کے حکم کے باقی رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کاتبِ وحی کے نزدیک جب اس آیت کی قطعیت ثابت نہ ہو سکی تو جس طرح اس کا ایک آیت قرآنی ہونا ثابت نہ ہو سکا اس طرح اس کے حکم کا حکم الٰہی ہونا بھی ثابت نہ ہو سکا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کے الفاظ تو قرآن سے خارج رہیں اور اس کا حکم دین میں داخل رہے۔ مزید بحث میرے رسالہ آیۃ الرجم میں مذکور ہے اس میں دیکھئے۔

(بقیہ حاشیہ)
۱؎ مولانا شمس الحق محدث بہاری رحمہ اللہ نے غایۃ المقصود شرح سنن ابوداؤد کے مقدمہ میں شارحین سنن ابی داؤد میں خطابی کا ترجمہ ابن خلکان کی وفیات الاعیان میں نقل کیا ہے مختصر یہ ہے کہ ابوسلیمان احمد بن محمد ابن ابراہیم بن الخطاب الخطابی البستی کی وفات ۳۸۸ھ ماہ ربیع الاول میں ہوئی ہے۔

ناسخ بعض احکامہ[۱] او تلاوتہ[۲]

صحیح مسلم کتاب التفسیر اور صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن کے پہلے ہی باب میں ایک حدیث ابن شہاب زہری ہی سے مروی ہے کہ حضرت انسؓ نے زہری سے کہا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل پے درپے وحی کرتا رہا۔ اور زیادہ وحی اس دن ہوئی جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں : اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ تَابَعَ اَلْوَحْیَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلَ وَفَاتِہٖ وَاَکْثَرَ مَا کَانَ الْوَحْیُ یَوْمَ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ . یہ حدیث امام نووی کے نسخۂ صحیح مسلم میں نہیں ہے اسی لئے انہوں نے اس حدیث کو چھوا تک نہیں۔ ایک لفظ بھی اس روایت کے متعلق نہیں لکھا۔ مگر متن میں موجود ہے۔

اگر وحی غیر تشریعی یعنی غیر قرآنی وحی مراد لی جائے جن کا تعلق احکام حلال وحرام سے نہیں تو ہو سکتا ہے ورنہ خود صحاح ہی کی روایتوں میں موجود ہے کہ آخری آیت جو نازل ہوئی وہ الیوم اکملت لکم دینکم والی آیت ہے جو حجۃ الوداع میں عرفات میں جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ وفات نبوی سے تقریباً تین ماہ پہلے، اس کے بعد پھر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ تکمیل دین کے بعد پھر کوئی دینی مسئلہ نہیں پیدا ہو سکتا اور

صٓ ۲۲۷ سے ۔ [۱] کیف یصح منہ صلعم ھذا الترقب بعد یوم نزل فیہ ۰ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" فماذا النسخ بعد التکمیل وکیف بعد الاتمام التغییر والتبدیل

[۱] : صٓ ۱۴۳ [۱] میں دیکھیے۔

[۲] : ما یعنی نسخ الاحکام فی الکتابۃ ؟ فانھم لیعتقدون النسخ فی آیات القرآن الی یومنا ھذا۔

آخری آیت کے بعد پھر کوئی آیت کس طرح اتر سکتی ہے۔

مگر اس روایت میں ایک پہلو مبہم ایسا رکھا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ وحی کا سلسلہ جب وفات کے وقت تک جاری تھا تو پھر قرآن کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمع فرماتے۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو وفات کے وقت بھی کوئی کاتب وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا وحی لکھتا رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے جاتے۔ مگر ایسا تو کسی روایت میں بھی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا تھا تو نعوذ باللہ خود رسول اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن نازل ہوا جو قرآن کی تعلیم و تبلیغ اور تبلیغ کے لیے مبعوث ہوئے، ان کو بھی پوری زندگی میں ایک منٹ کے لئے پورے قرآن تو کیا کسی پوری سورت سے بھی آشنا ہونے کا موقع نہ ملا۔ دمِ وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ہر سورۃ کو غیر مکمل ہی سمجھتے رہے اور غیر مرتب الایات ہی قرآن پڑھتے پڑھاتے رہے۔ اپنی پوری حیاتِ مبارک میں جو تلاوت قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اللہ جانے کس طرح فرمائی۔ صحابہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیم فرماتے تھے اور خود نمازوں میں پڑھتے تھے تو ان میں آیات کی کوئی ترتیب ہوتی بھی یا نہیں؟

عقل و دیانت والے اتنا کیوں نہیں سمجھتے؟ اہلِ عقل و دیانت اتنا کیوں نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالے نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے مبعوث کیا کہ وہ اس کی کتاب دوسرے تمام انسانوں تک پہنچا دیں، ان کی تعلیم و تبلیین کر دیں اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ تعالے خوب جانتا ہے کہ کہاں اس کی رسالت ہونی چاہیئے اور کس طرح اور کب تک۔ تو اس غرض کے ماتحت جب اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب بھی اتار دی اور نجماً نجماً تھوڑی تھوڑی اسی لئے اتاری کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تعلیم و تبیین، تبلیغ اور جملہ متعلقہ فرائض کی ادائگی میں تثبیتِ قلب اور سکون و طمانیت کے ساتھ سبکدوشی حاصل ہو اور وہ اپنی زندگی میں اپنے تمام مفوضہ فرائض متعلقہ کتاب اللہ کو پوری طرح انجام دے سکیں اور یہ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے کہ ان کے بعد اب کوئی رسول یا نبی آنے والا نہیں اور نہ اس کتاب کے بعد اب کوئی کتاب تا قیامت اترنے والی ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک یہی کتاب ذریعہ ہدایت رہنے والی ہے تو یقیناً اللہ تعالےٰ نے نزول قرآن کی تکمیل کا وقت آپ کی وفات سے کافی پہلے ہی رکھا تاکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک ہی میں پورا قرآن مکمل اور مرتب و مدوّن ہو جائے ورنہ جو چیز غیر مرتب و غیر مدوّن ہو جس کی تکمیل مشتبہ ہو کہ اللہ جانے یہ چیز مکمل ہو گئی یا ابھی اس کا کوئی اور حصہ نازل ہونے کے لئے باقی ہے جو احکام آ گئے وہ اب مکمل دین کی صورت میں قیامت تک کے لئے آ گئے یا ابھی اس میں نسخ اور تبدیل و تغیر کا امکان باقی ہے تو پھر ایسی ناقص چیز کی تعلیم و تلبین اور تبلیغ بھی یقیناً ناقص اور مشتبہ ہی ہوگی ۔ الیوم اکملت لکم دینکم الایہ اور تمت کلمہ ربک صدقا و عدلا کے نزول کے بعد تو پھر کسی آیت احکام کے نزول کا یا کسی طرح کے نسخ اور تبدیل و تغیر کا امکان نہیں ہے جس دن یہ آیت تکمیل کی بشارت لے کر نازل ہو گئی اسی دن نہ فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلکہ تمام صحابہؓ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اب نزول قرآن کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب کوئی آیتِ احکام نہیں اترے گی اور اب کسی طرح کا ردّ و بدل احکام میں نہ ہوگا۔ اس آیت کے نزول کی تاریخ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کا دن بتایا جاتا ہے۔ یعنی وفات نبوی سے تقریباً تین ماہ قبل۔ مگر یہ روایت بھی میرے نزدیک مشتبہ ہی ہے۔ یقیناً یہ آخری آیت وفات نبوی سے کم از کم ڈیڑھ دو سال قبل ہی نازل ہوئی تھی اور نزول وحی قرآنی کا سلسلہ وفاتِ نبوی سے بہت پہلے ختم ہو چکا تھا۔ جس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ جب ہی تو ختم قرآن کے متعلق احکام حدیثوں میں مذکور ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ پوچھتے تھے کہ کتنے دنوں میں قرآن ختم کریں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و موت اللہ کے اختیار میں تھی : اللہ کے اختیار میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و موت تھی۔ یہ محض کوئی انسانی کاروبار تو تھا نہیں کہ کوئی انسان نہیں جانتا کہ ہم اپنا کام ختم کر کے مریں گے یا ناتمام چھوڑ کر۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کو مرتب و مدوّن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے کرائے بغیر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اللہ تعالےٰ کے بس کی بات نہ تھی۔ جب اللہ تعالےٰ نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ یہ آخری نبی و رسول ہوں گے اور قرآن آخری کتاب ہوگی نہ ان کے بعد کوئی رسول آئے گا نہ کوئی دوسری کتاب اترے گی تو یقیناً اللہ تعالےٰ نے قرآن کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مرتب و مدوّن کرا دیا تھا۔

مصحف کہئیے یا قرآن، یہ مجموعہ ہے ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں کا اور ہر سورۃ کم و بیش آیتوں کا مجموعہ ہے اور ہر آیت کم و بیش کلموں سے مرکب ہے۔ اور ہر کلمہ کچھ حروف سے بنا ہے۔ قرآن میں آیت و آیات اور سورت و سورتوں کے الفاظ موجود ہیں جس کے یہ معنی ہوئے کہ کتنے کلموں سے کون سی آیت مرکب ہے اور کتنی آیتوں کا مجموعہ کون سی سورۃ ہے۔ یہ سب منجانب اللہ ہی معیّن و مقرر ہوا اور یقیناً ہر سورۃ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود توقیفی[1] طور سے مرتب و مدون فرمایا اور ہر سورت کا نام بھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کی تلاوت نمازوں میں اور نمازوں سے باہر فرمایا کرتے تھے۔ سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے جو سورت جب مکمل ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم بھی وحی لانے والے فرشتے ہی کے ذریعے ہو جاتا تھا کہ اب یہ سورت مکمل ہو گئی اس لئے ہرگز ہرگز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سورت کے متعلق

سورتوں اور آیتوں کی تحدید توقیفی ھے : بھی اشتباہ کبھی نہ رہا کہ نہ جانے یہ سورت مکمل ہو گئی یا ابھی اس کی کوئی آیت نازل ہونے کے لئے باقی ہے یا نہیں؟ جس سورت کی تمام آیتیں اتر گئیں اور وہ مکمل ہو گئی تو پھر عام صحابہؓ کے حفظ و کتابت

[1] توقیف بمعنی اقامت و تعلیم و تبیین یہاں مراد تعلیم الٰہی سے ہے یعنی منجانب اللہ تعلیم و تبیین کے ماتحت آیات و سور کی ترتیب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

اور قرأت و تلاوت میں داخل ہو کر رفتہ رفتہ مگر بہت جلد ساری دنیائے اسلام تک پہنچ جاتا تھا فلیبلغ الشاهد الغائب کے حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہر حاضر صحابیؓ دور والوں تک اس آیت کو پہنچا دیا کرتا تھا۔ اس لئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ قرآن کی کوئی آیت بھی ایسی ہو جو صرف کسی خزیمہ یا ابو خزیمہ یا حرث بن خزیمہ کے پاس نکلے اور دوسرے صحابہؓ اس سے بالکل بے خبر ہوں یا اٹھارہ انیس برس کے بعد زید بن ثابتؓ کو یاد آئے کہ میں اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنتا تھا۔ وہاں تو جو آیت اترتی تھی فوراً لکھ لی جاتی تھی اور پھر نقل در نقل ہو کر کتابتاً اور تبلیغ در تبلیغ کے سلسلے سے قرأتاً و تلاوتاً تمام حاضر و غائب صحابہؓ میں پہنچ گئی اور پھر ہر سینے میں محفوظ اور ہر سینے میں مکتوب ہو کر پوری دنیائے اسلام میں شائع ہو کر رہی۔ ان حالات میں جن آیات کی قطعیت و یقینیت کالشمس فی نصف النہار ہے۔ اُن کے متعلق ایسی ایسی روایتیں پیش کرنا کہ فلاں آیت صرف فلاں کے پاس تھی اور فلاں آیت فقط فلاں لائے۔ وہ بھی وفاتِ نبوی کے بعد آفتاب پر خاک ڈالنا نہیں تو اور کیا ہے؟

قرآن کی کوئی آیت صرف خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس کیوں ہونے لگی۔

آخر سورہ توبہ و آیت احزاب کی حدیثوں اور خزیمہ و ابو خزیمہ پر مفصل بحث

جمع صدیقی والی حدیث کی روایت زید بن ثابتؓ ان سے عبید بن السباق اور ان سے زہری نے کی ہے ان کی بحث گزر چکی۔ اس میں آخر سورۂ توبہ کی روایتوں کے جمع قرآن کے وقت خزیمہ یا ابو خزیمہ کے سوا اور کسی کے پاس بھی نہ ملنے کا ذکر اسی حدیث کے جوہر کی حیثیت سے مذکور ہے۔ اس حدیث کے بعد باب جمع القرآن میں نقل مصاحف بعہد

عثمانی والی حدیث، حضرت انس بن مالکؓ سے ہے جس کو بلاواسطہ ان سے ابن شہاب زہری ہی روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث میں تو کسی آیت کے نہ ملنے اور پھر کسی کے پاس پائے جانے کا کوئی ذکر نہیں ہے مگر اس حدیث کو ختم کرتے ہی امام بخاری نے ایک دوسری حدیث، بغیر اپنے شیخ اور شیخ کے شیخ کا نام لیئے قال ابن شہاب سے شروع کی ہے جو صرف یہ مضمون ظاہر کرتی ہے کہ مصحف لکھنے کے وقت زید بن ثابت کو یاد آگیا کہ سورہ احزاب کی ایک آیت تھی جس کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر سنا کرتا تھا تو اس کو انہوں نے ڈھونڈھنا شروع کیا۔ آخر خزیمہ بن ثابت الانصاری کے ساتھ ملی۔ وہ آیت من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ (الخ) تو انہوں نے اس آیت کو مصحف میں لگا لیا۔ اس حدیث کو زہری انس بن مالکؓ سے نہیں بلکہ خارجہ بن زید سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد

خارجہ بن زید نے جمع قرآن یا نقل مصاحف کے واقعے کی روایت نہیں ہے صرف آیت سورہ احزاب کے متعلق روایت ہے

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے۔ اس باب جمع القرآن میں تو امام بخاری نے اپنے شیخ اور شیخ کے شیخ کا نام نہیں لکھا ہے مگر کتاب التفسیر میں بضمن تفسیر سورۂ احزاب اسی حدیث کو صحیح بخاری ہی میں پورے اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری، قال اخبرنا خارجۃ زید بن ثابت (الخ) البتہ دونوں روایتوں میں تھوڑا فرق ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ دونوں جگہ کی حدیث، میں یہاں نقل کردوں تاکہ ماہرین حدیث غور فرمائیں کہ دونوں جگہ ایک ہی حدیث ایک ہی اسناد والی لکھی جاتی ہے مگر الفاظ میں پھر بھی کافی فرق ہے۔ کیا یہ فرق صرف اس وجہ سے پیدا ہو گیا کہ ایک جگہ امام بخاری اپنے شیخ اور شیخ کے شیخ کے نام لکھتے ہیں اور دوسری جگہ نہیں لکھتے یا کوئی اور وجہ ہے" یہ فرق تو یقیناً خاص امام بخاری کی طرف سے ہے اور بلا وجہ ہے' کوئی معقول سبب اس فرق کا نہیں مل سکتا۔ بہرحال دونوں جگہ کی عبارتیں حسب ذیل ہیں:

باب جمع قرآن والی روایت	قال ابن شہاب واخبرنی خارجۃ زید بن ثابت

انہ سمع ابن ثابت قال فقدت آیتہن الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بھا فالتمسنا ھا فوجدنا ھا مع خزیمۃ بن ثابت الانصاری من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فالحقناھا فی سورتھا فی المصحف۔

تفسیر سورۂ احزاب والی روایت حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنا خارجۃ بن زید بن ثابت قال لما نسخنا المصحف فی المصاحف فقدت ایۃ من سورۃ الاحزاب کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأھا لم اجد ھا مع احد الا مع خزیمۃ الانصاری الذی جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادتہ شہادۃ رجلین " من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ "

کتاب الجہاد والی روایت پھر کتاب الجہاد میں بھی یہی حدیث بعینہ اسی اسناد سے ایک تحویل کے ساتھ مذکور ہے جو حسب ذیل ہے : حدثنا ابو الیمان انا شعیب عن الزھری ح وحدثنا اسمعیل ثنی اخی عن سلیمان اراہ عن محمد بن ابی حسن عن ابن شہاب بن خارجۃ بن زید بن ثابت قال نسخت الصحف فی المصاحف ففقدت ایۃ من الاحزاب کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بھا فلم اجدھا الا مع خزیمۃ الانصاری الذی جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادتہ شہادۃ رجلین وھو من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ ابن حجر تحویل کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اسمٰعیل سے مراد اسمعیل بن ابی اویس ہیں اور ان کے بھائی ابوبکر عبد الحمید ہیں اور سلیمان سے مراد ابن بلال ہیں اور "اراہ عن محمد بن ابی عتیق" یہ قول اسمعیل کا ہے یہ اس لئے کہ باوجود لقا کے ان کا بلاواسطہ زہری سے روایت کرنا محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ۴ صـ۱۲۶ میں لکھتے ہیں کہ لقی الزھری ولکنہ یروی

کثیر حدیث عن قد ماء اصحابہ مگر اس کی وجہ ابن حجر نے نہیں لکھی حقیقت یہ ہے کہ سلیمان بن بلال موالی قریش سے تھے۔ مدینہ میں برابر رہے اسی لئے مدنی کہے جاتے ہیں۔ زہری اَیلَہ کے رہنے والے تھے۔ اَیلَہ میں برابر رہے۔ تحصیلِ حدیث کے لئے شہر بشہر ضرور گھومے۔

زھری کے مدنی نہ ھونے کی ایک اور دلیل اس سلسلے میں مدینہ بھی آئے۔ جمع حدیث کے شغلہ سے پہلے حضرت علی بن حسین کی خدمت میں کچھ دنوں رہے تھے تو اس وقت روایت حدیث کا چرچا ہی نہ تھا۔ جب یہ خود حدیثیں روایت کرنے لگے تو یہ اپنے کاروبار کی وجہ سے اپنے وطن ایلہ میں رہے۔ لوگ ایلہ ہی پہنچ کر ان سے حدیثیں لیتے تھے۔ جیسا کہ ان کے ترجمے میں مذکور ہوا۔ سلیمان ابن بلال کو ایلہ جانے کا موقع نہ مل سکا کہ ان سے حدیثیں لیتے اور مشغلۂ روایتِ حدیث سے پہلے جب زہری مدینہ آئے تھے تو ملاقات ہو گئی ہو گی۔ سلیمان کا سالِ وفات ۱۷۲ھ اور بروایت امام بخاری ۱۷۷ھ ہے۔ مدینہ میں اگر انہوں نے زہری کو دیکھا بھی ہوگا تو بچپن میں۔

باقی رہے اسمٰعیل بن ابی اویس ان کا اصل نام اسمعیل بن عبداللہ بن عبداللہ بن اویس ہے جو اس حدیث میں بخاری کے شیخ ہیں ان کا ترجمہ تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۱۰ میں مفصل ہے۔ ان کے ضعف پر محدثین کا اجتماع ہے اور النسائی وغیرہ نے ان کو غیر ثقہ لکھا ہے اور یحییٰ بن معین وغیرہ ان کو کذّاب لکھتے ہیں۔ امام مالکؒ کے بھانجے تھے۔ ان سے ایسی ایسی عجیب وغریب حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں جن کو کسی نے نہیں سنا اس لئے ان کی تحویل سے اس حدیث کو کوئی تقویت متابعت حاصل نہیں ہو سکتی۔

تو اسمعیل بن ابی اویس کی متابعت سے قطع نظر ہی کرنا صحیح ہے اور یہ ماننا پڑے گا کہ یہ حدیث صرف ایک ہی سلسلہ اسناد سے ہر جگہ مروی ہے یعنی ابوالیمان عن شعیب عن الزہری اور ہم لکھ چکے ہیں کہ ابوالیمان، حکم بن نافع البہرانی الحمصی جو موالی میں سے

تھے۔ ان کی روایت شعیب سے منقطع ہے۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب جلد ۲ صہ۱۴۱ میں لکھا ہے قال الاجری لم یسمع ابوالیمان من شعیب الا کلمۃ شعیب سے ابوالیمان نے ایک آدھ کلمہ سے زیادہ کبھی کچھ نہیں سنا۔ بہرحال اس حدیث کو ابوالیمان ہی تنہا شعیب سے روایت کر رہے ہیں اور شعیب زہری سے۔ اور اسی سلسلۂ اسناد سے یہ حدیث تین جگہ مروی ہے۔ ایک جگہ ابوالیمان و شعیب کا نام حذف کر کے زہری ہی سے شروع کی گئی یعنی باب جمع القرآن میں۔ مگر یہاں اسمٰعیل بن ابی ادیس کا سلسلہ غالباً محذوف نہیں ہے۔

ایک ہی حدیث تین جگہ مگر بیان کا عنوان مختلف

اب ان تینوں جگہوں کی عبارتوں پر نگاہِ غور ڈالیئے۔ سب سے پہلے تو جمع قرآن والی حدیث میں ایک واو عطف کا اضافہ آپ کو نظر آئے گا کہ قال ابن شہاب واخبرنی خارجۃ اور تفسیر سورۂ احزاب میں قال اخبرنا خارجۃ اور کتاب الجہاد میں صرف عن خارجۃ ہے۔ نی اور نا کا فرق تو جانے دیجئے۔ سوال یہ ہے کہ وہاں یہ واو کیسا ہے؟ اور اس کا عطف کس پر ہے؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عطف اس سے پہلے والی حدیث پر ہے جس میں نقل مصاحف بعہد عثمانؓ والا واقعہ حضرت انس بن مالک سے زہری روایت کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ابن شہاب سے انس بن مالکؓ نے تو صرف نقل مصاحف کا حال بیان کیا۔ مگر اس موقع پر جو سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی اور ڈھونڈھنے کے بعد خزیمہ بن ثابت الانصاری کے پاس ملی، اس کا ذکر انسؓ بن مالکؓ نے نہیں کیا۔ اس کمی کو خارجہ بن زید نے پورا کر دیا۔ اسی لئے یہ واو عطف قصداً لایا گیا۔ یعنی انس بن مالکؓ نے تو اسی قدر بیان کیا۔ اور یہ بات جو ان سے رہ گئی تھی اس کو خارجہ نے بیان کر دیا۔ اہل ادب وصل و فصل کے قاعدے سے واقف ہیں؟ کہ یہ واوٗ عطف اپنے ماسبق سے فی الجملہ تعلق ظاہر کرنے کے لئے ہی لایا گیا ہے۔ وہ ماسبق قریب کا ہو یا بعید کا، اگر قریب اصولاً اس تعلق کا بعید سے زیادہ

مستحق ہے۔ اور یہ بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ نہیں۔ اس کا عطف اس پہلی؛ جمع صدیقی والی حدیث میں جو حتی وجدت آخر سورۃ توبہ مع ابی خزیمۃ الانصاری کا جملہ ہے، اس پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عبید بن السباق زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ جمع صدیقی کے وقت آخر سورہ توبہ کی دو آیتیں ابوخزیمہ انصاری کے سوا اور کسی کے ساتھ نہ ملیں اور خارجہ بن زید کہتے ہیں کہ سورہ احزاب کی آیت نہیں مل رہی تھی جس کو ڈھونڈھا گیا تو خزیمہ بن ثابت الانصاری کے ساتھ ملی۔ البتہ انداز بیان میں اتنا فرق ہے کہ عبید کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زید نے جمع قرآن کا کام جب شروع کیا تو ایک ایک آیت حافظوں سے زبانی پوچھتے تھے اور تحریر طلب کرتے تھے تو آخر سورۂ توبہ پر جب پہنچے تو یہ ابوخزیمہؓ کے سوا اور کسی کے ساتھ نہیں پائی گئی، غالباً لکھی ہوئی، مگر خارجہ کے بیان سے یہ پتہ ملتا ہے کہ سورہ احزاب کی ایک آیت کسی کے پاس ملتی ہی نہ تھی جب اس کی تلاش ہوئی تو خزیمہ بن ثابت کے ساتھ

لہ: اور تفسیر ابن کثیر میں مسند امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ عبداللہ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ حرث بن الخزیمہ آخر سورۂ براۃ کی ان دونوں آیتوں کو لے کر (جمع قرآن کے وقت) حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا مگر میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور ان کو لکھ رکھا ہے اور یاد کر لیا ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں (بھی) قسم کھاتا ہوں کہ میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو میں ان کو ایک علیحدہ سورہ بنا دیتا۔ تو پھر قرآن کا کوئی سورہ دیکھو اور ان کو اس میں رکھ دو۔ تو لوگوں نے ان کو سورہ براۃ کے آخر میں رکھ دیا (تفسیر ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۹۵) تفسیر ابن کثیر میں اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی کا نام علی بن محمد بن سلمہ لکھا ہوا ہے جو اس حدیث

ملی۔ غالباً یہاں بھی یہی مراد لیا جائے گا کہ لکھی ہوئی نہیں ملتی تھی۔ تلاش کے بعد خزیمہ کے پاس لکھی ہوئی ملی۔ البتہ جبیدہ و خارجہ دونوں کے انداز بیان سے اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے

صـ۲۳۷ سے

کو محمد بن اسحق سے اور وہ یحییٰ بن عباد سے وہ اپنے والد عباد بن عبداللہ سے وہ اپنے والد عبداللہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں مگر علی بن محمد بن سلمہ کوئی راوی حدیث ہی نہیں ہے۔ مسند احمد میں صحیح نام علی بن مجاہد بن مسلم ہے۔ جس کا ترجمہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب جلد ۷ صـ۳۷۹ میں لکھا ہے۔ یہ شخص محمد بن اسحق سے بھی روایت کرتا ہے ابن حجر لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ یہ شخص حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ایک کتاب المغازی بھی اس نے تصنیف کی تھی جس کی ہر روایت کے لئے اپنی طرف سے اسناد بنالی تھیں اور یحییٰ بن الضریس وغیرہ نے اس کو کذاب کہا ہے۔ اس حدیث کو ابن حجر نے فتح الباری جلد۹ صـ۲۳ میں بھی نقل کیا ہے مگر اس کا ذکر ہی نہیں کیا کہ محمد بن اسحق سے اس کو کون روایت کرتا ہے ایک حدیث اور بھی تفسیر ابن کثیر جلد ۵ صـ۹۵ میں ہے اور وہ بھی مسند احمد ہی سے ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ خلافت ابی بکرؓ میں لوگ قرآن جمع کرنے لگے مصاحف میں تو کچھ لوگ لکھتے تھے مگر لکھواتے تھے ابی بن کعب۔ تو جب سورۂ براءت کی (آخری آیتوں میں سے) اس آیت پر پہنچے ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم الآیہ تو لوگوں نے گمان کیا کہ یہ قرآن کا آخری حصہ ہے جو نازل ہوا۔ تو ابی بن کعب نے فرمایا کہ اس کے بعد مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آیتیں پڑھائی تھیں لقد جاءکم رسول من انفسکم آخر سورہ تک اور کہا کہ یہ قرآن کا آخری حصہ ہے جو نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ختم کیا اسی

آخر سورہ والی آیت ابی بن کعب کے پاس تھی چیز سے جس سے شروع کیا۔

اللہ الذی لا الٰہ الا ھو سے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون (سورۂ انبیاء آیت ۲۵)

اس حدیث کے راوی بھی بعض مجہول بعض مجروح اور شیعے ہیں چنانچہ ربیع بن انس

ملہ: کنز العمال ج۱ صـ۲۴۲ میں مسند احمد اور طبرانی سے منقول ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے فرمایا کہ آخری آیت جو اتری وہ لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ ہے۔

کہ آیت کے نہ ملنے کا احساس صرف زید بن ثابت کو ہوا۔ اور صرف انہیں نے پایا بھی۔
جمع صدیقی کے وقت تو تنہا زید بن ثابتؓ تھے ہی، کوئی دوسرا تو شریکِ کار ان کا تھا ہی

صفحہ ۲۳۲ سے
جو اس حدیث کو ابوالعالیہ سے اور وہ ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں، شیعہ تھے اور
شیعیت میں غلو رکھتے تھے اور یہ بھی نہ کھلا کہ سورہ انبیاء کے دوسرے رکوع کی پندرہویں
آیت سے ابتدا کس شئے کی اور آخر سورہ توبہ پر ختم کس چیز کا ہوا؟ کیا سب سے پہلی آیت
وہی تھی؟ یا سورہ توبہ کے شروع میں بھی راوی کے نزدیک ابی بن کعب کے عندیے میں
یہ آیت تھی جو حذف ہو گئی؟ معاذ اللہ کیا کیا حدیثیں ہیں؟ تعریف کیجیئے ان حدیثوں
کو اپنی کتابوں میں درج کرنے والوں کی امانت و دیانت کی۔

ترمذی میں عبداللہ بن مسعود کی ناگواری اور ترمذی جلد دوم ص۱۳۴ میں
ہے کہ ابن شہاب زہری نے کہا کہ مجھ کو عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے کہا کہ زید بن ثابتؓ
کا کتابتِ مصاحف کے لئے انتخاب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ناگوار گزرا اور انہوں
نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے جماعت مسلمین! میں تو کتابت مصاحف سے
معزول کیا جاؤں اور اس کا ذمہ دار ایک معمولی آدمی ہو! اللہ کی قسم میں نے اس وقت اسلام
قبول کیا تھا جبکہ وہ ایک کافر کی پشت میں تھا ان کی مراد زید بن ثابت تھے اور اسی لئے
عبداللہ بن مسعودؓ نے اہل عراق سے کہا کہ اے اہل عراق، تم لوگ اپنے اپنے مصاحف کو
پوشیدہ اور "مغلول" رکھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص "غلول" کرے گا، جس چیز
کے ساتھ غلول کرے گا، اس کو لئے ہوئے قیامت کے دن آئے گا۔ (سورہ آل عمران آیۃ ۱۶۱
پ ۴) تاکہ اللہ تعالیٰ سے ان مصاحف کے ساتھ مصافحہ کرو" اس روایت کے راوی
بھی زہری ہی ہیں۔ تعجب ہے کہ تفسیر ابن کثیر اور مسند امام احمد میں تو ہے کہ ابی بن کعبؓ
فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ کے زمانے میں جمع قرآن کے وقت میں ہی بتاتا جاتا تھا اور لوگ
لکھ رہے تھے اور بخاری ترمذی و نسائی وغیرہ میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے صرف زید بن ثابتؓ

نہیں۔ نقل مصاحف بعہد عثمانی کے موقع پر۔ ہر چند ان کے تین اور شریک لائے گا رہتے
مگر صرف وہ لکھنے میں شریک تھے، اسی لئے نسخنا میں جمع متکلم کا صیغہ لایا گیا مگر

ص ۲۳۹ سے

کے ذمے جمع قرآن کا کام سپرد کیا۔ ان صحاح کی کتابوں میں ابی بن کعب کا کہیں نام نہیں

عبداللہ بن مسعودؓ کو شکایت اور ان کا غصہ — اور یہاں ترمذی میں ہے کہ
عبداللہ بن مسعودؓ کو شکایت تھی کہ کتابت مصاحف کا کام ایک کم سن چھوکرے کے سپرد کیا
گیا اور ہمیں نہیں پوچھا گیا۔ اگر یہ شکایت نقل مصاحف بعہد عثمانی کے وقت کے متعلق ہے
(جیساکہ ترمذی کی حدیث سے کچھ پتہ چلتا ہے) تو غصہ بے جا تھا۔ اس وقت تو ان
کے ایک ہم پلہ ابی بن کعب کے ڈکٹیشن کراتے ہوئے مصحف کی فقط نقل کا کام کرنا تھا
اگر اس میں ان کو نہ رکھا گیا تو کون سی جائے شکایت تھی بہرحال سب سے زیادہ مقام
تعجب تو یہ ہے کہ سورۂ آل عمران کی آیت میں نعوذ باللہ تحریف معنوی کی گئی۔ پوری آیت
یوں ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى
كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ٥ "اور کسی نبی کا یہ کام نہیں ہے کہ چھپا رکھے اور جو
کوئی چھپائے گا وہ لائے گا اپنی چھپائی چیز کو دن قیامت کے، پھر پورا پائے گا ہر کوئی

غلول کا حکم — جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا (ترجمہ شیخ الہند) اہل لغت
کے نزدیک بالاتفاق غَلَّ يَغُلُّ خیانت اور بنیت خیانت کسی چیز کے چھپانے کے
معنی میں مستعمل ہے۔ آیت میں یہی معنی مراد ہیں کہ کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ کوئی بات
یا کوئی چیز بنیت خیانت کسی سے چھپائے" کیونکہ جو ایسا کرے گا وہ اس بات یا اس
چیز کے ساتھ جس کو اس نے بنیت خیانت چھپایا تھا، قیامت میں آئے گا۔ تو پھر حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ کا اہل عراق سے کہنا کہ تم اپنے مصاحف کو نیت خیانت چھپائے رکھو
تاکہ قیامت کے دن ان مصاحف کے ساتھ جن کو تم نے بنیت خیانت چھپایا تھا حاضر ہو
سکو۔ کس قدر قابل اعتراض ہے اور یہ کتنا بڑا اتہام و افتراء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

ص ۲۴۱ پر

آیت احزاب صرف انہی کو یاد آئی کیونکہ صرف یہی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتے تھے۔ اسی لئے فقدت اور کنت اسم بصیغہ واحد متکلم لائے گئے البتہ تلاش کرنے میں سب شریک تھے۔ اسی وجہ سے فالتمسناھا میں جمع متکلم کی ضمیر پھر لائی گئی۔ پھر جب سب نے ڈھونڈا تو سب نے پایا بھی، اسی لئے وجدناھا بھی جمع میں لایا گیا۔

غرض یہ واؤ عطف اس حدیث کو اس باب جمع القرآن میں نقل مصاحف بعہد عثمانی کے واقعہ کے ساتھ بھی جوڑ رہا ہے اور پھر جمع صدیقی والے واقعہ کی طرف بھی غمازی کر رہا ہے جس کا جدھر جی چاہے، لگالے۔ البتہ امام بخاری نے یہاں اپنے شیخ اور شیخ کے شیخ کا نام اڑا کر اور اس حدیث کو نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث کے بعد لکھ کر اور پھر ایک واؤ اپنی طرف سے بڑھا کر، تاکہ اس کا عطف قریب ہی پر کرنا زیادہ قرین قیاس

صفحہ ۲۴۰ سے

پر ہے اور کوفے ہی کی گھڑی ہوئی ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ایک اور بہتان | عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھے کس کی قرأت پڑھنے کے لئے کہتے ہو؟ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قرأت؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ستر (۷۰) سے کچھ اوپر سورتیں سیکھی ہیں جس وقت زید لڑکوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ یہ روایت اعمش کوفی سے ہے۔ گویا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بطور خود جو چاہا لکھ دیا، جس کو دو دو خلیفۂ راشدین نے لکھوایا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حسب روایت بخاری تین قریشی صحابیوں کی نگرانی میں صاف کرایا اور نقل کرایا اور خود بھی اس پر نظر رکھی۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے جس پر مہر تصدیق ثبت کی، اس سے تنہا ان کا اختلاف کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ دوسرا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی تو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے قرآن پاک سیکھا اور سنا تھا۔ انھوں نے تو صرف ستر (۷۰) سے کچھ اوپر سورتیں ہی سیکھی تھیں، کتنوں نے پورا قرآن پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور سیکھا تھا۔ مگر دراصل یہ سب بہتان ہے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر۔ اعمش کی روایتیں، نسائی جلد دوم صفحہ ۲۷۶ میں ہیں۔

سمجھا جا سکے اس کی پوری کوشش فرمائی ہے کہ اس حدیث کو نقل مصاحف بعہد عثمانی ہی سے متعلق ثابت کیا جائے۔ اور پھر اس کی زبردست تائید مزید یوں بھی

امام بخاری کی کوشش

کی کہ اس حدیث کو جب تفسیر سورۂ احزاب میں لکھنے لگے تو وہاں اس مضمون کو کچھ الفاظ بڑھا کر اور واضح فرما دیا اور اسی طرح کتاب الجہاد میں بھی۔ کیونکہ وہاں تو اس سے پہلے نقل مصاحف بعہد عثمانی والی روایت کے ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ وہاں بھی ایک واؤ عطف بڑھا کر اس حدیث کا تعلق عہد عثمانی سے بذریعہ عطف قائم کر سکیں اس لئے یہاں یہ مقصد کچھ الفاظ بڑھائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ وہاں تو صرف حین نسخنا المصحف کا لفظ تھا۔ یہاں لما نسخنا الصحف فی المصاحف کا لفظ لائے۔ اس لئے کہ صحف صدیقی کو بھی مصحف کہہ سکتے ہیں اور بعض روایتوں سے اس کا پتہ ملتا بھی ہے کہ ایک مصحف میں حضرت صدیق اکبرؓ نے

ابن شہاب سے جمع قرآن کی ایک اور روایت ابن شہاب ہی سے مغازی موسیٰ بن عقبہ میں مروی ہے کہ لما اصیب المسلمون بالیمامۃ فزع ابوبکر وخاف ان یہلک من القرآن طائفۃ فاقبل الناس بما کان معہم وعندہم حتی جمع علی عہد ابی بکر فی الورق فکان ابوبکر اول من جمع القرآن فی المصحف (اتقان صـ۴۲ مطبوعہ مطبع احمدی) یعنی جب جنگ یمامہ میں مسلمانوں پر مصیبت آئی تو حضرت ابوبکرؓ گھبرائے اور ڈرے کہ کہیں قرآن کا ایک حصہ برباد نہ ہو جائے تو جس کے پاس یا جس کے ساتھ جو کچھ تھا لے لے کر آتا گیا۔ یہاں تک کہ اوراق میں قرآن عہد ابی بکرؓ میں جمع ہو گیا تو ابوبکرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مصحف میں جمع کیا۔ یہ روایت بھی انہی ابن شہاب سے ہے، یاد رہے۔

قرآن متعین کرایا تھا۔ اس لئے صحف کا مصاحف میں لکھا جانا صاف طور سے کہا جائے گا جب تو اس واقعے کو قطعیت کے ساتھ عہد عثمانی ہی کا کہا جائے گا پھر وہاں صرف خزیمہ بن ثابت الانصاری تھا۔ یہاں یہ تصریح ہے کہ وہ خزیمہ جن کی ایک شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا، اس لئے کہ سورۂ توبہ کے ملنے کا ذکر وہاں باب جمع قرآن میں ابوخزیمہ کے ساتھ کیا گیا ہے اور اسی کتاب التفسیر میں خزیمہ کے ساتھ ہے تو جب کتاب التفسیر میں آخر سورہ توبہ و آیت احزاب دونوں کے ملنے کا ذکر خزیمہ ہی کے ساتھ ہوگا تو یقیناً یا تو لوگوں کو شبہ ہوگا یا ایک واقعہ کو غلطی روایت پر محمول کیا جائے گا۔ اس لئے کتاب التفسیر اور کتاب الجہاد میں آیت احزاب

ایک شہادت دو شہادت کے برابر

والی حدیث میں خزیمہ کے ساتھ الذی جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادتہ شہادۃ رجلین کہہ کر صاف کر دیا گیا تاکہ آخر سورہ توبہ (والی حدیث) جو کتاب التفسیر میں ہے اور اس میں بھی خزیمہ ہی کا نام ہے تو یا تو یہ کوئی اور خزیمہ سمجھے جائیں یا غلطیٔ روایت قرار دی جائے اور ابوخزیمہ ہی سمجھا جائے۔ اگرچہ خود امام بخاری نے یہ حدیث خزیمہ بن ثابت کے ذوالشہادتین ہونے کی کہیں اپنی کتاب الصحیح میں درج نہیں فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ بن ثابت الانصاری کی ایک شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا۔ یہ حدیث یقیناً امام بخاری کو نہیں ملی تھی، یا ملی تھی تو ان کی شرائط کے مطابق قابلِ وثوق ذریعے سے نہیں ملی۔ اس لئے ان کو رد کر دینا پڑی۔ مگر اس قابل رد روایت کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ذوالشہادتین ہونے کی روایت بخاری میں نہیں

بہرحال ان کے ذوالشہادتین ہونے کی حدیث پر بحث آگے آتی ہے۔ ابھی اس حدیث کو صرف تین جگہ نقل کر کے جو امام بخاری نے متن حدیث میں فرق کیا ہے اور اس کی کوشش کی ہے کہ آیت احزاب والا واقعہ عہد عثمانی ہی سے متعلق کیا جائے، اس پر غور فرما لیجئے یہاں بس اسی قدر سمجھ

لیجیئے کہ ذوالشہادتین بنانے کی روایت بخاری میں نہیں ہے۔ امام بخاری نے جمع صدیقی والی حدیث باب جمع القرآن میں اس اسناد سے شروع کی ہے۔ حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل عن ابراھیم بن سعد قال حدثنا ابن شہاب (الخ) اور کتاب التفسیر میں اس اسناد سے حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری۔ اور یہ آیت سورہ احزاب والی حدیث بھی کتاب التفسیر اور کتاب الجہاد میں بعینہٖ اسی دوسرے اسناد سے ہے یعنی حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری کتاب التفسیر میں دونوں حدیثوں کے اسناد بالکل ایک ہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہاں امام بخاری ابوالیمان سے، وہ شعیب سے، وہ زہری سے اور وہ عبید بن السباق سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن ثابت نے کہا (الخ) اور یہاں امام بخاری انہی ابوالیمان سے، وہ انہی شعیب سے، وہ انہی زہری سے اور وہ خارجہ سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن ثابت نے کہا (الخ) فرق صرف عبید بن السباق اور خارجہ بن زید کے ناموں کا ہے اور بس۔ یہ تو صرف اسناد کا فرق ہوا، مضمون کا فرق یہ ہے کہ عبید بن سباق والی روایت میں جمع قرآن کے پورے واقعے کا ذکر ہے اور خارجہ والی روایت میں اوپر کے واقعے جمع قرآن کا کوئی ذکر نہیں۔ آگے چلیئے تو زہری نے عبید سے سن کر بقول ابوالیمان وشعیب کہا کہ جمع صدیقی کے وقت آخر سورہ توبہ کی دو آیتیں خزیمۃ الانصاری کے ساتھ ملیں۔ ان کے سوا اور کسی کے ساتھ نہ تھیں اور خارجہ سے بقول ابوالیمان وشعیب زہری نے سن کر کہا کہ نسخ

عبید بن سباق اور خارجہ بن زید دونوں کی روایتوں کا فرق

مصحف (حسب حدیث باب جمع القرآن) یا نسخ مصحف در مصاحف (حسب حدیث کتاب التفسیر اور کتاب الجہاد) کے وقت سورہ احزاب کی ایک آیت نہیں ملتی تھی۔ تلاش کرنے سے خزیمہ بن ثابت الانصاری کے ساتھ ملی جن کی تنہا شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مردوں کی شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا (حسب حدیث کتاب التفسیر و کتاب الجہاد) غرض کتاب التفسیر میں آیت توبہ و آیت احزاب دونوں کے متعلق

خزیمہ ہی کا لفظ ہے۔ کسی جگہ بھی ابو خزیمہ نہیں ہے۔ دونوں حدیثوں کی اسناد کی وحدت بتا رہی ہے کہ ایک ہی موقع کا ایک ہی واقعہ ہے مگر عبید اور خارجہ میں صرف اختلاف آیت کا ہے لیکن "نسخ مصحف" اور پھر "نسخ صحف فی المصاحف" کا لفظ دونوں کو دو واقعہ بتانے کی غمازی کر رہا ہے۔ کس خوبصورتی سے ان حدیثوں کے بنانے والوں نے الفاظ نگینے کی طرح جڑے ہیں۔

امام بخاری نے ابو الیمان و شعیب والی اسناد کی حدیث کو باب جمع قرآن میں نہیں لکھا کہ ان دونوں کی وحدت اسناد اور پھر دونوں میں خزیمہ ہی کا نام دونوں آیتوں کے نہ ملنے اور پھر پائے جانے کو ایک ہی واقعہ جمع صدیقی سے متعلق کر دے گا اور ایک روایت غلط ضرور ثابت ہو کر رہے گی۔ اس لئے ابو الیمان و شعیب والی حدیث متعلق جمع صدیقی کو تو کتاب التفسیر میں رکھا اور یہاں باب جمع القرآن میں موسیٰ بن اسمٰعیل اور ابراہیم بن سعد کی روایت سے حدیث جمع صدیقی درج کی۔ باوجود اس کے کہ ابراہیم سے زہری کی حدیثوں کی روایتیں عامۃ محدثین کے نزدیک ضعیف سمجھی جاتی ہیں تاکہ اختلاف اسناد اور خزیمہ و ابو خزیمہ کے فرق سے دونوں آیتوں کی حدیثوں کو دو واقعوں سے متعلق کر کے دونوں کو صحیح ثابت کر دیا جا سکے حقیقت یہ ہے کہ یہاں شیخ اور شیخ کے شیخ کا نام حذف کر دینے نے اور قال ابن شہاب کہہ کر یہاں اس حدیث کو شروع کرنے نے اور پھر اصل متن حدیث میں ایک واؤ عطف بڑھا دینے نے بڑا کام کیا۔ جس نے اس حدیث کو بخاری میں اس دور اندیشی کے ساتھ داخل کیا ہے بڑا ادیب اور نکتہ سنج تھا۔

باب جمع القرآن اور کتاب التفسیر دونوں جگہ کی عبارتوں میں ایک معمولی سا فرق یہ بھی ہے کہ باب جمع القرآن میں فالتمسناھا فوجدناھا بصیغۂ جمع متکلم لایا گیا ہے تاکہ ڈھونڈھنے والوں اور پانے والوں کی جماعت ثابت ہو سکے اور چونکہ نقل مصاحف کے وقت بقول راویان حدیث زید بن ثابتؓ کے ساتھ تین قریشی کاتب

بھی تھے اس لئے یہ خیال کیا جا سکے کہ اسی موقع پر ان کے ساتھ ایک جماعت شریک کار تھی جو آیت احزاب کی تلاش اور پھر پانے میں زید بن ثابت کی شریک رہی۔ مگر کتاب التفسیر کے موقع پر اتنی باریک بینی پیشِ نظر نہیں رہی اس لئے وہاں فالتمسناها فوجدناها کا لفظ حدیث میں بڑھانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ صرف نسخنا الصحف فی المصاحف کہہ کر وہاں نقل مصاحف بعہد عثمانی کے واقعے کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور ایک ہی صیغۂ جمع سے کام نکال لیا گیا۔ اسی طرح "فالحقناها فی سورتها فی المصحف" بھی باب جمع القرآن میں ایک اضافہ مفید ہے ایک تو الحقنا کی ضمیر جمع متکلم نسخنا، التمسنا اور وجدنا کی طرح متعدد شرکائے کار کا ثبوت دے رہی ہے اور پھر الحاق فی المصحف کا لفظ بھی ذو پہلو ہے یعنی وہ مصاحف جو نقل کیے جا رہے تھے اس میں الحاق کیا گیا، بایں طور کہ ہر شخص نے

الحاق فی المصحف کا لفظ ذو پہلو ہے

اپنے اپنے مصحف میں اس آیت کا اس کی جگہ پر الحاق کر لیا یا یہ مطلب لیجیے کہ پہلے مصحف صدیقی ہی میں الحاق کر لیا گیا۔ پھر یہ کہنے کی ضرورت نہ رہی کہ نقلوں میں بھی الحاق کیا گیا، وہ تو یقیناً ہوا ہی۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیثیں گھڑنے والے اپنے فن کے بڑے ماہر تھے اور کافی غور و خوض کے بعد ایک جماعت وضاعین حدیث ایک ایک لفظ پر باہم بحث و تمحیص کر کے موضوع حدیثوں کی عبارتیں مرتب کرتی تھی جب ہی تو بڑے بڑے محدثین دھوکہ کھائے بغیر نہ رہتے تھے البتہ تعجب یہ ہے کہ ان وضاعین و کذابین کے ساتھ رہتے رہتے اکابر محدثین بھی حدیثوں کی تطبیق میں بہت کافی حد تک تدلیس فی المتن والاسناد کے مرتکب ہو جاتے تھے جیسا کہ امام بخاری کی اس ایک حدیث میں کئی طرح کی تدلیس آپ نے دیکھی اور تدلیس بھی ایسی جس کو بدترین تدلیس کہنا چاہیئے۔ مگر کتاب الجہاد میں ہر جگہ ضمیر واحد متکلم ہی کی رہی۔ صرف صحف و مصاحف کے دو لفظوں کو وہاں کافی سمجھا گیا اس لئے کہ یہاں تو یہی ایک حدیث تھی کسی دوسری حدیث سے تشابہ کا کوئی ڈر نہ تھا مگر

حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری کا دامن اس تدلیس سے پاک ہے۔ الزام ہے ان حدیثوں کو ان کی کتاب میں داخل کر دینے والوں پر۔

خزیمہ و ابوخزیمہ اس کی بحث کسی قدر تفصیل کے ساتھ اوپر گزر چکی ہے یہاں تک کہ اس کا نقشہ بھی بنا کر دکھا دیا گیا۔ میں وہ نقشہ پھر دوبارہ یہاں پیش کر دیتا ہوں (صفحہ ۱۹۶ پر) تاکہ ناظرین کو ورق الٹنے کی زحمت گوارا نہ کرنی پڑے۔

مختصر یہ ہے کہ شعیب اور یونس ابن شہاب سے خزیمہ کی روایت کرتے ہیں اور ابراہیم و عبدالرحمٰن ابن خالد ابوخزیمہ کی۔ مگر ابراہیم سے ان کے بیٹے یعقوب ایک اور روایت خزیمہ کی بھی کرتے ہیں۔ ابوثابت کو شک ہے کہ ہم سے ابراہیم نے "خزیمہ" کہا یا "ابوخزیمہ" اور پھر یہ آخر سورہ توبہ کی دو آیتیں نہیں بلکہ صرف ایک ہی آخری آیت کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ اس لئے ابراہیم کی روایت میں سخت اضطراب ہے اور یہ زہری کی حدیثوں میں بہت ضعیف بھی سمجھے جاتے ہیں اور پھر شیعوں میں ان کا رسوخ بھی ان کو کچھ مشتبہ کرتا ہے۔ باقی رہ گئے عبدالرحمٰن بن خالد تو یہ تو ائمہ رجال کے نزدیک منکر حدیث ہی ہیں اور پھر شیعوں میں کافی حد تک ممدوح اور ثقہ و حجت ہیں اس لئے ابوخزیمہ کی روایت بحیثیت نقد و رواۃ کے بے حد کمزور ہے۔

امام بخاری سے ایک سوال اگر امام بخاریؒ زندہ ہوتے یا میں ان کے وقت میں موجود ہوتا تو ان سے ضرور یہ پوچھتا کہ آپ نے آیت احزاب کے ملنے کو خزیمہ بن ثابت کے متعلق کیا اور تنہا ان کی شہادت سے آیت احزاب کا قرآن میں داخل کر دیا جانا ان کے ذوالشہادتین ہونے کی وجہ سے اپنے نزدیک صحیح ثابت کر دیا۔ باوجود اس کے کہ آپ ان کے ذوالشہادتین ہونے کی حدیث خود پیش نہیں فرماتے مگر آخر سورۂ توبہ کے ملنے کو جو تنہا ابوخزیمہ سے متعلق فرماتے ہیں اور انہی کی اکیلی شہادت پر ان دونوں آیتوں کے داخل قرآن کر دیئے جانے پر اصرار فرماتے ہیں اللہ کے لئے ان کے ساتھ ایک اور گواہ کا تو نام یہاں پر بڑھا دیجئے یا کم از کم ان کو بھی

ابن شہاب زہری سے آخر سورۂ توبہ کے متعلق

خزیمہ والی روایت

- شعیب ← ابوالیمان
- یونس ← عثمان بن عمرو، لیث

ابوخزیمہ والی روایت

- ابراہیم ← ابوثابت، یعقوب، موسیٰ
- عبدالرحمن بن خالد ← لیث

ابوالیمان	عثمان بن عمرو	لیث	خزیمہ یا ابوخزیمہ فان تولوا الآیہ	خزیمہ یا ابوخزیمہ	موسیٰ	لیث
یہ روایت کتاب التفسیر والی ہے جس کو آپ دیکھ چکے۔	بخاری میں یہ روایت نہیں ملتی البتہ مسند احمد میں ہے	یہ روایت کہیں نہیں ہے البتہ باب کاتب النبی بخاری میں ہے تو ضرور مگر وہاں خزیمہ نہیں لکھا ہے بلکہ ابوخزیمہ لکھا ہے یقیناً یہ ابو کا لفظ بعد کو امام بخاری کی تصریح کے خلاف دوسروں نے بڑھا دیا ہے۔	یہ روایت کتاب الاحکام والی ہے جس کو آپ نے پڑھا مگر تصریح متابعت کے خلاف ہے۔ کتاب الاحکام میں اوپر والی آیت سمیت نہ پائے جانے اور پھر لیئے جانے کا ذکر ہے یعنی دونوں آیتوں کے بارے میں اور اس روایت میں فالحقتہا فی سورتہا کا اضافہ بھی ہے۔	یعقوب کی کوئی روایت بخاری میں مذکور نہیں ہے غیر صحاح میں ان کی روایتیں ہیں جن میں قوی روایت خزیمہ کی ہے۔	یہ روایت باب جمع القرآن والی ہے جو سب سے پہلے آپ نے دیکھ لی۔	یہ روایت مختصر تر آپ نے کتاب التوحید بخاری میں پڑھ لی

ذوالشہادتین لکھ دیجئے۔ آخر آپ کے بعد والوں نے اس نقص کو محسوس کیا چنانچہ ترمذی نے بروایت عبدالرحمٰن بن مہدی عن ابراہیم بن سعد عن الزہری جمع صدیقی کی حدیث میں آخر سورۂ توبہ کے ملنے کا ذکر بھی خزیمہ بن ثابت ہی کے ساتھ کیا ہے۔ بتصریح ولدیت پھر نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث بھی اسی سلسلے سے ہے اور اس کے بعد آپ ہی کا تتبع کرتے ہوئے قال الزہری سے شروع کرکے آیت احزاب والی حدیث نقل کی ہے جس میں زہری کے بعد والے شیوخ کا نام چھوڑ دیا ہے مگر اس آیت کے ملنے کا ذکر خزیمہ بن ثابت یا ابوخزیمہ کے متعلق لکھ دیا ہے تاکہ گنجائش ہر طرح کی رہے۔ آپ نے متابعت میں آخر سورۂ توبہ میں یہ عطف تردید رکھا تھا ترمذی نے اس کو آیت احزاب میں رکھ دیا اور بعضوں نے حدیث کے الفاظ میں کچھ ردوبدل کرکے حضرت عمرؓ کی بھی ایک اور شہادت داخلِ حدیث کرلی مگر وہ تو صحاح سے باہر کی روایتیں ہیں۔ جناب کی روایت کی رو سے صرف ابوخزیمہ کی اکیلی شہادت آخر سورہ توبہ کی دو آیتوں کے متعلق کس طرح قبول کرلی گئی؟ میرے نزدیک راوی سے بھول ہوگئی۔ آخر سورۂ توبہ کو ذوالشہادتین کے پاس ملنا تھا۔ ان کی اکیلی شہادت سے وہاں کام نکل جاتا۔ اور آیت احزاب زید بن ثابت کو یاد ہی تھی صرف ایک ہی گواہ کی تو اور ضرورت تھی وہ ابوخزیمہ ہوجاتے یہاں تو ذوالشہادتین کی کوئی ضرورت تھی ہی نہیں۔ کاش اس وقت بھی آپ کے پرستار لوگ آپ کی کتاب میں ردوبدل کرلیں۔

مجھ کو زید بن ثابتؓ سے بھی ایک سوال کرنا تھا کہ آپ کو نسخ مصاحف کے وقت یہ یاد آیا کہ سورۂ احزاب کی ایک آیت آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے۔ واحد متکلم کے صیغے کے ساتھ آپ کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بخاری کے بعض نسخوں میں کثیراً کا لفظ بھی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے بہت مرتبہ آپ نے سنا اسی لئے یہ آیت آپ کو یاد تھی تو آپ خود سورۂ احزاب پڑھتے تھے تو اس آیت کو پڑھتے

تھے یا نہیں ؟ اگر نہیں پڑھتے تھے تو کیوں ؟ جب یہ ایک سورۂ قرآن کی درمیانی آیت تھی اور آپ برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنتے بھی تھے تو پھر خود کیوں نہیں پڑھتے تھے ؟ اور خود بھی پڑھتے تھے تو آپ کو فقط کنت اسمع نہیں کہنا تھا بلکہ اس کے بعد وانا اقرءُ بھی کہنا تھا پھر سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑھا کرتے تھے تو تنہا آپ ہی کیوں سنتے تھے جو واحد متکلم کی ضمیر کے ساتھ کُنت اسمع فرمایا اور یہ تو فرمائیے، سورہ احزاب کی یہ آیت آپ کو جمع صدیقی کے وقت یاد آئی تھی یا نقل مصاحف بعہد عثمانی کے وقت ؟ اگر جمع صدیقی کے وقت، تو آپ کو آخر سورۂ توبہ بھی جمع صدیقی ہی کے وقت یاد آئی اور صرف خزیمہ بن ثابت الانصاری ہی کے پاس ملی اور آیت احزاب بھی جمع صدیقی ہی کے وقت ملی تو وہ بھی انہی خزیمہ ہی کے پاس ملی یا ابوخزیمہ کے پاس ؟ یا تو عبیدؒ خارجہ میں سے ایک کی روایت غلط ہے، آپ کو فقط آخر سورۂ توبہ یاد آئی تھی جو صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس ملی یا صرف آیت احزاب یاد آئی تھی جو فقط خزیمہ کے پاس ملی۔ اصل واقعہ کیا ہے، اللہ کے لئے تاکر تشفی فرمائیے۔

اور اگر جمع صدیقی کے وقت آخر سورۂ توبہ صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس ملی اور نقل مصاحف کے وقت آیت احزاب آپ کو یاد آئی جو صحف صدیقی میں نہ تھی تو آپ نے فوراً خزیمہ کو پکارا کہ آج سے اٹھارہ (۱۸) برس پہلے تمہارے ہی پاس آخر سورہ توبہ بھی ملی تھی۔ اب کے آیت احزاب نہیں مل رہی ہے یہ بھی یقیناً تمہارے ہی پاس ملے گی۔ چنانچہ انہوں نے نکال کر پیش کر دی یا آخر سورۂ توبہ تو ابوخزیمہ کے پاس ملی تھی۔ اب کے آیت احزاب کے لئے آپ نے پکارا تو تھا ابوخزیمہ ہی کو، مگر بولے خزیمہ اور آیت احزاب لے کر پہنچ گئے۔ بہرحال یہ تو کہیئے کہ آپ نے صحف صدیقی کو جو سورۂ احزاب کی اس آیت سے خالی جمع کیا تھا تو آپ کے جمع کے مطابق اٹھارہ برس تک، تمام صحابہؓ کیا اسی طرح بغیر اس آیت کے ہی سورۂ احزاب پڑھتے

ہے۔ اور کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اگر سہ بارہ بھی آپ کوشش فرماتے تو پھر کوئی آیت ضرور کسی ابن خزیمہ کے پاس مل جاتی اس لئے آپ نے پھر ایک بار قرآن پر نظر ثالث کیوں نہ فرمائی؟ اور ہم کیونکر یقین کریں کہ اب یہ قرآن مکمل ہے؟

خلاصہ بحث ناظرین کو جمع صدیقی کی مذکورہ بالا حدیثوں اور آخر سورہ توبہ اور آخر سورہ احزاب اور خزیمہ و ابو خزیمہ کے روایتی اختلافات کے معائنے کے بعد یہ بخوبی معلوم ہو گیا ہو گا کہ درحقیقت یہ ساری حدیثیں منافقین عجم کی من گھڑت ہیں جن کے دو مقاصد تھے۔ ایک تو قرآن مجید کی قطعیت ولا یبیّت کے آفتاب روشن کو غبار اشتباہ میں چھپا دینے کی ناکام کوشش۔ دوسرے، احادیث موضوعہ روایات مکذوبہ پر جو لوگ معترض ہوں ان کو انہی روایات جمع قرآن اور آخر سورۂ توبہ و آیت احزاب وغیرہ کی مثال پیش کر کے خموش کر دینا۔ اور سیدھے سادے مسلمانوں کو مصادرہ علی المطلوب کا مغالطہ دے کر قرآن و حدیث دونوں ہی کے متعلق صحیح عقیدے پر قائم نہ رہنے دینا۔ ائمہ محدثین جنھوں نے انہیں منافقین عجم سے زیادہ تر حدیثوں کے ذخیرے حاصل کیے اور وہ ان کو تابعی و تبع تابعی سمجھ کر ان سے حسن عقیدت رکھتے تھے، اس لئے ان کی منافقانہ چال بازیوں کو مطلق نہیں سمجھتے تھے اور ان کی من گھڑت، جھوٹی جھوٹی حدیثوں کو اپنے دفاتر میں جمع کر کر کے ان کی اور اشاعت کرتے رہتے تھے اور ان کی متضاد روایتوں کی تاویلیں کر کر کے سب کو صحیح ثابت کیا کرتے تھے۔ اس جمع قرآن کی خلاف قرآن اور مخالف عقل و درایت حدیثوں کو جن کا ایک ایک لفظ خلاف واقعہ اور محض جھوٹ ہے صرف مانعین کتابت و جمع احادیث کی زبان بندی کے خیال سے اپنی کتابوں میں درج کرتے گئے اور چونکہ ان حدیثوں کے اضطرابات واختلافات کا مٹانا ممکن نہ تھا اس لئے محض جذبہ حمایت روایات کے ماتحت خود بھی تدلیس کے مرتکب ہوتے گئے، تدلیس بھی ایسی جو صرف اسناد ہی تک محدود نہ رہی بلکہ متن حدیث میں بھی تدلیس سے باز نہ آئے جیسا کہ آیت سورۂ احزاب اور آخر سورۂ توبہ والی دونوں حدیثوں

کی تنقید کے سلسلے میں واضح طور سے آپ نے ملاحظہ فرمائی۔

اعجب العجائب و عجب العجائب امام بخاری جلد ۲ ص... میں فرماتے ہیں حدثنی محمد بن بشار قال حدثنا محمد بن عبد اللہ الانصاری قال حدثنا ابی عن ثمامۃ عن انس بن مالک قال نری ھذہ الایۃ نزلت فی انس بن النضر من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ یہاں تو یہ حدیث مختصر طور سے مروی ہوئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ امام بخاری سے محمد بن بشار نے، ان سے محمد بن عبد اللہ الانصاری نے ان سے ان کے والد نے ان سے ثمامہ بن عبد اللہ ابن انس نے اور ان سے ان کے دادا حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت انس بن النضر ابن ضمضم بن زید کے متعلق وارد ہوئی ہے۔ من المومنین رجال الآیہ۔ یہی حدیث پوری تفصیل کے ساتھ بخاری میں حمید الطویل کے طریق سے مروی ہے جس کو بخوفِ طوالت یہاں میں نقل نہیں کرتا ہوں۔ یہ انس بن النضرؓ حضرت انس بن مالک بن النضر کے حقیقی چچا تھے اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔ اس حدیث کے بعد ماننا پڑے گا کہ یہ آیت کم سے کم حضرت انس بن مالکؓ کو تو ضرور یاد ہوگی اور حضرت زید بن ثابت سے زیادہ حضرت انسؓ خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر باش رہتے تھے اس لئے کہ یہ خادم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ زید بن ثابتؓ سے زیادہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سننے کے مواقع رہتے تھے۔ زیدؓ سے یہ صرف ایک ہی برس چھوٹے تھے۔ اس حدیث کا بنانے والا اگر خزیمہ بن ثابتؓ کے عوض انس بن مالکؓ کا نام یہاں لیتا اور اس واقعۂ آیت احزاب کو انس بن مالکؓ والی حدیث نقل مصاحف کا ایک جزو بنا کر اس میں داخل کر دیتا جس طرح جمع صدیقی والی حدیث میں آخر سورۂ توبہ کا واقعہ داخل ہے تو یہ حدیث بھی بہت زبردست طور سے صحیح مان لی جا سکتی تھی۔ یہ کیا کہ آیت اترے انس بن مالکؓ کے چچا کی شان میں اور ان کو یہ اچھی طرح معلوم بھی تھا مگر جب یہ آیت ڈھونڈھی

جاتی ہے تو یہ خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور اس کو لے کر تنہا خزیمہ بن ثابت تشریف لاتے ہیں اور ان کی اکیلی شہادت سے کام نہ نکل سکے تو پھر ان کے ذوالشہادتین ہونے کی ایک حدیث گھڑنی پڑتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ آیت احزاب والے واقعے کے گھڑنے والے کو حضرت انسؓ کی یہ حدیث معلوم ہی نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ خزیمہ بن ثابت کو ذوالشہادتین ثابت کرنا بھی اس ضمن میں مقصود تھا جس سے دوسرا کام نکالنا تھا اسی لئے ذوالشہادتین والی حدیث بھی زہری ہی سے مروی ہے اور انس بن مالکؓ کی اس حدیث سے زہری واقف نہ تھے۔

ذو الشہادتین ابو داؤد، نسائی اور زہریات میں محمد بن یحیٰی الذہلی بطریق ابن شہاب زہری عمارہ بن خزیمہ سے اور وہ اپنے چچا سے جو صحابی تھے، روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خرید اتو وہ اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلا (یعنی یہ معاملہ راہ میں کسی جگہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے کچھ دور تھے اور قیمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود نہ تھی مگر معاملہ طے ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس اعرابی کو گھوڑے کی قیمت دینے کے لئے اپنے ساتھ لے چلے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہولیا) تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گھوڑے کی قیمت لے لے (روایت میں) اس کا ذکر نہیں ہے کہ وہ گھوڑا اس وقت کہیں گھاس چر رہا تھا، یا نخاس پر یا اعرابی کے گھر پر تھا یا معاملہ طے ہونے کے وقت سامنے موجود تھا اور وہ اعرابی اس کی باگ تھامے ہوئے تھا۔ جب معاملہ طے ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کی باگ (اپنے دست مبارک میں لے لی ہوگی اور گھوڑے پر قبضہ کرلیا ہو گا کیونکہ جب خرید لیا تھا اور معاملہ ہو چکا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑے پر قبضہ کرلینا تھا اور خود گھوڑے کی باگ اپنے ہاتھ میں لے کر گھر کی طرف چلنا تھا مگر فحوائے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑا جس طرح اعرابی کے قبضے میں تھا اسی طرح گھوڑے کی

باگ اعرابی ہی کے ہاتھ میں رہی۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفتار تیز کی تاکہ جلد گھر پہنچ کر قیمت ادا کر دیں مگر اعرابی سست رفتاری کر رہا تھا۔ راہ میں کچھ لوگ اعرابی کو چھیڑنے اور گھوڑے کا دام ساٹھ کرنے لگے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قیمت طے ہو چکی تھی، بعض لوگ اس سے زیادہ دینے لگے اور ان لوگوں کو اس کا علم نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ طے ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اس اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (چونکہ آپ تیز رفتاری کی وجہ سے آگے بڑھ چکے تھے) پکار کر کہا کہ آپ خریدنا چاہتے ہیں یا ہم اس گھوڑے کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیں اس کی یہ آواز سن کر آپ نے (قریب آکر کے) فرمایا کہ تم تو گھوڑا میرے ہاتھ بیچ چکے (اب تو تم میرے ساتھ قیمت لینے کو چل رہے ہو، یہ پوچھنا کیسا کہ خریدتے ہو یا نہیں؟) اس اعرابی نے (معاملہ بیع کی تکمیل سے) انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گواہ طلب کیا کہ اگر ہم تمہارے ہاتھ اس کو بیچ چکے ہیں تو اس کا گواہ لاؤ۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیران تھے کہ گفتگو کے وقت تو کوئی اور موجود نہ تھا، ہم گواہ کس کو لائیں) مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرما رہے تھے کہ ہم تجھ سے خرید چکے ہیں اور تو بیچ چکا ہے" اور وہ ہر مرتبہ گواہ مانگ رہا تھا۔ مسلم حاضرین اس اعرابی سے کہہ رہے تھے کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جھوٹ نہیں بول سکتے جو یہ کہہ رہے ہیں یقیناً یہی سچ ہے تو کیوں غلط اصرار کر رہا ہے۔ لیکن وہ بار بار گواہ مانگے ہی جا رہا تھا مگر کوئی گواہ ہو جب تو آئے اتنے میں خزیمہ بن ثابت الانصاری بھی وہاں پہنچ گئے انہوں نے یہ صورتحال دیکھی تو اعرابی سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ تو نے اس گھوڑے کو ان کے ہاتھ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ) بیچا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم تو اس وقت موجود نہ تھے تم شہادت کس طرح دے رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی بنا پر (یعنی چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول سمجھتا ہوں اور اس پر ایمان ہے کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں حق ہی فرماتے ہیں اس لئے میں نے یہ گواہی دی مگر پھر بھی یہ ایک ہی شہادت ہوئی اور ایک گواہ کی ضرورت باقی تھی اور اس اعرابی کا پھر بھی یہ مطالبہ رہ جاتا تھا کہ ایک گواہ اور لاؤ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خزیمہ کی ایک شہادت دو مردوں کی شہادت کے برابر ہے اور اس اعرابی کو (نعوذ باللہ) شکست دے دی اور جو قیمت اس سے طے ہوئی تھی ادا کر کے گھوڑا اس سے لے لیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ سے فرمایا کہ پھر ایسی ہمت نہ کرنا۔ مگر حافظ ابن حجر کے نزدیک یہ اضافہ معتبر نہیں۔ ورنہ پھر آیت احزاب والی شہادت کا کیا حشر ہوگا۔ اور ایک دوسرا مفاد جو ان کے ذوالشہادتین ہونے میں ہے وہ بھی حاصل نہ ہوسکے گا۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ طبرانی اور ابن شاہین نے بھی اس حدیث کو بطریق زید بن الحباب عن زرارہ بن خزیمہ عن عمارۃ بن خزیمہ عن ابیہ مختصراً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار بن الحرث (اس اعرابی کا نام تھا) سے ایک گھوڑا خریدا پھر اس نے (معاملہ بیع سے) انکار کر دیا۔ خزیمہ بن ثابت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گواہی دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ سے پوچھا کہ تم تو موجود نہ تھے پھر یہ شہادت کیسی؟ تو انہوں نے عرض کیا آپ کی تصدیق کی وجہ سے، آپ جو کچھ بولتے ہیں، حق ہی بولتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خزیمہ جس کے موافق یا مخالف گواہی دیں تو بس (صرف ان کی تنہا گواہی) کافی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری جلد ۱۹ صفحہ ۲۹۰ میں ان روایات کو نقل کر کے اس کی توجیہہ یہ لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کے خلاف فیصلہ کیا، اپنے علم کی بنا پر اور خزیمہ کی گواہی محض ایک تاکید کی حیثیت میں تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالف پر غلبۂ استدلال حاصل فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی علم اور خزیمہ کی شہادت مل کر دو گواہیاں ہوگئیں۔ اس لئے فیصلہ ایک گواہی پر نہیں بلکہ دو گواہی پر ہوا۔ اس موقع پر ابن حجر نے ایک گواہی کو جو حقیقت میں گواہی بھی نہیں کہی جاسکتی۔ دو گواہیاں

بالکل اسی منطقی طریق سے ثابت کیا ہے جس طرح کسی منطقی نے ایک انڈے کو دو انڈے ثابت کر دیئے تھے مگر یہ توجیہہ تو آیت احزاب والی شہادت اور ایک اور موقع جس کا ذکر آگے آتا ہے ان سب مواقع کے وقت تو ان کے ذوالشہادتین ہونے کو ختم کر دیتی ہے

ذوالشہادتین والی حدیث کے راوی سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیئے کہ خزیمہ بن ثابت حضرت علیؓ کے حمایتیوں میں سے تھے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ کوفہ چلے آئے تھے اور کوفہ ہی میں رہے۔ جنگ صفین ۳۷ھ میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑے اور مارے گئے۔ باہمی خانہ جنگیوں میں حضرت علیؓ کے برسر حق ہونے کے لئے جہاں حضرت عمار بن یاسرؓ کے لئے تقتلك الفئة الباغیه والی حدیث اور وہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے کہا تھا

الفئة الباغیه والی حدیث کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم علیؓ کے خلاف برسرپیکار ہو گی اور اس وقت علیؓ حق پر ہوں گے جس کی بعض علامتیں حضرت عائشہؓ کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی تھیں۔ اور جنگ جمل میں وہ سب علامتیں نمایاں نظر آئیں، وغیرہ گھڑی گئیں وہاں خزیمہ کے ذوالشہادتین ہونے کی بھی یہ حدیث گھڑی گئی کہ یہ ایسے شخص ہیں کہ جس کے موافق یا مخالف تنہا گواہی بھی دے دیں تو ان کی اکیلی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر ہے۔ پھر حضرت علیؓ کی موافقت میں اور ان کے مخالفین کے خلاف ان کی شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ یہ حضرت علیؓ کے حمایتی رہے اور اسی حمایت میں جان تک دے دی۔

ذوالشہادتین والی حدیث کے راوی بھی ڈھوری ھی ھیں بہر حال اس حدیث کے راویوں کا حال ملاحظہ فرمائیے۔ ابن شہاب زہری سے بعد والوں کو تو میں چھوڑتا ہوں۔ زہری اس حدیث کو روایت کرتے ہیں عمارہ بن خزیمہ سے اور وہ اپنے چچا سے

جن کے بارے میں زہری کا بیان ہے کہ وہ صحابی تھے مگر زہری کو ان کا نام معلوم نہ تھا اور وہ عمارہ بن خزیمہ کے چچا بذاتِ خود اس حدیث کو چشم دید واقعہ کی نوعیت میں بیان کرتے ہیں تو آپ زہری سے پوری طرح واقف ہو چکے ہیں۔ زہری کے بعد یہاں خزیمہ بن ثابت الانصاری جن کے ذوالشہادتین ہونے کو کہ ان کی ایک گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر ہے صرف ان کے بیٹے ہی کی اکیلی گواہی سے ثابت کیا جا رہا ہے غالباً ذوالشہادتین کے بیٹے ہونے کی وجہ سے یہ خود بھی ذوالشہادتین ہو گئے اور یہ ذوالشہادتین کے صاحبزادے بھی اس کو صرف اپنے ایک چچا سے سنتے ہیں اور کسی سے نہیں اور وہ چچا بھی ایسے جن کا نام کسی دوسرے کو یہاں تک کہ خود ان کو بھی شاید معلوم نہ تھا ورنہ نام ضرور بتا دیتے۔ ذوالشہادتین کے گمنام بھائی بھی اس راز کو صرف ذوالشہادتین کے بیٹے ہی سے کہتے ہیں اور کسی سے نہیں۔ ان ذوالشہادتین کے گمنام بھائی کا نام بجز ابن مندہ کے اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ ابن مندہ محمد بن اسحٰق بن محمد بن یحییٰ بن مندہ کی ولادت ۳۱۶ھ کی ہے اور وفات ۳۹۵ھ میں۔ تقریباً تین سو برس تک کسی کو بھی عمارہ بن خزیمہ کے چچا کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ معلوم ہوا تو تین سو برس کے بعد ابن مندہ کو کہ ان کا نام عمارۃ بن ثابت تھا اور زہری کہتے ہیں کہ عمارۃ بن خزیمہ کے چچا صحابی تھے مگر استیعاب وغیرہ میں کہیں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ یعنی زہری کے سوا کسی نے صحابی نہیں جانا بلکہ ان کی شخصیت ہی نامعلوم تھی۔

عمارۃ بن خزیمہ ابن حجر تو عمارۃ بن خزیمہ کے ترجمہ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۴۱۶) میں لکھتے ہیں کہ یہ اپنے والد خزیمہ بن ثابت سے بھی روایت کرتے ہیں تو پھر یہ روایت خزیمہ ہی کی طرف کیوں نہ منسوب کر دی گئی۔ ایک گمنام برادر خزیمہ کے سر کیوں تھوپی گئی؟ اگر اس کا خیال تھا کہ خزیمہ بن ثابت کے ذوالشہادتین ہونے کو خود انہی کی روایت سے ثابت کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا تو پھر ان کے بھائی اور وہ بھی گمنام بھائی کی وساطت سے خود انہی کے صاحبزادے سے روایت کرنا کب اچھا معلوم ہوتا ہے؟

قرینہ یہ ہے کہ یہ روایت پہلے تو یونہی مرتب کی گئی کہ عمارۃ بن خزیمہ نے اس کو بلا واسطہ اپنے والد خزیمہ بن ثابت ہی سے سنا۔ مگر جب بعض واقف کاروں نے اعتراض کیا کہ عمارہ نے ۱۰۵ھ میں پچھتر سال کی عمر پاکر وفات پائی تھی اور ان کے والد خزیمہ بن ثابتؓ ۳۷ھ میں بسلسلۂ جنگِ صفین مارے گئے تھے۔ اس حساب سے اپنے والد کی وفات کے وقت عمارہ سات برس سے زیادہ کے نہ تھے۔ اس عمر میں اپنے والد سے ان کا کوئی حدیث سننا اور اس کا اسی طرح یاد رکھنا اور جوانی میں روایت کرنا وہ بھی صرف زہری ہی سے بالکل مستبعد ہے۔ اس اعتراض کے بعد عن ابیہ کو عن عمہ بنا کر اس حدیث کو عمارہ کے باپ سے نہیں بلکہ چچا سے مروی قرار دے دیا گیا۔ سننے والے تو یہ گمان کرکے کہ شاید ان کے کوئی چچا ہوں گے، چپ ہو رہے مگر یہ روایت کرنے والے تو جانتے تھے کہ ہم نے محض رجماً بالغیب عن عمہ بنا دیا ہے۔ ان کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان کے کوئی چچا تھے یا نہیں اور اگر تھے تو ان کا کیا نام تھا، اس لئے نام نہ بتانا ہی قرین مصلحت سمجھے۔ تین سو برس کے بعد ابن مندہ پر وحی آئی کہ عمارہ بن خزیمہ کے چچا کا نام بھی عمارہ ہی تھا۔ یہ عمارہ بن خزیمہ تھے وہ عمارہ بن ثابت۔ مگر اس کا کیا علاج ہے

ابن مندہ دور کی کوڑی لائے

کہ زہری عن عمہ کے بعد یہ بھی فرما چکے تھے کہ وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا جانتے تھے کہ ایک ہی صدی کے بعد تقریباً تمام صحابہؓ کی فہرست مرتب ہو جائے گی اور اس فہرستِ صحابہؓ میں ثابت بن الفاکہ بن ثعلبہ کے صرف ایک ہی بیٹے خزیمہ کا نام ائمہ تاریخ و رجال لکھیں گے۔ عمارۃ بن ثابت یا کسی اور ابن ثابت ابن فاکہ بن ثعلبہ کا کہیں نام نہیں ہوگا۔ اگر وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ عن عمہ کے بعد صرف خزیمہ کا لفظ بڑھا دیا جاتا تو اتنی دشواری نہ پیدا ہوتی اور اس حدیث کا راز اس حد تک کھلتا۔

(۱) عمارۃ بن خزیمہ شیخ الزہری کی روایت اپنے باپ اور چچا سے جس قسم کی ہے اس کا تو پتہ آپ کو مل گیا۔ بعض اور لوگوں سے بھی ان کی روایتیں کچھ اسی قسم کی ہیں مگر وہ روایتیں ذوالشہادتین والی حدیث کی نہیں ہیں وہ دوسری حدیث ہیں مثلاً سبرۃ

بن الفاکہ یا ابن الفاکہہ یا ابن ابی الفاکہ یا ابن ابی الفاکہہ۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو شرفِ صحبت حاصل تھا۔ صرف عمارہ بن خزیمہ اور سالم بن ابی الجعدان سے روایت کرتے ہیں۔ غرض یہ سب کچھ مجہول الحال سے معلوم ہوتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن ابی القراد الانصاری ان کو بھی عبدالرحمٰن بن الفاکہ ہی کہا گیا ہے یعنی ابوقراد کنیت تھی اور فاکہ ان کے والد کا نام تھا۔ یہ بلاواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے بھی صرف عمارہ بن خزیمہ اور حارث بن فضیل روایت کرتے ہیں مگر ابوالفتح الازدی کہتے ہیں کہ ان سے صرف عمارۃ ہی روایت کرتے ہیں یہ بھی غیر معروف صحابی ہی ہیں (تہذیب التہذیب)

کثیر بن السائب المجازی ان سے بھی عمارۃ ہی تنہا روایت کرتے ہیں کثیر بن السائب نام کے اور بھی تین آدمی ہیں اور سب کے ایک ہونے کا بھی گمان کیا گیا ہے۔ اگر تعدد ہی مانا جائے جب بھی اس نام کے غیر معروف ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے تفصیل تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۴۱۵ میں دیکھیے۔

غرض اگر واقعی عمارہ ہی کی روایتیں ان لوگوں سے اور ان کے باپ اور چچا سے ہیں تو یہ مرسل اور مجاہیل سے روایتیں کرنے کے خوگر ہے مگر قرینۂ غالب یہی ہے کہ عمارہ کا قصور نہیں ہے۔ قصور ان لوگوں کا ہے جن لوگوں نے ان سے روایت کی ہے یا اور بعد والوں کا۔ واللہ اعلم۔

ذوالشہادتین والی روایت درایت کی روشنی میں یہ عالم تو ذوالشہادتین والی حدیث کا از روئے روایت ہے۔ اب ذرا درایت کی عینک بھی لگا کر دیکھیے۔ مگر خود دیکھیے میں آپ کو دکھلانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اور اللہ کے لئے ہر وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم سے کچھ بھی واقف ہے، ذرا ایمان سے کہے کہ یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے ایک گھوڑے کی خریداری پر اس طرح کا مناقشہ فرمایا ہو گا؟ اور پھر اپنے ہی ایک ماننے والے کی اَن دیکھی گواہی پر جس کو فریق نے ہرگز قبول نہ کیا ہو

گا۔ اور نہ کوئی منصف غیر جانبدار شخص اس اَن دیکھی گواہی کو قبول کر سکتا ہے۔ محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر اپنے حق میں خود ڈگری لے کر اس اعرابی کو شکست دے دی ہوگی؟ اور خزیمہ کو اس طرح کی اَن دیکھی گواہی پر چشم نمائی کرنے کے عوض ان کو ذوالشہادتین کا درجہ مرحمت فرما کر ان کی اور ہمت افزائی کی ہوگی؟ لا واللہ! ما قدروا الرسول حق قدرہ۔

غالباً یہی روایتی کمزوریاں ایسی نمایاں تھیں کہ امام بخاری و مسلم نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں داخل نہیں فرمایا حتیٰ کہ ترمذی نے بھی اس کو قبول نہیں کیا۔ البتہ یہ مقامِ تعجب ضرور ہے کہ جب ذوالشہادتین والی حدیث امام بخاری اور ابو عیسیٰ الترمذی کے نزدیک قابلِ قبول نہ تھی تو پھر آیت احزاب کے ملنے پر ابو خزیمہ کو ذوالشہادتین کس بنیاد پر تسلیم کر لیا؟ یہ ایک دلیل ہے اس بات کی کہ جمع قرآن کی حدیثیں بخاری و ترمذی میں داخل کر دی گئی ہیں۔ امام بخاری و امام ترمذی نے اپنی کتاب میں ان حدیثوں کو ہرگز درج نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

تو اب دیکھئے کہ صرف زہری ہی سے تنہا عمارۃ بن خزیمہ نے اپنے باپ کے ذوالشہادتین بنائے جانے کی حدیث فقط اپنے ایک گمنام مجہول الحال چچا سے سن کر بیان کی اس کی ایک دلیل کہ جمع قرآن سے متعلق تمام حدیثیں بخاری و ترمذی وغیرہ میں داخل کر دی گئی ہیں ان جامعین نے خود درج نہیں کیں اور بس صرف اسی ایک ضعیف ترین آحاد حدیث کی بنیاد پر۔ زہری اور پھر امام بخاری اور تمام محدثین و مؤرخین آیت احزاب والی حدیث کو اور بعض روایتوں کی بنا پر آخر سورۂ توبہ والی حدیث کو بھی خزیمہ بن ثابت کی اکیلی شہادت سے قطعی و یقینی ثابت کر کے سمجھتے ہیں کہ دین کی بہت بڑی خدمت انجام دے گئے۔

ہر پھر کر زہری ۔ جمع قرآن بعہد صدیقی کی روایت زہری سے۔ نقل مصاحف بعہد عثمانی کی روایت زہری سے، آیت احزاب و آخر سورۂ توبہ کی حدیثیں زہری سے۔ خزیمہ بن ثابت کے ذوالشہادتین ہونے کی حدیث زہری سے۔ اور صحاح کے احاطہ سے باہر نکل کر دیکھئے تو اس جمع قرآن سے متعلق آپ کو زہری سے کیا کچھ نہیں ملے گا۔ جن میں سے

اکثر روایتیں تو ایسی ہی ہوں گی جن میں زہری منفرد ہیں۔ خصوصاً متقدمین کی کتابوں میں متاخرین نے زہری کی تائید کے لئے بعد کو بعض حدیثوں کی متابعتیں ان کے دوسرے ہم عصروں سے بھی بنالیں مگر ان متابعتوں کے راویوں کی ہیئات کذائی ہی ان کی موضوعیت کی گواہ بن جاتی ہے اور سب سے بڑی شہادت تو یہی ہے کہ اگر واقعی یہ حدیثیں بعد کو نہ بنائی گئیں ہوتیں اور اگلوں سے ان کی روایت صحیح ہوتی تو پھر اگلے جامعین احادیث ان روایتوں کو نظر انداز نہ فرماتے۔ اور صحاح میں یہ حدیثیں بھی ضرور ہوتیں۔

حضرتِ حفصہؓ کے پاس سے وہ صحیفے پھر کیا ہو گئے یہ ایک ایسا اہم سوال ہے جو ہر صاحب عقل کے دماغ میں ضرور پیدا ہو کر رہتا ہے مگر افسوس کہ حسبِ روایت بخاری، ترمذی، نسائی، ابن شہاب بس یہاں تک کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ وہ صحیفے جن کو حضرت صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ سے جمع کرایا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کو ملے اور حضرت عمرؓ کے بعد حضرت ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس چلے آئے اور انہیں کے پاس برابر رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کو جب نقل مصاحف کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان صحیفوں کو حضرت حفصہؓ کے پاس سے انھوں نے مستعار منگوا کر اور ان کی متعدد نقلیں کرا لینے کے بعد پھر ان صحیفوں کو حضرت حفصہؓ کے پاس ہی واپس کر دیا۔ یہ بھی نہیں کہا کہ ان کو بیت المال میں یا ہمارے پاس بحیثیت خلیفہ کے رہنا چاہیئے۔ آپ کے پاس ان کے رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔[۱] بہر حال تو پھر وہ صحیفے حضرت حفصہؓ کے بعد کیا ہو گئے؟ آسمان پر اٹھا

[۱]: حضرت فاروق اعظمؓ کی وفات یکم محرم ۲۳ھ میں ہوئی اور حضرت ام المومنین حفصہؓ کی وفات ۵۰ھ میں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ تقریباً ستائیس برس تک یہ صحیفے بقول زہری حضرت حفصہؓ کے پاس بلاوجہ اور بلا استحقاق رہے۔ اس درمیان میں صرف اتنے ہی دنوں تک حسبِ روایتِ زہری یہ مصاحف، ناقلینِ مصاحف بعہدِ عثمانی کے پاس رہے جب تک ضرورت نقل داعی رہی۔ نقل کے بعد پھر حضرتِ حفصہؓ کے پاس واپس چلے گئے۔ تعجب یہ

ص ۲۶۲ پر

ebooks.i360.pk

لے گئے یا زمین ان کو نگل گئی؟ نہ زید بن ثابت نے ان کو عبید بن السباق سے کہا، نہ عبید نے زید سے پوچھا، نہ عبید نے ابن شہاب سے کہا، نہ ابن شہاب نے اپنے چاروں شاگردوں سے کہا نہ ان میں سے کسی نے ابن شہاب سے پوچھا، یہاں تک کہ امام بخاری کو اپنے شیوخ سے اس کے پوچھنے کی ضرورت مطلق محسوس نہ ہوئی۔

شیعہ مجتہد علی نقی لکھنوی اپنی کتاب "تحریفِ قرآن کی حقیقت" کے صفحہ ۱۳۲ میں لکھتے ہیں کہ کتاب التعریف بالنبی والقرآن الشریف مطبوعہ مصر [۵] میں حسبِ ذیل الفاظ موجود ہیں فکتبوا المصحف واستعرضوہ عرضۃ بعد اخریٰ فلما لم یجدوا شیئاً ارسل عثمان الی ام المومنین حفصہ یسألہا ان توسل الیہ المصحف لعرض المصحف علیہا وحلف لہا لیردنہا الیہا بعد مقابلۃ المصحف بہا فاعطتہ ایاہا، فعرض علیہا المصحف فلم یختلفا فی شئ فردھا الیہا و طابت نفسہ بما فعل وامر الناس ان یکتبوا مصاحف۔ فلما ماتت حفصۃ ارسل عثمان الی عبد اللہ بن عمر یطلب المصحف منہ وشدد فی طلبہا فاعطا عبد اللہ ایاہا فغسلہا غسلا۔ مجتہد صاحب ترجمہ یوں لکھتے ہیں" ان صحابہؓ نے مصحف کو لکھا اور چند مرتبہ اس پر نظر کی گئی، جب کوئی غلطی نہ ملی تو عثمانؓ نے ام المومنین حفصہؓ کے کہلوا بھیجا کہ وہ اجزائے قرآن بھیج دیجیے۔ ("صحف" کا ترجمہ اجزائے قرآن معلوم نہیں کیوں کیا گیا؟ "ان صحیفوں کو بھیج دیجیے" بالکل صحیح ترجمہ ہے) تاکہ مصحف کا مقابلہ ان کے ساتھ ہو جائے اور قسم کھائی کہ میں مقابلہ کے بعد واپس کر دوں گا۔ چنانچہ حفصہؓ نے ان کو بھیج دیا اور مصحف کا ان سے مقابلہ کیا گیا۔ ذرا سا بھی اختلاف دونوں

ص ۲۶۱ سے
ہے کہ نہ جمع صدیقی والی حدیث میں یہ مذکور ہے کہ کتنے دنوں میں کام پورا ہوا نہ نقل مصاحف بعہد عثمانی والی روایت میں مدت کا اندازہ قائم کرنا بھی ایک مشکل کام تھا۔ اس میں چوری پکڑی جا سکتی تھی اور جھوٹ کھل سکتا تھا۔

[۵]: ص ۲۶۳ پر۔

میں نہ نکلا۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کو اطمینان حاصل ہوا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس مصحف کے نقول تحریر کریں۔ جب حفصہؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ ان اجزاء (پھر صحف کا ترجمہ اجزاء کیا گیا) کو بھیج دیں اور بڑی سختی کے ساتھ ان سے مطالبہ کیا۔ اس وقت انہوں نے مجبور ہو کر وہ اجزاء (صحیفے) بھیج دیئے اور حضرت عثمانؓ نے ان کو پانی سے بالکل دھو ڈالا۔
اس کے بعد مجتہد العصر والزماں صاحب نے خوب خوب جلے دل کے پھپھولے پھوڑے کہ دنیائے علم و تمدن و تہذیب تو اصل نسخوں کی حفاظت کرتی ہے اور حضرت عثمانؓ نے یہ ظلم کیا کہ قرآن کا اصل نسخہ جس کو خلیفہؓ اوّل نے بمشکل زید بن ثابتؓ سے جمع کرایا تھا اس کو ضائع کر دیا مگر مصنف کتاب التحریف جس طرح رافضی دروغ باف تھا اسی

صہ ۲۶۲ سے۔ ملا

مجتہد صاحب کے دل میں قرآن کی عداوت اس قدر رایخ ہوگئی ہے کہ ایک دوسرے شیعہ مجتہدی کی عربی کتاب کی عبارت کا بعض جگہ قصداً صحیح ترجمہ نہیں کرتے جس طرح صحف کا ترجمہ ہر جگہ "اجزا" کیا ہے تاکہ یہ سمجھا جائے کہ حضرت حفصہؓ کے پاس بھی پورا قرآن نہ تھا بلکہ قرآن کے کچھ اجزائے تھے اسی طرح یہاں بھی واستعرضوہ عرضۃ بعد اخریٰ کا ترجمہ اتنا لکھ دیا کہ اور صحف کا ان سے مقابلہ کیا گیا۔ حالانکہ صحیح ترجمہ یوں کرنا تھا کہ" اور صحابہؓ نے بار بار مصحف کا ان صحیفوں سے مقابلہ کیا۔" بار بار مقابلہ کا اقرار اپنے قلم سے ہندی مجتہد صاحب نہ کر سکے۔ اس لئے ترجمہ میں تحریف سے کام لینے پر مجبور ہوئے مگر اس روایت کا ماخذ نہ مصری مجتہد صاحب نے بتایا، نہ ہندی مجتہد نے اس کا پتہ لگایا۔
کتاب التحریف والے مجتہد ہندی کے ہمعصر ہیں یا تھوڑا متقدم۔ تیرہ سو برس کے بعد یہ نئی بات ایک مجتہد شیعہ ہی کہہ سکتا ہے۔ اس میں صحیفوں کے نقل کرنے کا ذکر ہی نہیں بلکہ پہلے صحابہ نے قرآن جمع کر لیا اس کے بعد مقابلہ کرنے کے لئے حضرت حفصہؓ کے یہاں سے صحیفے منگوائے گئے۔ ؏ ہوتے ہیں کیسے کیسے باتیں بنانے والے۔

طرح یہ مجتہد صاحب بھی دروغ کو فروغ دینے والے ہی نکلے، آخر یہ بھی تو مجتہد ہی ہیں۔ سفید جھوٹ کوئی بولے تو ایسا بولے۔ سیر و تاریخ کے مبتدی بچے بھی جانتے ہیں کہ حضرت ام المومنین حفصہؓ سے تقریباً پندرہ برس پہلے حضرت عثمانؓ کی شہادت ہو چکی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت وسط ایام تشریق ۳۵ھ ہجری میں ہوئی اور حضرت حفصہؓ کی وفات ۵۰ھ ہجری میں ہے۔ پھر حضرت حفصہؓ کی وفات کے بعد عبداللہ بن عمرؓ سے صحیفوں کو حضرت عثمانؓ کا بزور منگوا کر دھلوا دینا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ مگر افسوس کہ سفید جھوٹ لکھ کر چھاپ دینے میں بھی کچھ شرم محسوس نہیں ہوئی۔ غنیمت ہے کہ مجتہد صاحب کی نظر تفسیر ابن جریر پر نہ پڑی ورنہ وہ تفسیر ابن جریر کا حوالہ بھی اس روایت کے نقل کرنے کے وقت ضرور دیتے۔ اس میں بھی یہ روایت موجود ہے مگر ابن جریر بھی آخر شیعہ ہی تھے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت حفصہؓ کے سنین وفات ان کو بھی یاد نہ رہے اور لکھ مارا۔ درحقیقت اس روایت کو ابن جریر ہی نے گھڑا ہے پھر ان سے دوسرے شیعوں نے لیا۔

البتہ کنز العمال میں ہے: قال الزھری اخبرنی سالم بن عبد اللہ ان مروان کان یرسل الی حفصۃ یسالھا الصحف التی کتب فیھا القرآن فتابی حفصۃ ان تعطیھا ایاہ۔ فلما توفیت حفصۃ ورجعنا من دفنھا ارسل مروان بالعزیمۃ الی عبد اللہ بن عمر لیرسل الیہ بتلک الصحف فارسل بھا الیہ عبد اللہ بن عمر فامر بھا مروان فَشُقِّقَتْ وقال مروان انما فعلت ھذا لان ما فیھا قد کتب وحفظ بالمصحف فخشیت ان طال بالناس زمان ان یرتاب فی شان ھذا المصحف مرتاب او یقول قد کان فیھا شیٔ لم یکتب (رواہ ابن ابی داؤد) یعنی زہری کہتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبداللہ نے خبر دی کہ مروان[1] حضرتِ حفصہؓ کے پاس آدمی بھیجا کرتے تھے ان صحیفوں کو مانگنے کے لئے، جس میں قرآن لکھا گیا تھا تو حضرت حفصہؓ ان کو اس کے دینے سے انکار

[1]: مروانؓ بن الحکم بن ابی العاص ۴۱ھ میں حضرت معاویہؓ کے حکم سے والئی مدینہ طیبہ ہوئے تھے اور معاویہ بن یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد ۶۴ھ میں شام کے لوگوں نے انہیں

کرتی تھیں تو جب حضرت حفصہؓ وفات پاگئیں اور ہم لوگ ان کے دفن سے واپس آئے تو مروان نے پورے ارادے کے ساتھ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ ان صحیفوں کو ان کے پاس بھیج دیں تو انہوں نے ان کے پاس وہ صحیفے بھیج دیئے تو مروان نے اس کو پرزے پرزے کر دینے کا حکم کیا۔ اور کہا کہ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ لکھا جا چکا اور مصحف میں محفوظ ہو چکا۔ تو میں ڈرا کہ لوگوں پر زمانہ جب دراز ہو جائے تو کوئی شکی مزاج اس مصحف کی شان میں (جو لوگوں کے پاس ہے) شک نہ کرنے لگے یا کہے کہ ان صحیفوں میں کوئی چیز تھی جو نہیں لکھی گئی۔ (کنز العمال جلد ا صـ۲۸)

حضرت حفصہؓ کے صحیفوں کا حال زہری جانتے تھے

دیکھیے ان صحیفوں کا حال زہری کو معلوم تھا۔ ان کے چار شاگردوں میں جو جمع صدیقی والی حدیث ان سے روایت کر رہے ہیں یا وہ جو نقل مصاحف والی حدیث نقل کر رہے ہیں اگر پوچھتے کہ آخر حضرت حفصہؓ کے بعد وہ صحیفے کیا ہو گئے تو وہ ضرور بتا دیتے۔ مگر ان لوگوں کو اللہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی یہ ضروری بات زہری سے نہیں پوچھی۔ شعیب جو کاتب زہری تھے افسوس کہ ان کو بھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ اتنا پوچھ لیں۔ بہر حال مگر اس روایت کا آخری ٹکڑا :۔

"کہ میں ڈرا کہ زمانۂ دراز گزرنے پر کوئی شکی مزاج یہ شک نہ پیدا کرے کہ موجودہ مصاحف میں کوئی چیز ایسی نہیں لکھی گئی جو ان صحیفوں میں تھی' اس لئے ہم نے ان صحیفوں ہی کو ضائع کر دیا۔" کس قدر غلط توجیہہ قصداً اس قول کی' کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر لوگ شک نہیں کر رہے ہیں تو اس روایت کو پڑھ کر شک کریں۔ حالانکہ وہ مصحف "امام" جو حضرت حفصہؓ کے پاس عہد نبوی سے چلا آرہا تھا اور عہد خلفائے راشدینؓ تک برابر رہا۔

مروان کی دور اندیشی

مروان غریب نے اپنے زمانے میں منافقین عجم کی ریشہ دوانیوں کو دیکھ کر یہ محسوس کیا اور صحیح محسوس کیا کہ آگے چل کر یہ مصحف نبوی معلوم نہیں کس کے ہاتھ لگے اور کب ان منافقین کو اس میں کچھ کمی بیشی کا موقع مل جائے اور پھر یہ اصل مصحف نبوی میں تحریف کر کے عامۂ مسلمین کے پاس جو مصاحف

بقیہ ۲۶۴ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا مگر حرمین شریفین اور پورے حجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت یزید کے بعد تسلیم کر لی گئی تھی۔

دیں ان صحیفوں کی محرف آیات اور سورتوں کو دکھا کر سب کو برباد کر دیں اس لئے ان کا ضائع کر دینا ہی عین مصلحت ہے ان کے بعد پھر تمام مصاحفِ عالم کی حیثیت یکساں رہ جاتی ہے۔ ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مروان بن حکم کی یہ نہایت پرحکمت دُوراندیشی تھی فللّٰہ درہ ثم للّٰہ درہ وجزاہ اللّٰہ عنا وعن جمیع المسلمین خیرالجزاء۔ مگر افسوس کہ ؎

چشم بداندیش کہ برکندہ باد   عیب نماید ہنرش در نظر

ذکر متابعات، فریضہ محدث احادیث جمع صدیقی اور صحیح بخاری

ایک حدیث جو کسی خاص سلسلۂ اسناد سے روایت کی گئی ہے اگر وہ کسی دوسرے اسناد سے بھی مروی ہے تو دوسری روایت کو پہلی روایت کی متابعت یعنی تائید میں پیش کرتے ہیں اگر کسی حدیث کے ایک سلسلۂ اسناد کی تائید متعدد سلاسل اسناد سے ہو جائے تو وہ حدیث بہت کافی حد تک قوی الروایت عموماً سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ وضاعین وکذابین اس بات کو بھی کرتے تھے کہ ایک حدیث گھڑ کر اس کی چند متابعتیں بھی بنالیں اور پھر ان سلاسل اسناد کو آپس میں تقسیم کر کے مختلف مقامات میں جاجا کر پھیلانے لگے۔

بہرحال محدث کا یہ فرض ضرور ہے کہ جس حدیث کی متابعتوں کا وہ ذکر کرے ان متابعتوں کو یا تو بتفصیل اسناد وہیں پر نقل کر دے یا اپنی اسی کتاب میں کسی دوسری مناسب جگہ پر درج کر دے اور اگر اس سے متقدم کسی محدث نے اپنی کسی کتاب میں ان متابعتوں کو درج کیا ہے تو اس متقدم محدث کا اس کی اس تصنیف کے نام کے ساتھ جس میں وہ متابعتیں مذکور ہیں، پورا پتہ بتا دے۔ کسی محدث کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حدیث کی کسی متابعت کا تو ذکر کرے مگر اس متابعت والی حدیث کو اپنے بعد والوں کے لئے چھوڑ دے کہ جو لوگ آئندہ پیدا ہوں گے اور حدیث کی کوئی کتاب لکھیں گے تو اس متابعت کو اپنی کتاب میں درج کر لیں گے۔

امام بخاری نے کتاب التفسیر میں جمع صدیقی والی حدیث لکھ کر جن متابعتوں کی تصریح فرمائی ہے ان میں سے متعدد متابعتیں صحیح بخاری میں نہیں ہیں مثلاً یعقوب بن ابراہیم اور عثمان بن عمرو کی کوئی متابعت بھی بخاری میں مذکور نہیں بلکہ صحاح کی کسی کتاب میں ان کی متابعتیں درج نہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کی متابعتیں امام بخاری اور دوسرے مؤلفین صحاح کے نزدیک قابل اعتبار نہ تھیں۔ جب تو ان کی متابعتوں کا حال جانتے ہوئے بھی کسی نے ان کو اپنی کتاب میں درج نہ کیا تو پھر ایسی ناقابل اعتبار متابعتوں کا ذکر ہی کیا ہے؟

اور بعض جگہ امام بخاری ذکر متابعت میں تو کچھ لکھتے ہیں اور متابعت والی اصل حدیث میں کچھ اور۔ مثلاً لیث کی متابعت جو یونس سے مروی ہے ذکر متابعت میں خزیمہ والی حدیث کا اس کو متابع ظاہر فرماتے ہیں مگر باب کاتب النبی میں جب یہ لیث والی حدیث لکھتے ہیں تو اس میں ابوخزیمہ لکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح ابوثابت کی متابعت میں خزیمہ یا ابوخزیمہ سے آخر سورۂ براۃ کی ایک ہی آیت کا ملنا ثابت کرتے ہیں۔ مگر کتاب الاحکام میں جب ابوثابت والی حدیث لکھتے ہیں تو آخر سورۂ براۃ کی دونوں آیتوں کے خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ ملنے کی تصریح فرماتے ہیں۔ معلوم نہیں ان متابعتوں میں یہ مخالفتیں خود امام بخاری کی طرف سے ہیں یا یاران صحیح بخاری کی یہ تحریف و تصحیف ہے۔ مجھ کو تو یقین ہے کہ باب جمع القرآن اور جمع قرآن کے متعلق تمام حدیثیں بعض راویان صحیح بخاری نے اصل کتاب میں داخل کر دی ہیں جیسا کہ حدیث کی اکثر کتابوں کے

ساتھ بعض تلامذہ محدث یا کاتبین و وراقین (یعنی جلد بندوں) نے کیا ہے۔ اگر یہ تسلیم نہ کیا گیا تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ امام بخاری خود منافقین عجم کے دام تزویر میں پڑے اور ان کی من گھڑت جھوٹی حدیثوں کو صحیح ثابت کرنے کے لئے تدلیس اور بدترین تدلیس تک کے مرتکب ہوئے مگر میں امام بخاری کے متعلق ایسا گمان نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم بہ حقیقت الحال آخر میں اتنا ضرور میں کہوں گا کہ قرآن پاک کو مشتبہ کرنے کے لئے صحابہؓ پر اتہام اور ایسا اتہام جس کی لپیٹ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک بھی آجائے، کوئی معمولی گناہ نہیں ہے۔ جس نے جان بوجھ کر اس پہاڑ جیسے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، ہم آپ نہ سہی اللہ تعالےٰ ان لوگوں سے خوب واقف ہے لکل امر منهم ما اكتسب من الاثم ط والذين تولى كبره منهم له عذاب اليم

حدیث نقل مصاحف بعہد ذی النورین | باب جمع القرآن صحیح بخاری میں

بالکل ایک سلسلا اسناد سے دو حدیثیں ابن شہاب زہری سے مروی ہیں۔[1] ایک حدیث تو جمع صدیقی والی جس کی مفصل بحث آپ ملاحظہ فرما چکے۔ دوسری حدیث نقل مصاحف بعہد عثمانی والی۔ جو اس وقت آپ کے زیر غور و بحث آرہی ہے۔ اگرچہ اس پر بھی مجملاً کچھ بحث حدیث جمع صدیقی کے ضمن میں اوپر گزر چکی ہے مگر یہ مجلس چونکہ خاص اسی پر بحث و تمحیص کی ہے۔ اس لئے اس موقع پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس حدیث پر بحث کر دینا ضروری ہے تاکہ مجلس سونی نہ رہے۔ پہلے پوری حدیث مع ترجمہ ملاحظہ ہو۔

---

[1]: جمع صدیقی و نقل مصاحف دونوں حدیثیں امام بخاری جو روایت کرتے ہیں تو زہری تک تو دونوں کے استاد ایک ہی ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ جمع صدیقی والی حدیث زہری عبید بن السباق سے سنتے ہیں اور وہ زید بن ثابت سے۔ اور نقل مصاحف والی حدیث زہری بلا واسطہ انس بن مالک سے سنتے ہیں۔ جمع صدیقی والی حدیث کو امام بخاری پانچ جگہ اپنی کتاب میں مطولاً و مختصراً نقل کرتے ہیں اور ایک جگہ اس کی متابعتوں کا بھی

صہ ۲۶۹ پر

اصل حدیث	حدثنا موسیٰ قال حدثنا ابراهیم قال حدثنا ابن

شهاب ان انس بن مالك حدثه ان حذیفة بن الیمان قدم علی عثمان وكان یغازی اهل الشام فی فتح ارمینیه وادربیجان مع اهل العراق فافزع حذیفة اختلافهم فی القرآة ۔ فقال حذیفة بن الیمان یا امیرالمومنین ادرك هذه الامة قبل ان یختلفوا فی الكتب اختلاف الیهود والنصاریٰ فارسل عثمان الی حفصة ان ارسلی الینا بالصحف ننسخ فی المصاحف نردها الیك ۔ فارسلت بها الی عثمان ۔ فامر زید بن ثابت وعبدالله ابن الزبیر وسعید بن العاص وعبدالرحمن بن الحارث بن هشام ۔ فنسخوها فی المصاحف ۔ وقال عثمان للرهط القرشیین الثلثة اذا خلفتم انتم وزید بن ثابت فی شئ من القرآن فاکتبوه بلسان قریش فانما نزل بلسانهم ففعلوا

ذکر کرتے ہیں۔ ان متابعتوں میں سے بعض تو ان کی کتاب میں پائی جاتی ہیں اور بعض صحاح کی کسی کتاب میں نہیں ملتیں۔ صحاح سے باہر مسند احمد وغیرہ میں ملتی ہیں وہ بھی ناقص طور سے اور بعض متابعتوں کے خلاف حدیث خود انہی کی کتاب میں موجود ہے مگر ساری متابعتیں زہری کے بعد کی ہیں اس لئے بالکل غیر مفید۔ غرض زہری تک حدیث جمع صدیقی بالکل آحاد در آحاد رہتی ہے اور یہ نقل مصاحف والی حدیث تو زہری کے شاگرد ابراہیم بن سعد جن کی روایت زہری سے خود محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اور تحقیق کے بعد تو پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم کا زہری سے سماع حدیث ہی ممکن نہیں بس انہیں ابراہیم تک یہ نقل مصاحف والی حدیث آحاد در آحاد رہتی ہے جس کی کوئی متابعت امام بخاری کو نہ مل سکی۔ ابراہیم کے بعد والی متابعت بھی امام بخاری کو نہ مل سکی ورنہ ضرور لکھتے۔ غالباً ان کے وقت تک تیار نہیں ہوئی تھی یا بڑی عجلت میں یہ نقل مصاحف والی حدیث بخاری میں داخل کی گئی۔ اتنا وقت نہ ملا کہ دو ایک متابعت بھی بنا کر لگا دی جائے۔ واللہ اعلم

حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الی حفصة. وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا- وامر بما سواه من القرآن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق. قال ابن شہاب واخبرنی خارجة بن زید ان زید ابن ثابت قال فقدت ایۃ من الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرؤ بہا- فالتمسناھا فوجدناھا مع خزیمة بن ثابت الانصاری " من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ " فالحقناھا فی سورتھا فی المصحف (باب جمع القرآن بخاری)

ترجمہ: امام بخاری سے موسیٰ (بن اسمٰعیل) نے ان سے ابراہیم (بن سعد) نے، ان سے ابن شہاب زہری نے حدیث بیان کی کہ ان سے انس بن مالک نے حدیث بیان فرمائی کہ حذیفہ بن الیمان (صحابی) حضرت عثمان کے پاس آئے اور وہ اہل عراق کے ساتھ فتح ارمینیا اور آذربائیجان میں اہل شام سے جہاد کر رہے تھے تو حذیفہ کو اہل عراق کے اختلافاتِ قرأت نے گھبرا دیا۔ حذیفہ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اے امیرالمومنین، اس امت کی اس سے پہلے خبر لیجئے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف پیدا کر دیں۔ تو حضرت عثمانؓ نے حضرت (ام المومنین) حفصہؓ کے پاس (خدا جانے کس شخص کو) بھیجا کہ صحیفے ہم لوگوں کے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم لوگ مصحفوں میں نقل کر لیں۔ پھر ہم لوگ اس کو آپ کے پاس واپس کر دیں گے تو حضرت عثمانؓ کے پاس حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے بھیج دیئے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن الزبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام کو حکم دیا تو ان چاروں نے ان صحیفوں کو مصحفوں میں لکھ ڈالا۔ اور حضرت عثمان نے تینوں قریشیوں سے کہا کہ جب تم لوگ زید بن ثابتؓ سے قرآن سے متعلق کسی چیز میں اختلاف کرو تو اس کو لکھو قریش کی زبان میں۔ کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے تو ان لوگوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ صحیفوں کو مصاحف میں لکھ چکے تو حضرت عثمانؓ

نے ان صحیفوں کو حضرت حفصہؓ کے پاس واپس بھیج دیا۔ اور ہر افق میں ایک مصحف بھیج دیا جو لکھا گیا تھا اور اس کے ماسوا جو قرآن بھی صحیفوں یا مصحفوں میں ہو۔ اس کے بارے میں حکم کیا کہ جلا دیا جائے۔ ابن شہاب نے کہا کہ خارجہ بن زید بن ثابت نے مجھے خبر دی کہ انہوں نے زید بن ثابت سے سنا کہ انہوں نے کہا کہ جس وقت ہم لوگ مصحف لکھ رہے تھے، سورہ احزاب کی ایک آیت میں نے نہیں پائی جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا تو ہم لوگوں نے اس کو ڈھونڈھا تو اس کو پایا خزیمہ بن ثابت الانصاری کے ساتھ۔ (وہ آیت یہ ہے) من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ (الخ) تو ہم لوگوں نے اس کو اس سورہ میں مصحف کے اندر داخل کر دیا۔ (بخاری باب جمع القرآن)

یہی حدیث ابو عیسیٰ الترمذی اپنی سنن میں محمد بن بشار (معروف بہ بندار) سے اور وہ عبدالرحمٰن ابن مہدی سے اور وہ ابراہیم بن سعد سے اور وہ زہری سے روایت کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح دونوں حدیثوں کو یعنی جمع صدیقی والی حدیث کو بھی اور نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث کو بھی۔ جمع صدیقی والی حدیث کی متابعات

ملہ: یہ روایت ابوالیمان عن شعیب عن الزہری عن انس " فامر عثمان ؓ ففعلوا" تک (نزل القرآن بلسان قریش والعرب الخ) میں بخاری میں ہے مگر امام بخاری نے اس کو خود متابعت میں شمار نہیں کیا۔ اس لئے کہ اوّل و آخر کے واقعے بالکل غائب ہیں۔ درمیان کا صرف ایک ٹکڑا مروی ہے تو جب خود امام بخاری نے اس کو متابعت نہیں قرار دیا تو ہم بھی اس کو متابعت نہیں قرار دیتے ہیں اور جب متابعت نہیں تو پھر بحث ہی کیا ہے؟ ابوالیمان اور شعیب کے متعلق آپ کو جمع صدیقی والی روایت پر جرح میں معلوم ہو چکا ہے کہ ابوالیمان نے شعیب سے ایک آدھ کلمے کے سوا کچھ نہیں سنا۔ اس لئے یہ روایت بھی منقطع ہی ہے " درمیانی راوی کا حال معلوم نہیں"

کے سلسلے میں اس ترمذی والی روایت کا جو عبدالرحمٰن بن مہدی سے ہے ذکر تو آ چکا ہے۔ مگر نقشہ متابعات میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ نقشے میں انہی متابعتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں درج فرمایا ہے۔ نقشہ نکال کر دیکھ لیجئے اور نقل مصاحف والی حدیث کا بھی ذکر آخر سورہ توبہ اور آخر سورہ احزاب اور خزیمہ وابو خزیمہ کی بحث میں آچکا ہے۔ نفس حدیث تو وہاں مذکور نہیں ہے مگر مجملاً ترجمہ ضرور پیش کر دیا گیا ہے۔ دیکھیے صفحہ مگر ترمذی نے آخر حدیث میں ایک نئی بات لکھی ہے جس کی خبر امام بخاری یا ان کے شیخ موسیٰ بن اسمٰعیل کو زہری سے یا کسی دوسرے سے نہیں ملی۔ عبدالرحمٰن بن مہدی سے بندار یعنی محمد بشار نے اگر یہ بات سنی تھی تو صرف ترمذی ہی نے محمد بن بشار سے کیوں سنی؟ خود امام بخاری بھی تو محمد بن بشار سے بہتیری حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں محمد بن بشار سے دو سو پانچ حدیثیں مروی ہیں اور صحیح مسلم میں چار سو ساٹھ حدیثیں۔ امام مسلم کو تو نہ جمع صدیقی کی کوئی حدیث ملی۔ نہ نقل مصاحف بعہد عثمانی کی۔ یہ ترمذی والی نئی بات انہیں کہاں سے مل سکتی۔ اصل یہ ہے کہ یاران طریقت کو بخاری و ترمذی میں اپنی طرف سے جمع و نقل کی حدیثیں بنا کر داخل کر دینے کا موقع مل گیا۔ مگر صحیح مسلم میں اس کا موقع نہ مل سکا اس لئے صحیح مسلم جمع قرآن و نقل مصاحف کی حدیثوں سے خالی رہی اور جس نے بخاری میں یہ حدیثیں بنا کر داخل کی تھیں اس کو یہ نئی بات نہیں سوجھی تھی یا اس وقت نہیں سوجھی تھی۔ ترمذی امام بخاری سے متاخر ان کے شاگرد ہی تھے۔ بخاری کی تالیف کے برسوں بعد ترمذی مرتب و مدوّن ہوئی ہے اس لئے ترمذی میں یہ حدیثیں داخل کرنے کے وقت اس اضافے کا بھی خیال آگیا اور یہ مضمون بخاری میں داخل ہونے سے رہ گیا۔ بہرحال وہ ترمذی کا نیا اضافہ بھی سُن لیجئے۔

اضافہ ترمذی پوری روایت لکھنے کے بعد ابو عیسیٰ ترمذی تحریر فرماتے ہیں، بغیر اسنادِ قبل و بعد کے۔ قال الزھری، فاختلفوا یومئذ فی التابوت

والتابوہ ۔ فقال القریشیون التابوت وقال زید التابوہ فرفع اختلافہم الیٰ عثمان فقال اکتبوہ التابوت فانہ نزل بلسان قریش ۔ یعنی زہری نے کہا کہ تو اس دن ان کاتبوں نے اختلاف کیا "تابوت" اور "تابوہ" میں۔ قریشیوں نے کہا کہ "تابوت" اور زید نے کہا کہ "تابوہ" تو ان لوگوں کا اختلاف حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا "تابوت" لکھو۔ کیونکہ وہ قریش کی زبان میں اترا ہے۔

واضح رہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تلفّظ "تابوت" اور "تابوہ" کا ایک ہی تھا فرق صرف رسم الخط کا تھا۔ زید بھی تلفّظ "ت" ہی کا کرتے تھے مگر لکھنا چاہتے تھے "ۃ" سے بشکل ہائے ہوز۔ اس لئے کہ "لسان" کا تعلق تلفّظ سے ہے نہ کہ کتابت سے۔ اور کسی متقدم نے یہ لکھا بھی نہیں ہے کہ اختلاف صرف رسم الخط کا تھا بہرحال مجھ کو اس پر خواہ مخواہ اصرار بھی نہیں۔ اگر کوئی صرف رسم الخط پر اصرار کرے تو میں تسلیم کرلوں گا کہ اچھا صرف رسم الخط ہی کا اختلاف سہی۔

مگر اس کا پتہ نہیں ملا کہ زہری نے یہ کہا تو کہاں سے کہا؟ کس سے سن کر کہا؟ ترمذی کو یہ خبر کس سے ملی کہ زہری نے ایسا کہا؟ ہر موقع پر تو یہ لوگ سلسلۂ اسناد لکھ دیا کرتے ہیں، یہاں پر اس کو خلافِ معمول و خلافِ دستور نظرانداز یا قلم انداز کیوں کر دیا؟ اصل یہ ہے کہ اگر سلسلۂ اسناد وہی پہلا اس قول کے متعلق بھی لکھ دیا جاتا تو سلسلۂ اسناد کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ اضافہ بغیر "قال الزہری" کے، اسی حدیث نقل مصاحف کے سلسلۂ بیان میں مذکور ہوتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ یہ اضافہ ترمذی تک پہنچا تو تھا، اسی اسناد سے، مگر بہ یک جلسہ و بیک مجلس نہیں۔ اس لئے محض تفریق مجلس کو ظاہر کر دینے کے لئے الگ کر دینا مناسب سمجھا گیا۔ اگر ایسا ہی تھا جب پہلے اسناد کو لکھ دینا ضروری تھا تاکہ یہ اشتباہ نہ رہے کہ زہری کی یہ بات کسی اور غیر معلوم ذریعے سے ان تک پہنچی۔ جیسا کہ اس وقت

یہ اشتباہ ہو رہا ہے اور اگر کسی دوسرے سلسلۂ اسناد سے پہنچی ہے جب تو اس کو واضح کر دینا بدرجۂ فرض تھا کہ کسی حدیث کا بغیر اسناد کے اپنی کتاب میں درج کر دینا ایک مؤلف سنن کے لئے کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔ کچھ پتہ نہیں ملتا کہ ترمذی نے کس سے سُنا کہ زہری نے ایسا کہا اور کچھ خبر نہیں کہ زہری نے حضرت انسؓ ہی سے سنایا۔ عبید بن السباق سے یا خارجہ سے ع اڑتی ہوئی خبر تھی زبانی طور کی۔

اصل یہ ہے کہ اگر وہی "عن محمد بن بشار عن عبدالرحمٰن بن المہدی" یہاں بھی لکھ دیا جاتا تو ہم لکھ چکے ہیں کہ محمد بن بشار سے امام بخاری دو سو پانچ حدیثیں اپنی کتاب صحیح بخاری میں روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری بیک واسطہ اس حدیث کو ابراہیم بن سعد سے بذریعہ موسیٰ بن اسمٰعیل روایت کرتے تھے خواہ مخواہ یہ دو واسطہ کیوں روایت کرتے اس لئے شاید انہوں نے اس روایتِ نسخِ مصاحف کو محمد بن بشار سے نہیں لیا۔ کہ اس سلسلے سے وہ دو واسطے سے ابراہیم بن سعد تک پہنچے اس لئے نقل مصاحف والی حدیث اس سلسلہ سے نہیں نقل کی اور نہ جمع صدیقی والی حدیث اس سلسلے سے لی۔ مگر اتنا اضافہ اگر ان کو اسی سلسلہ اسناد سے مل جاتا تو اس اضافہ کی وجہ سے امام بخاری ضرور اس سلسلے سے بھی نقل مصاحف والی حدیث کو لکھ لیتے اور موسیٰ بن اسمٰعیل کی متابعت اس کو قرار دے دیتے۔ ورنہ کتاب التفسیر میں اس کا ذکر کرتے۔ قرآن مبین میں تابوت کا لفظ دو ہی جگہ ہے۔ ایک تو سورۂ بقرہ کے تیتیسویں رکوع میں، دوسرے سورہ طٰہٰ کے دوسرے رکوع میں، مگر امام بخاری نے کہیں بھی "تابوت" اور "تابوہ" کے اختلاف کا ذکر نہیں فرمایا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام بخاری کو اس اختلاف کی مطلق خبر نہ تھی اور نہ درحقیقت محمد بن بشار غریب کو اس کی خبر تھی ورنہ وہ جہاں دو سو پانچ حدیثیں امام بخاری کو دے چکے تھے اس سے کبھی اغماض نہ کرتے۔ اس لئے اس کو مطلقاً لکھا ہی نہیں کہ ترمذی کو یہ کس طرح معلوم ہوا۔ اسی طرح زہری سے سنا۔ اس کا بھی ذکر نہ کیا کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ

زہری نے انس بن مالکؓ ہی سے یہ بھی سنا تو پھر زہری سے جس نے سنا اس کو بھی واضح کر دینا ضروری ہو جاتا اور زیادہ کھولنے ہی میں جھوٹ پکڑا جاتا ہے۔ چونکہ یہ اضافہ بخاری میں درج نہیں ہو سکا ہے اس لئے اسناد کو کھلا رکھنا اور گول مول چھوڑ دینا ہی بہتر نظر آیا کہ بظاہر وہی اسناد جو اوپر والی حدیث کے ہیں۔ اس قول کے بھی سمجھ لیے جائیں گے اگر کوئی کرید ے گا تو کہہ دیا جائے گا کہ ممکن ہے کہ دوسرے اسناد ہوں اور امام بخاری نے اس اضافہ کے اسناد نہ ملنے ہی کی وجہ سے محمد بن بشار سے جمع صدیقی و نقل عثمانی کی روایت ہی نہ لی چونکہ آخر میں یہ اضافہ بغیر تصریح اسناد کے تھا مگر یہ تصریح اسناد تو ترمذی نے یہاں چھوڑ دی ہیں محمد بن بشار نے تو چھوڑی نہیں۔ اگر محمد بن بشار اپنے اوپر کے اسناد اور زہری کے بعد کا نام چھوڑ دیتے تو ترمذی اپنی سماعت تو محمد بن بشار سے ضرور لکھ دیتے۔ اس لئے امام بخاری کا اس وجہ سے اس سلسلۂ اسناد کو چھوڑ دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ غرض یہ کہ یہ قال الزہری کو تو دیکھ کر میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اپنے صوبہ کے مشہور استاد حضرت شاد کے شعر کو تھوڑی ترمیم کے ساتھ یوں پڑھوں۔

سنی روایت زہری تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

اس اضافے کے متعلق باقی بحث نفس حدیث کی تنقید میں آتی ہے، متن حدیث کی تنقید کے بعد۔

نفس روایت کی تنقید یہ تو میں جمع صدیقی کے سلسلے میں بیان کر چکا. ابراہیم بن سعد زہری کی وفات کے وقت کمسن تھے اور زہری سے ان کی لقاء و سماع بالکل غیر متوقع ہے۔ اس لئے ان کی روایت جو زہری سے آتی ہے وہ محدثین کے یہاں ضعیف سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ زہری سے ان کا سماع حدیث ہی مشتبہ اور نا متوقع الصحت ہے۔ ان کا سن سماع حدیث کا زہری کی وفات تک نہیں سمجھا

جاتا ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ ابراہیم بن سعد کمسنی کی وجہ سے اس وقت اپنے وطن مدینہ طیبہ ہی میں رہتے تھے اور ابن شہاب زہری اپنے وطن اور اپنے کاروبار کی جگہ مقام ایلہ میں اپنے انتقال سے بہت پہلے سے یہ ایلہ میں مقیم ہو کر ہی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اور یہیں آ آ کر لوگ ان سے حدیثیں لیا کرتے تھے۔ ہم زہری کے تذکرے میں لکھ چکے ہیں کہ عبدالعزیز الماجشون وغیرہ ایلہ ہی جا جا کر زہری سے حدیثیں سنا کرتے تھے۔ غرض چونکہ زہری کی وفات کے وقت ابراہیم بن سعد سولہ برس کے تھے اور دونوں کی جائے اقامت میں بہت زیادہ دوری تھی۔ آمد و رفت اس وقت بہت دشوار تھی۔ اتنی کمسنی میں ایلہ جا کر ابراہیم کا زہری سے حدیثیں لینا بالکل خلافِ عقل ہے اس لئے یقیناً ان سے زہری کی ساری روایتیں ضعیف ہی نہیں بلکہ منقطع اور صحت کے اعتبار سے سخت مشتبہ ہیں۔ یہ نہیں کہ انہوں نے جھوٹی حدیث بنائی بلکہ یہ کہ ان پر اس حدیث کا وضاعین حدیث نے افترا کیا اور اپنی من گھڑت حدیثوں کو ان کی طرف منسوب کر کے زہری تک ان کی وساطت سے پہنچایا۔ غرض ابراہیم بن سعد سے مروی ہونے کی وجہ سے بخاری و ترمذی کی جمع صدیقی و نقل عثمانی والی دونوں حدیثیں روایتاً مشتبہ غیر متوقع الصحت اور بقول محدثین ضعیف ہیں۔ یہ حال تو روایت کی عینک لگا کر اس حدیث کو دیکھیے۔

متنِ حدیث پر ایک نظر | فارسل عثمان الی حفصة ان ارسلی الینا بالصحف یعنی تو عثمانؓ نے حفصہؓ کے پاس بھیجا کہ ہمارے پاس صحیفے بھیج دیجئے کس کو بھیجا؟ اور حضرت حفصہؓ نے کس کے ہاتھ صحیفے بھیجے، اس کا کوئی ذکر حدیث میں نہیں اور نہ قرینے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

حضرت حفصہؓ نے حضرت عثمانؓ سے واپس کر دینے پر قسم لے کر صحیفے مستعار دیئے

ان صحیفوں کی اہمیت معلوم ہے کیونکہ بعض روایتوں میں تو ہے کہ حضرت عثمانؓ سے حضرت حفصہؓ نے واپس کرنے پر قسم لی جب عثمانؓ نے قسم کھا کر واپس کرنے کا

وعدہ فرمایا تب حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے جو ان کے پاس تھے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیجے[۱]۔ تو یقیناً کوئی معتبر شخص کئی بار حضرت عثمانؓ کی طرف سے حضرت حفصہؓ کے پاس آیا اور گیا اور حضرت حفصہؓ نے کسی معتمد علیہ ہی شخص کے ہاتھ وہ صحیفے حضرت عثمان کے پاس بھیجے ہوں گے اس لئے جس کو عثمانؓ نے حفصہؓ کے پاس بھیجا تھا اور جس کے ہاتھ حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے صحیفے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجے تھے اس کا نام بتانا ضروری تھا۔ یہ کیا کہ جمع صدیقی والی حدیث میں بھی زید بن ثابتؓ سے روایت کی جاتی ہے کہ ارسل الیّ ابوبکر یعنی میرے پاس ابوبکرؓ نے بھیجا، کس کو بھیجا، یہ نہیں بتایا جاتا ہے۔ ابن حجر فتح الباری جلد ۲۰ ص ۴۲ میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لم اقف علی اسم الرسول الیہ۔ یعنی جس کو زیدؓ بن ثابت کے پاس حضرت ابوبکرؓ نے بھیجا تھا، اس کے نام سے میں واقف نہ ہوا۔ وہاں تو خیر کسی اہم شخصیت کی ضرورت نہ تھی صرف زید بن ثابتؓ کو بلانا تھا کسی کو بھیج کر بلوایا ہوگا۔ مگر یہاں تو صحیفوں کا لانا تھا۔ پھر بار بار آنا جانا ایک اہم معاہدہ اور قسم کے ساتھ۔ مگر یہاں بھی وہی خالی ارسل؟ جس سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں روایتوں کا بنانے والا ایک ہی شخص تھا جس نے مبہم چھوڑ دینے ہی کو دونوں جگہ قرین مصلحت سمجھا اور شخصیت کے تعین میں گھبرایا کہ کس کا نام لکھیں، کہیں جھوٹ کھل نہ جائے۔ یہ روایتیں سن ۱۰۱ھ کے بعد بنیں۔ اگلوں یعنی عہد صدیقی، فاروقی و عثمانی کے لوگوں کے سنین وفات اس وقت تک قلمبند تو ہوئے نہ تھے اور نہ عام طور سے لوگوں کو معلوم تھے۔ اگر ایسے شخص کا نام لکھ دیا گیا جو اس وقت سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، تو پھر بڑی مشکل ہو جائے گی۔ جھوٹی حدیثوں کی ٹکسال کوفہ میں تھی اور یہ سارے واقعات مدینے کے تھے۔ اہل کوفہ مدینہ کے اکابر

جمع صدیقی والی حدیث میں زید بن ثابتؓ نے یہ نہیں بتایا کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو بلانے کے لئے کس کو بھیجا تھا اور نقل مصاحف والی حدیث میں بھی حضرت انسؓ نے نہیں بتایا کہ حضرت عثمانؓ نے کس کو حضرت حفصہؓ کے پاس صحیفے لانے کے لئے بھیجا تھا

(۱) یہ روایت اتقان میں موجود ہے۔

ہی کے سنین وفات سے اس وقت مطلع تھے۔ اصاغر متوسلین کے سنین وفات سے پوری اطلاع کی ان کو کوئی وجہ نہ تھی جبھی تو دھوکہ کھا کر کتاب التعریف کی حدیث کے راوی نے اور ابن جریر نے بھی لکھ مارا کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کی وفات کے بعد ان صحیفوں کو دھلوا دیا۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ کی وفات حضرت حفصہؓ کی وفات سے پندرہ برس پہلے ہے۔ اس کی مفصل بحث ص سے ص کے درمیان پہلے گزر چکی ہے غرض اسی طور سے لفظ اَرْسَلَ دونوں روایتوں میں لکھا اور جس کو بھیجا، اس کا نام نہیں بتایا حدیث گھڑنے والے بڑے ہوشیار تھے۔

ارسلی الینا بالصحف ننسخ بالمصاحف

حضرت حفصہؓ سے درخواست کی گئی ہے کہ ہم لوگوں کے پاس صحیفے بھیج دیجئے کہ ان کو ہم لوگ مصاحف میں نقل کر لیں وہ صحیفے آخر کسی ایک ہی رسم الخط میں لکھے ہوتے ہوں گے اور کسی ایک ہی لغت کے مطابق اعراب اور نقطے ان صحیفوں میں اگر نہ تھے تو ان مصاحف میں کب دیئے جارہے تھے اس لئے اس نقل میں تو لسان قریش وغیر قریش کا سوال ہی نہ تھا۔ پھر زید بن ثابت ہی کے ہاتھ کے بقول زہری وہ صحیفے لکھے ہوئے تھے جن کو حضرات صدیق و فاروق دو دو راشد بلکہ ارشد خلیفے قبول اور پسند کر چکے تھے اگرچہ یہ صحیفے لکھے جانے کے بعد سے نقل مصاحف کے لئے باہر نکالے جانے سے قبل تک تقریباً پندرہ برس تک کبھی کسی مصرف میں نہ آئے بلکہ فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطہرون کے مصداق بنے ہوئے تمام صحابہ تک کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے۔ حضرت حفصہؓ اور شاید دوسری ازواج مطہرات ہی ان سے مستفیض ہوتی رہتی ہوں جن کی شان میں آیہ تطہیر اتری ہے اور اس طرح لا یمسہ الا المطہرون صادق آرہا ہو۔

زیدؓ ہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے صحیفوں کی نقل میں زیدؓ سے اختلاف کا خطرہ کیوں؟

ان صحیفوں میں زید بن ثابتؓ نے جس رسم الخط میں قرآن لکھا تھا جس کو حضرت عثمانؓ سے پیشتر کے دو جلیل القدر خلیفے قبول اور پسند کر چکے تھے اس کی

نقل کرنے میں کاتبوں کے درمیان قریشی و غیر قریشی ہونے کی وجہ سے اختلاف کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اسی زید سے جس کے لکھے ہوئے یہ صحیفے ہیں۔ یہ نئے کاتبین کیوں اختلاف کرنے لگے؟

لسانِ قریش یا مضر اہل ادب و لغت عربی جانتے ہیں کہ سارے بنی مُضر کی ایک زبان، ایک لغت اور ایک محاورہ تھا۔ بنی مضر میں بنی قریش بھی تھے۔ قریشی بنی مضر اور غیر قریشی بنی مضر کے محاورہ و لغت میں کوئی فرق نہ تھا اور قرآن مضر ہی کی زبان میں اترا ہے۔ چنانچہ مختصر کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۴۶ (برحاشیہ مسند احمد) میں یہ روایت بھی ہے کہ "عن عبد اللہ بن فضالہ. قال لما اراد عمران یکتب الامام اقعد لہ نفر من اصحابہ وقال اذا اختلفتم فی اللغۃ فاکتبوھا بلغۃ مضر. فان القران نزل علی رجل من مضر یعنی عبداللہ بن فضالہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب حضرت عمرؓ نے کتاب الامام کے لکھنے (یعنی لکھوانے کا ارادہ کیا تو اس کے لئے اپنے اصحاب میں کچھ اشخاص کو انہوں نے بٹھایا اور کہا کہ اگر تم باہم مختلف ہو لغت کے متعلق تو اس کو لکھو۔ مضر کی لغت میں، کیونکہ قرآن اترا ہے مضر کے ایک آدمی پر"۔ اس روایت میں حضرت عثمانؓ کے عوض حضرت عمرؓ کا نام ہے۔ معلوم نہیں طباعت کی غلطی ہے یا راوی کی۔ یا شاید حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی بعضوں نے روایت بنائی ہو۔ بہرحال روایتیں تو جمع قرآن کے متعلق سب کی سب موضوع ہی ہیں اس لئے اس سے بحث نہیں۔ یہ حدیث صرف اس ثبوت میں پیش کی گئی ہے کہ لغتِ قریش و لغتِ مُضر دو لغت نہ تھے۔ ورنہ جھوٹی روایت بنانے والے ایسی فاش غلطی نہ کرتے۔ وہ جانتے تھے کہ قریش بھی بنی مضر ہی ہیں اور عبداللہ بن مسعودؓ بھی بنی مضر ہی تھے۔ ان کی نانی حارث بن زہرہ کی بیٹی تھیں۔ اس لئے زہریہ تھیں۔ ان کے والد حلیف بنی زہرہ تھے۔ اس لئے یہ قریشی بھی ننہال کی طرف سے تھے۔ ان کی زبان، ان کا محاورہ و لغت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے قریشیوں سے ہرگز مختلف نہ تھا۔ اس لئے ان کی قرأت دوسرے

قریشیوں کی قرأت سے مختلف کیوں ہوگی؟ جو ان کے تلامذہ کوفے میں قرآن کا سب سے الگ اسکول کھول کر قرأت میں تمام مسلمانوں سے ان کا نام لے کر اختلاف کرنے لگے اور اپنے من گھڑت اختلافاتِ قرأت کو ان کے سر تھوپنے لگے۔ یہ ایک نہایت اہم نکتہ اور قابلِ غور بات سوچنے اور سمجھنے کی ہے کہ اس نکتے سے اہل کوفہ کا الحاد فی آیات اللہ صاف کھل جاتا ہے۔

چار معلمین قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انصاریوں، عجمیوں اور غیر مضری دوسرے قبائل والے چار شخصوں سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے فرمایا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ ہذلی تھے اور بنی ہذیل مضری کی ایک شاخ تھی جو ہذیل بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر سے چلی تھی۔ اس طرح معاذ بن جبل خزاعی تھے اور بنی خزاعہ بھی بنی مضر ہی تھے۔ "خزاعہ" نام نہیں ہے بلکہ لقب ہے عمرو بن لحی بن قمعہ بن الیاس بن مضر کا۔ بنی خزاعہ پہلے سب کے سب مکہ ہی میں تھے اور خانہ کعبہ کے متولی یہی لوگ تھے۔ ابوغسان الخزاعی نے جو متولی تھے اس کی تولیت قصی بن کلاب کے ہاتھ بیچ ڈالی صرف ایک مشک شراب پر۔ یہ بنو خزاعہ بھی مضر ہی تھے۔ البتہ ابی بن کعب کو نسبی کوئی تعلق تو بنی مضر یا قریش سے مذکور نہیں ہے مگر یہ قریش کے حلیف تھے مکہ سے ان کے تعلقات بہت زیادہ رہے اس لئے قریش کی زبان سے پوری طرح واقف تھے اسی لئے مدینہ آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبِ وحی انہی کو قرار دیا۔ اور پہلے کاتبِ وحی مدینہ میں یہی رہیں۔ جب یہ موجود نہیں ہوتے تو زید بن ثابتؓ کو بلایا جاتا تھا وہ بھی جب زیدؓ نے کتابت سیکھ لی اور پوری مشق بہم پہنچائی۔ اور سالم مولیٰ ابن حذیفہ تو برابر مکہ ہی میں رہے۔ ابو حذیفہ قریشی تھے۔ ان کے آزاد کردہ غلام تھے اور پھر متبنیٰ ہوئے غرض تعلیم قرآن کے لئے انہی لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منتخب کیا جو لوگ اپنے اپنے قبیلے میں یا عجمیوں میں تعلیم قرآن کریں مگر لغت و محاورات قریش و مضر کی نگہداشت کرتے ہوئے اسی کے مطابق جتنی باتیں میں عرض کر چکا ہوں۔ حدیث نقل مصاحف بعہد

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے موضوع اور سرے سے جھوٹ ہونے کو ثابت کرنے کے لئے ایک منصف صاحبِ عقلِ سلیم اور ایماندار آدمی کے لئے بہت کافی ہیں مگر ان کے علاوہ بھی چند اہم باتیں اور بھی ہیں جو میرے دعوے کے ثبوت میں بہت اہمیت رکھتی ہیں اس لئے میں ان باتوں کو حسب ذیل نمبروں میں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ بہ نگاہِ غور اور بہ نظرِ انصاف ملاحظہ ہوں۔

حضرت عثمانؓ جانتے تھے کہ حضرتِ حفصہؓ کے پاس صحفِ نبوی ہیں

یہ حدیث اس بات کو صاف ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت عثمانؓ یہ خوب جانتے تھے کہ حضرت حفصہؓ کے پاس جو صحیفے ہیں، وہی ہیں جو عہد نبوی سے ان کے پاس بطورِ امانت چلے آ رہے ہیں اس لئے کہ جمع صدیقی کا واقعہ فی الواقع ہوا ہوتا اور یہ صحیح ہوتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عمرؓ کے مشورے سے زید بن ثابتؓ سے ان صحیفوں کو جمع کرایا تھا اور یہ صحیفے حیاتِ صدیق تک حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس اور پھر حضرتِ عمرؓ کے پاس رہے تھے تو پھر حضرت عمرؓ کے بعد ان صحیفوں کے حضرت حفصہؓ کے پاس رہنے کو حضرت عثمانؓ کبھی گوارا نہ کرتے اور جب منگوائے تھے تو واپس بھیجنے کا وعدہ نہ کرتے اور ہرگز واپس نہ کرتے۔

حضرتِ حفصہؓ کے پاس لکھے ہوئے صحیفے زید بن ثابتؓ کے لکھے ہوئے نہ تھے

اگر حضرت عثمانؓ کو یہ علم ہوتا کہ یہ صحیفے جن کی نقلیں حاصل کرنے کے لئے ہم نے انہیں حضرت حفصہؓ کے پاس سے منگوایا ہے اس کو عہدِ صدیقی میں تنہا زید بن ثابتؓ نے ہی مرتب و مدون کر کے لکھا ہے تو وہ ان کی صرف نقل حاصل کرنے کے وقت زید بن ثابتؓ کے ساتھ تین تین قریشی کاتبوں کو نہ لگا دیتے اور یہ نہ کہتے کہ جہاں تم لوگوں سے اور زید بن ثابتؓ سے اختلاف ہو وہاں قریش کی زبان اور رسم الخط کا اتباع کرنا یعنی زید بن ثابتؓ کی بات نہ ماننا۔ اس لئے کہ منقول عنہ تو زید بن ثابتؓ ہی کا بقول راوی لکھا ہوا تھا جس کو پہلے دونوں خلیفے پسند و قبول کر چکے تھے۔

ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قال الزھری فاختلفوا یومئذ فی "التابوت والتابوہ" فقال القریشیون "التابوت" وقال زید "التابوہ" فرفع اختلافھم الی عثمان فقال اکتبوہ "التابوت" فانہ نزل بلسان قریش۔ یعنی زہری نے کہا کہ اس نقل مصاحف کے دن تابوت اور تابوہ میں (ان چاروں کاتبوں کے درمیان) اختلاف پیدا ہوا (تینوں) قریشی کہتے تھے "تابوت" اور زید بن ثابتؓ کہتے تھے "تابوہ" تو یہ اختلاف حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ "تابوت" لکھو کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے۔ اگر ان صحیفوں کو جن کی صرف نقلیں کرنے کے لئے یہ چاروں کاتب بیٹھے تھے۔ زید بن ثابتؓ ہی نے لکھا تھا تو پھر زید نے ان صحیفوں میں "تابوہ" لکھا تھا یا "تابوت"؟ اگر تابوت لکھا تھا تو پھر اس وقت زید نے "تابوہ" پر اصرار کیوں کیا؟ کہ یہ مقدمہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کرنا پڑا۔ اور اگر "تابوہ" لکھا تھا تو جب حضرت عثمانؓ کے پیش رو دو خلیفوں نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی تو حضرت عثمانؓ کبھی اپنے پیش روؤں کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے اور اگر کرتے تو پھر دوسرے اکابر مہاجرینؓ اور انصارؓ سے اس میں استصواب کر لینے کے بعد کوئی فیصلہ کرتے۔ فوراً قلم برداشتہ ایسا فیصلہ کبھی نہ کرتے جو صرف زید بن ثابتؓ کے بلکہ ان کے پیش رو دو خلفائے راشدینؓ کے بھی خلاف پڑ رہا تھا۔

حضرت زیدؓ بن ثابت نے کتابت کا فن اسیرانِ جنگِ بدر یعنی مکیوں اور قریشیوں سے سیکھا تھا اور وہ قریشی ہی رسم الخط جانتے تھے۔ اس لئے دوسرے قریشیوں سے یہ رسم الخط میں کسی طرح کا اختلاف نہیں کر سکتے تھے اگر تابوت اور تابوہ میں صرف رسم الخط کا اختلاف روایت میں مراد ہے اور "ت" اور "ہ" کے تلفظ کا فرق بھی رعایت میں مقصود ہے تو آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے کس تلفظ کے ساتھ سنا تھا اور کس تلفظ کے ساتھ سیکھا تھا؟ یہ ناممکن ہے کہ جس لفظ کا جو تلفظ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکے تھے اس کے خلاف تلفظ ادا کرتے اور اس پر اصرار

کرتے اور اس قدر اصرار کر اس جھگڑے کو امیر المومنین کے پاس پیش کر کے وہاں سے فیصلہ حاصل کرنے کی ضرورت پڑ جائے اور وہ فیصلہ ان کے خلاف ہی صادر ہو۔

حضرت عثمانؓ نے تمام مسلمانوں کو حرفِ واحد پر مجتمع کر دیا، اس کا پروپیگنڈا

کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تمام مسلمانوں کو حرفِ واحد یعنی قرأۃ واحدہ پر مجتمع کر دیا چنانچہ سیوطی اتقان جلد ا صـ۸۵ میں لکھتے ہیں

ان الفرق بین جمع ابی بکر وجمع عثمان ان جمع ابی بکر لخشیة ان یذھب من القران سی بذھاب حملة لانہ لم یکن مجموعا فی موضع واحد فجمعه فی صحف من الایات وسورہ علی ماوقفھم علیه النبی صلی اللہ علیه وسلم وجمع عثمان کان لما کثر الاختلاف فی وضع القرأت حین قرأ وبلغاتھم علی اتساع اللغات فادی ذلک بعضھم الی بخطیتہ بعض فخشی من تفاقم الا مرفی ذلک الی جمع تلک الصحف فی مصحف واحد مرتبا بسورہ من صائر اللغات الی لغة قریش یحمیا بانہ نزل بلغة قریش وایعاذ تہ ابتلہ بلغة غیرھم رفعا للحرج والمشقة فی ابتداء الامر ورائی ان الحاجة الی ذلک انتھت جمع الامة علی حرف واحد ای روفی الصفحه ۸۸۶ وقال المحاسبی المشھور عند الناس ان جامع القران عثمانؓ ولیس کذلک۔ انما حمل عثمان الناس علی القراءة بوجہ واحد علی اختیار وقع بینه وبین من شھدہ من المھاجرین والانصار لما خشی الفتنة عند اختلاف اھل العراق والشام فی حروف القراءت فاما قبل ذلک فقد کان المصاحف بوجوہ من القرات المطلقات علی الحروف السبعة التی انزل بھا القرآن۔ فاما السابق الی جمع الجملة فھو الصدیقؓ وقد قال علیؓ لو ولیت لعملت بالمصاحف التی عمل عثمانؓ (وفی صـ۸۵) قال علی لا تقولوا فی عثمان الا لغیر افواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف

الا عن ملأ منا۔ قال فما تقولون فی ھذہ القراءت فقد بلغنی ان بعضھم یقول ان قراءتی خیر من قراءتک وھذا یکاد یکون کفرا۔ قلنا ماتری فی ذلک قال اری ان نجمع الناس علیٰ مصحف واحد فلا یکون فرقۃ ولا اختلاف قلنا فنعم ما رأیت۔ یعنی ابن التین وغیرہ (محدثین و مؤرخین¹) نے کہا کہ جمع ابوبکرؓ و جمع عثمانؓ میں فرق یہ ہے کہ عہد صدیقی میں جمع قرآن کا کام اس خطرے کے ماتحت ہوا کہ حاملین قرآن کے دنیا سے اٹھ جانے کی وجہ سے قرآن کا کچھ حصہ کہیں غائب نہ ہوجائے کیونکہ قرآن کسی ایک جگہ مجموعی صورت میں نہ تھا تو قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق آیات و سورتوں کی ترتیب کے ساتھ ایک مصحف میں ابوبکر صدیقؓ نے جمع کیا (یعنی ان کے حکم سے زید بن ثابتؓ نے جمع کیا)۔ اور جمع عثمانی کا کام اس غرض کے ماتحت تھا کہ لوگوں میں قرأتوں کے اختلافات بہت پیدا ہوگئے تھے کیونکہ جہاں تک ان کی لغتوں میں وسعت تھی لوگ اپنی اپنی لغتوں کے مطابق پڑھنے لگے تھے۔ اور یہ اختلافات اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ ایک دوسرے کو برسرِ خطا قرار دینے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ موقع کی نزاکت سے ڈرے اور ان صحیفوں کو (جن کو حضرت صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ سے مرتب و مدون کرایا تھا) ایک مصحف میں لکھوایا، سورتوں کی ترتیب قائم کی اور تمام دوسری لغتوں کو چھوڑ کر صرف لغت قریش کی مطابقت کا التزام کیا اس دلیل

---

¹ (کسی مورخ نے کہا کہ؟ ابوجعفر طبری اور ابن اثیر تو نہ جمع صدیقی کا ذکر کرتے ہیں نہ نقل مصاحف بعہد عثمانی کا ابن خلدون میں عہد صدیقی کے ذکر میں جمع قرآن کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ عہد عثمانی کے ذکر میں ایک الحاقی بیان ہے جس میں نقل مصاحف کا ذکر کرکے ضمناً جمع صدیقی کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے جو یقیناً اس کتاب میں ایک نمایاں الحاق ہے۔ اب بعد والے متاخرین لکھ دیں تو اور بات ہے۔

سے کہ قرآن قریش ہی کی لغت میں اترا ہے اگرچہ اس میں وسعت غیروں کی لغت میں پڑھنے کی بھی حرج و مشقت دور کرنے کے لئے شروع میں رکھی گئی تھی۔ حضرت عثمان رضؓ نے دیکھا کہ اب اس کی حاجت باقی نہ رہی اس لئے ایک ہی لغت پر اکتفا کی۔

اور محاسبی نے کہا کہ لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ جامع قرآن حضرت عثمان رضؓ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضؓ نے لوگوں کو صرف ایک طریقے سے قرأت کرنے پر مجبور کیا۔ جس طریقے کو تمام مہاجرین رضؓ و انصار رضؓ جو اس وقت موجود تھے۔ سب کے مشورے سے اختیار کیا گیا کیونکہ وہ اہل عراق و اہل شام کے اختلافات دیکھ کر فتنے سے ڈرے اور اس سے پہلے قرآن مختلف طرح کی قرأتوں میں تھا۔ ان حروف سبعہ کے مطابق جن پر قرآن اترا۔ تو تمام قرأتوں کو یکجا کر لینے کی طرف جس نے سبقت کی، وہ صدیق اکبر رضؓ تھے۔

اور حضرت علی مرتضےٰ رضؓ نے فرمایا اگر میں والی یعنی خلیفہ ہوتا تو میں بھی ان مصاحف کے ساتھ وہی کرتا جو عثمان رضؓ نے کیا اور حضرت علی رضؓ نے یہ بھی فرمایا کہ عثمان رضؓ کے بارے میں بجز کلمہ خیر کے کچھ نہ بولو۔ اللہ تعالےٰ کی قسم جو کچھ انہوں نے مصاحف کے ساتھ کیا وہ ہم لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے مشورے سے کیا۔ حضرت علی رضؓ نے (معترضین سے) پوچھا کہ ان قرأتوں کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ کیونکہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض لوگ (آپس میں) کہتے ہیں کہ میری قرأت تمہاری قرأت سے اچھی ہے اور یہ کفر کے قریب ہو جاتا ہے تو ان لوگوں نے حضرت علی رضؓ سے پوچھا کہ آپ پھر اس بارے میں کیا مناسب سمجھتے ہیں (یعنی ان معترضین نے بھی اختلافاتِ قرأت کی خرابیوں کو محسوس کیا۔) حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ ہم تو یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو ایک مصحف پر مجتمع کر دیں تاکہ پھر نہ فرقہ پیدا ہو، نہ اختلاف واقع ہو۔ تو سب مسلمانوں نے کہا کہ بہت بہتر رائے قائم فرمائی۔"

اتقان کی یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ ابن التین وغیرہ محدثین و مورخین اور خود جلال الدین سیوطی وغیرہ کے نزدیک پورا قرآن نہ کتابی صورت میں کہیں مجتمع تھا نہ زبانی

پورا قرآن محدثین کے نزدیک کبھی بھی کسی کے پاس بھی مجتمع نہ تھا کسی کو یاد تھا اور

نہ ہڈی، لکڑی، چھال یا کھال وغیرہ پر آیات منتشرہ ہی کی صورت میں پورا قرآن کسی جگہ بھی یکجا تھا۔ کوئی سورہ کسی کو یاد تھا کوئی کسی کو، کچھ آیتیں کسی کو حفظ تھیں کچھ کسی کو۔ لکھی ہوئی بعض آیتیں یا سورتیں ایسی نہ تھیں جو صرف ایک ہی شخص کے پاس تھیں حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ سے لکھوا کر اکٹھا کرا کے منتشر آیات سے سورتیں مرتب کرالیں۔ اور متعدد صحیفوں میں ان سب سورتوں کو لکھوا لیا اور لکھوا کر تبرکات کی طرح اس کو اپنی پوری زندگی تک مقفل رکھا۔ نہ اس کی متعدد نقلیں کرا کے مختلف اطراف و جوانب میں بھیجیں۔ نہ عام مسلمانوں، نہ خاص مہاجرین و انصارؓ ہی کو اس کا حکم دیا کہ اب ان صحیفوں سے ہر کتاب جاننے والا نقلیں کر کے اپنی تلاوت کے لئے اپنے پاس رکھ لے۔ غرض جمع صدیقیؓ سے حضرت عمرؓ کے بعد تک یعنی نقل مصاحف بعہد عثمانی سے قبل تک کسی شخص نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ یہاں تک کہ خود حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بلکہ زید بن ثابتؓ کا بھی ان صحیفوں میں تلاوت کرنا یا اس سے کچھ فائدہ اٹھانا ثابت نہیں ہوتا۔ تقریباً اٹھارہ سال تک یہ صحیفے بے کار مقفل رکھے رہے۔ اٹھارہ برس کے بعد پہلے پہل جو ان صحیفوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے تو یہی کہ حضرت عثمانؓ نے اس کی چند نقلیں کرا کے مختلف اطراف و جوانب میں بھیجیں تو نقل مصاحف عثمانیؓ سے پہلے تک تو جس طرح آیات قرآنی منتشر اور سورتیں بالکل غیر مرتب تھیں اور پورا قرآن کسی ایک کے بھی سینے یا سفینے میں مرتب و مدون اور محفوظ نہ تھا۔ بالکل اسی حال میں نقل مصاحف بعہد عثمانی سے قبل تک قرآن پاک رہا۔ اور لوگ نمازوں میں، تلاوتوں میں اور بعہد حضرت عمرؓ تراویح میں غیر مرتب اور ناقص ہی قرآن پڑھتے رہے۔ اس لئے کہ جمع صدیقی والے صحیفوں کے سوا پورا قرآن تو کسی ایک شخص کے پاس بھی موجود نہ تھا۔ نہ کسی کے سینے میں نہ کسی کے سفینے میں۔ اور وہ جمع صدیقی والے صحیفے بھی حضرت صدیق اکبرؓ، ان کے بعد جمع صدیقی والے صحیفے بھی مقفل ہی رہے کسی نے ان سے کبھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا

نقل مصاحف سے قبل تک حضرت فاروق اعظمؓ اور ان کے بعد ام المومنین

حضرت حفصہؓ کے پاس "مقفل" کتابِ مکنون" کے مصداق بنے۔ ہر شخص کی نظر سے پوشیدہ رکھے رہے۔ تو کیا کسی صاحبِ عقل و ہوش کی عقل و دیانت یہ تسلیم کر سکتی ہے کہ عہدِ نبوی، عہدِ صدیقی، عہدِ فاروقی اور آغاز عہدِ عثمانی یعنی نقل مصاحف سے قبل تک کسی فردِ مسلم نے پورا قرآن ایک مصحف کی صورت میں اوّل سے آخر تک نہ کبھی دیکھا تھا نہ کبھی پڑھا تھا اور نہ کوئی شخص پورے قرآن کا حافظ تھا؟

حضرت صدیق اکبرؓ نے ساتوں قرأتوں کو جمع کر دیا تھا، یہ کس طرح ممکن ہے؟

یہ کہنا کہ قرآن سات مختلف قرأتوں میں اترا تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے ان ساتوں قرأتوں کو جمع کرایا تھا، ایک ایسا دعویٰ ہے جس کو کوئی عقل قبول نہیں کر سکتی۔ میں بطورِ نمونہ چند مثالیں اختلافات قرأت کی یہاں پیش کرتا ہوں اور اربابِ عقل و دیانت سے پوچھتا ہوں کہ کیا کتابت کا کوئی طریقہ ایسا ہو سکتا ہے جو ان تمام صورتوں کا جامع ہو؟ ملاحظہ ہو۔ (ص ۲۰۷، ۲۰۸)

نقشہ اختلاف قرأت در تلفظ و رسم خط ہر دو مندرجہ کتاب التیسیر للدّانی

نام سورت	رکوع	پارہ	قرأت صحیحہ متواترہ	قرأت اہلِ خلاف
بقرہ	۳۲	۲	واللہ یقبض ویبصط	واللہ یقبض ویبسط
〃	〃	〃	بسطۃ	بصطۃ
〃	۱۶	۱	ووصی بہا ابرٰھم	واوصٰی بہا ابرٰھم
اٰل عمران	۱۹	۴	بالبینٰت والزبر والکتٰب المنیر	بالبینٰت وبالزبر وبالکتٰب المنیر
اعراف	۱۰	۸	قال الملاء الذین استکبروا	وقال ....
〃	۹	〃	بصطہ	بسطۃ
بنی اسرائیل	۱	۱۵	لیسوٗءا وجوھکم	لیسوٗءَ وجوھکم

نام سورت	رکوع	پارہ	قرأت صحیحہ متواترہ	قرأت اہلِ خلاف
انبیاء	۳	۱۷	اَوَلَمْ يَرَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اَلَمْ يَرَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
نمل	۲	۱۹	وادالنّمل	وادی النّمل
قصص	۴	۲۰	وقال موسیٰ	قال موسیٰ
زخرف	۷	۲۵	مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ	مَا تَشْتَهِي الانفس
حدید	۳	۲۷	فان الله هو الغنی الحمید	فان الله الغنی الحمید
"	۱	"	وكلّاً وّعدالله الحسنٰى	وكلٌّ وّعدالله الحسنى
مرسلات	۱	۲۹	اُقّتت	وقّتت
تکویر	۱	۳۰	بِضَنِيْنٍ	بظنين

اس نمونہ اختلاف قرأت کو دیکھ کر کوئی صاحبِ عقل و دیانت کتابت کا کوئی ایسا طریقہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ لکھنے والا یَبۡصُطُ اور بَسۡطَةً لکھے اور پڑھنے والا ان دونوں لفظوں میں سے ہر لفظ کو "صاد" کے تلفظ سے بھی ادا کر سکے اور "سین" کے تلفظ سے بھی؟ وصّٰی لکھے اور اوصٰی بھی پڑھا جا سکے؟ والزُّبُرِ والکتٰبِ کو اس طرح سے لکھ دے کہ اس کو وبالزُّبُرِ وبالکتٰبِ بھی پڑھنے والے پڑھ سکیں قال کو وقال اور تشتبِہ کو تشتبِہی اور اللہ ھو الغنی کو اللہ الغنی اور کلًّا کو کلٌّ اور اُقتت کو وقتت جس کا جی چاہے پڑھ لے اور ضنین بہ تلفظ ظنین بھی ادا ہو سکے؟ جو لوگ ناواقفیت سے یا باوجود واقفیت کے ناواقفوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ ساتوں قرأتوں میں رسم الخط کا فرق نہیں ہے۔ رسم الخط ایک ہی ہے صرف حرکتوں اور نقطوں یا مدو قصر وغیرہ کا اختلاف ہے وہ اس کا جواب دیانت کو مدنظر رکھتے ہوئے دیں؟

یہ نمونہ اختلافات تو صرف ابوعمرو الدانی کی کتاب التیسیر سے پیش کیا گیا ہے جو سات قرأتوں کی سب سے قدیم تر اور صحیح تر کتاب مانی جاتی ہے اور تمام قاریوں اور مقریوں کی مستند و معتمد علیہ ہے۔ اگر حدیث کی کتابوں میں سے صرف صحاح سے اختلاف قرأت کے نمونے پیش کیے جائیں تو عقل ایمانی انگشت بدنداں رہ جائے۔

قرابت کی مبسوط کتابوں اور حدیث کی روایتوں میں ایسے سیکڑوں اختلافات[۱] مذکور ہیں جن کو ایک رسم الخط کسی طرح بھی ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ کہنا کہ جمع صدیقی

---

[۱]: اختلافات قرأت کی مکمل بحث میری کتاب اعجاز القرآن میں تفصیل کے ساتھ آئے گی انشاء اللہ تعالےٰ۔ اس میں اور بہت سے نمونے قرأت کی کتابوں اور حدیثوں سے مع تنقید احادیث آئیں گے۔ ناظرین اس کی تکمیل کے منتظر رہیں واللہ المستعان

ان تمام اختلافات کی جامع تھی۔ عقل و دیانت کی آنکھوں میں ابلہ فریبی کی خاک جھونکنا ہے

اتنا لکھ لینے کے بعد میرے نزدیک اب اس موضوع پر مزید خامہ فرسائی کی کوئی ضرورت نہیں نظر آتی۔ البتہ یہ مناسب مقام نظر آتا ہے کہ اتقان کی مذکورہ بالا عبارت جو ترجمہ کے ساتھ اوپر مذکورہ ہوئی ہے اس کی تھوڑی سی تشریح کردوں تاکہ عامہ ناظرین کی بصیرت میں اضافہ اور اہلِ علم کے لئے باعثِ تذکیر ہو۔

عبارت اتقان کی تشریح ابن التین اور ان کی اتباع میں جلال الدین سیوطی صاحب اتقان کا یہ اعتراف ہے کہ وان کان قد وسع قرأته بلغة غيرهم رفعا للحرج والمشقة في ابتداء الامر یعنی اگرچہ قرآن کی قرأت میں بخیال رفع حرج و رفع مشقت ابتدائے امر میں غیر قریشی لغات کی بھی وسعت رکھی گئی تھی۔ مگر حضرت عثمانؓ نے رای ان الحاجة الى ذالك فنصر الى لغة واحدة یہ محسوس فرمایا کہ اب اس وسعت کی حاجت ختم ہو گئی تو پھر ایک لغت پر قرآن کو مرتب کر ڈالا۔ یہ کس قدر خلاف عقل بات ہے۔ شروع ہی میں اگر تمام قبائل کو ایک طریقے سے پڑھنے کے لئے کہا جاتا تو ہر شخص تھوڑا خیال رکھ کر یاد کرتا اور پھر ہر شخص کی زبان عادی ہو جاتی اور مشق ہو جانے کی وجہ سے کسی کو بھی کسی طرح کی دشواری محسوس نہ ہوتی مگر جب تمام قبائل کے بوڑھے، بچے، جوان، مرد اور عورت سب کے سب جس قدر یاد کر سکے۔ اپنے محاورۂ لغت کے مطابق زبانی یاد کر چکے اور ناظرہ بھی ان کو مشق ہے تو اپنی ہی لغت کے مطابق۔ جس نے مصحف کی صورت میں لکھ رکھا ہے تو اپنے ہی محاورے کے مطابق، اب کہا جاتا ہے کہ تم سب کے سب جتنے غیر قریشی ہو اپنی یاد کو بھلا دو، اپنی مشق کو ترک کر دو اور اپنی کتابوں کو جلا دو۔ اور سب کے سب اب نئے سرے سے دوسرا مصحف لغت قریش کے مطابق ہر شخص اپنے لئے لکھوائے۔ انصاف سے کہئے۔ حرج و مشقت کا سامنا اب ہوا یا آغاز امر میں تھا؟ اور جو کتاب سات قرأتوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی التجا و اصرار

کے مطابق (جیساکہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ تمام صحاح غیرصحاح ساری کتب حدیث میں مذکور ہے، نازل ہوئی تھی اس کی چھ قرأتوں کو منسوخ و ممنوع کر دینے کا حق حضرت عثمانؓ کو کہاں سے حاصل ہوگیا تھا؟ اوّل الامر یعنی آغاز کار کا زمانہ کب تک رہا؟ پورا عہدِ نبوی، بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا زمانہ بھی آغازِ کار ہی کا زمانہ قرار دیا جائے گا۔ کیسی پوچ اور لچر تاویل ہے جو علامہ ابن التین کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ اس کو جلال الدین سیوطی نے کس طرح اتقان میں لکھ دیا، تعجب ہی تعجب ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ پورا ایران فتح ہوچکا ہے کہاں کہاں اسلام پھیل چکا ہے اور کہاں کہاں حفاظ قرآن پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ جانے کتنے لاکھ قرآن کے نسخے مصحف کی صورت میں تمام ممالک اسلامیہ میں موجود ہیں۔ کسی مسلمان کا گھر مصحف سے خالی نہ ہوگا بلکہ ہر گھر میں متعدد مصحف ہوں گے تاکہ گھر کا ہر فرد تلاوت کرسکے۔ اگر واقعی عہد نبوی سے سات قرأتیں مروج تھیں تو یقیناً قرأۃً، تلاوتاً، کتابتاً اور حفظاً ساتوں قرأتوں کا ساری دنیائے اسلام میں پھیلنا ضروری تھا۔ کہیں کوئی قرأت پہنچی ہوگی کہیں کوئی قرأت۔ اس وقت یہ حکم دینا کہ پوری دنیائے اسلام کے تمام مسلمان چھ قرأتوں کو بالکل ترک کر دیں اور صرف ایک قرأت پر سب کے سب متحد ہوجائیں کتنی بڑی تکلیف مالایطاق اور کس قدر دشوار ہے

پوری دنیائے اسلام میں سات قرأتیں مروج ہوں اس کے بعد سب کو ایک قرأت کا پابند بنا دینا محال ہے

بلکہ عقلاً محال ہے کہ سارے عالم اسلامی کے مسلمان جو مختلف قرأتوں کے بچپن یا اپنے آغاز اسلام سے خوگر ہوچکے ہیں، اب ایک نئی قرأت کو اختیار کریں اور اپنی پہلی مشق شدہ قرأت کو چھوڑ دیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ یہ سب قرأتیں بھی صحیح ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ساتوں قرأتوں کو بڑی التجاؤں کے ساتھ امت کی سہولت و عافیت کے لئے بارگاہ الٰہی سے حاصل کیا ہے (بقول راویانِ احادیث کے)۔

صرف ایک مصحف بھیج دینا کافی تھا | صرف ایک مصحف لکھوا کر بھیج دینا تو کافی نہ تھا کیونکہ حضرت عثمانؓ نے ان مصاحف پر نہ اعراب ڈلوائے نہ نقطے تابوت اور تابوہ جیسا اختلاف تو تھا نہیں یَحْبُ اور یَحْسِبُ، یَجْمَعُوْنَ اور تَجْمَعُوْن جیسے اختلافات بھی تو بہت ہیں جن میں صرف صیغوں کا فرق ہے حاضر و غائب یا معروف و مجہول کا اختلاف ہے۔ جن میں کسی خاص لغت و محاورہ کی تخصیص نہیں ہے تو جب ایک ہی قرأت رکھی گئی اور باقی چھ قرأتوں کے ترک کا حکم ہوا تو ایسے غیر منقوط بے اعراب دیئے ہوئے مصحف سے اس قسم کے زبر و زیر اور نقطوں کے اختلافات کو کس طرح مٹایا جا سکتا تھا۔ جب تک کہ ہر ملک بلکہ ہر قریہ اور ہر محلے میں ایک قریشی قاری بھی نہ بھیجا جائے تاکہ وہ کم سے کم ہر قریہ میں ایک شخص کو لغت قریش کے مطابق قرآن پڑھا دے اور اس ایک شخص سے اس قریہ کے باقی لوگ تعلیم حاصل کر لیں۔ ایک قریشی قاری کے بغیر غیر منقوط اور بے اعراب والے قرآن سے تو کبھی کوئی غیر قریشی عربی لغت قریش کے مطابق قرآن کسی طرح بھی پڑھ نہیں سکتا تھا۔ جو یحسب کی سین کو زبر دے کر پڑھ رہا تھا وہ اس مصحف معرا میں بھی زبر ہی دے کر پڑھے گا اور جو سین کو زیر دے کر پڑھ رہا تھا وہ اس میں بھی زیر ہی دے کر پڑھے گا۔ اسی طرح جو یجمعون کو یائے تحتانیہ کے ساتھ پڑھ رہا تھا وہ یائے تحتانیہ ہی سے پڑھتا رہے گا اور جو تائے فوقانیہ سے پڑھ رہا تھا وہ تائے فوقانیہ ہی سے اس میں بھی پڑھتا رہے گا۔

مصحف معمّٰی | ایسے مصحف معمّٰی سے پوری امت کبھی ایک قرأت پر مجتمع نہیں ہو سکتی ہے۔ صرف حروف و کلمات کے اختلاف تو مٹیں گے مگر حرکات و نقاطؒ کے اختلاف کبھی نہیں مٹ سکتے۔

صفائی کی گواهی | کوفی راویوں نے جہاں حضرت عثمانؓ پر یہ تہمت لگائی کہ

انہوں نے ان کوفیوں کی مزعومہ سات قرأتوں میں سے چھ قرأتوں کو اڑا پھینکا اور صرف ایک قرأت پر جو قریش کی لغت کے مطابق تھی اسی پر تمام امت کو مجتمع کر دیا اور دوسری قرأتوں کے تمام مصاحف کو جلوا ڈالا تو بظاہر حضرت عثمانؓ کی حمایت بھی کرنا ضروری تھی تاکہ اس کو کوئی شیعانہ حملہ نہ تصور کرے۔ چنانچہ ایک روایت گھڑ کر سوید بن غفلہ الکوفی کے سر تھوپ دی کہ انہوں نے کہا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے تھے کہ عثمانؓ کے متعلق بجز کلمہ خیر کے کچھ نہ کہو کیونکہ انہوں نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ کیا وہ محض اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ ہماری ایک بڑی جماعت کے مشورے سے کیا۔" (اتقان صہ ۵۸) (بحوالہ ابن ابی داؤد وسند صحیح) درحقیقت یہ حضرت عثمانؓ کے لئے صفائی کی گواہی نہیں ہے بلکہ ساری دنیائے اسلام سے چھ قرأتوں کے اٹھ جانے اور صرف ایک قرأت کے عام شیوع اور فقط کوفہ میں دوسری قرأتوں کے وجود کا جو سبب یہ بیان کرنا اور ثابت کرنا چاہتے ہیں، اس بیان ودعویٰ کا وہ مزید ثبوت اس روایت سے بہم پہنچا رہے ہیں اس لئے کہ حضرت عثمانؓ پر حملے اہل سنّت کے تو ہیں نہیں۔ ان پر شیعہ حملے کرتے

ہے ۲۹۳

ع؎ : مصحف پر نقطے تو سب سے پہلے یحییٰ بن یعمر البصری نے لگائے جیسے تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صہ ۳۰۷ ترجمہ یحییٰ بن یعمر میں لکھا ہے۔ ان کے سال و[illegible] میں اختلاف ہے کہ کوئی ۱۲۹ھ کہتا ہے کوئی ۱۲۰ھ اور ابن جوزی ۸۹ھ فرماتے۔ یہ علم نحو میں ابوالاسود الدیلی البصری متوفی ۶۹ھ کے شاگرد تھے تو انہوں نے بھی جو نقطے لگائے تھے تو اپنے مصحف پر یا اپنے تلامذہ، احباب واعزہ یا قرب وجوار کے مصاحف پر لگائے ہوں گے اور جس قرأت کے یہ خوگر تھے۔ اسی کے مطابق لگائے ہوں گے۔ اعراب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حجاج بن یوسف کے حکم سے ابوالاسود الدیلی نے قرآن پر اعراب لگائے مگر یہ سب غلط ہے اعراب کا حکم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دیا تھا۔ اعراب اور نقطوں کی بحث میری کتاب اعجاز القرآن میں ہے یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

ہیں اور شیعوں کی تشفی ایسی روایتوں سے کب ہو سکتی ہے اوّل تو وہ اس روایت ہی کو صحیح تسلیم نہیں کریں گے کہ حضرت علیؓ نے ایسا فرمایا تھا اور اگر اسناد کی صحت دیکھ کر مان بھی لیں تو کہہ دیں گے کہ حضرت علیؓ نے تقیتاً ایسا کہہ دیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ پر جو حملے کرتے ہیں وہ حملے کرتے ہی رہیں گے مگر ان کا مقصد اس روایت سے پورا ہو گیا یعنی دنیائے اسلام میں آغازِ خلافتِ عثمانی تک سات قرأتوں کے رواج کا ثبوت اس روایت کے ذریعے پیش کر دیا گیا۔

اتقان میں یہیں پر یہ بھی ہے کہ حضرت علی مرتضےٰؓ نے معترضین سے پوچھا کہ سب قرأتیں جو مروّج ہیں تم ان سب کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ایک قرأت والا دوسرے کی قرأت کے متعلق کہتا ہے کہ ہماری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے اور یہ کفر کے قریب ہو جاتا ہے تو معترضین نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہماری رائے تو یہی ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک قرأت پر مجتمع کر دیں تاکہ نہ فرقے پیدا ہوں، نہ اختلاف باقی رہے۔ تو معترضین نے کہا کہ آپ کی رائے نہایت خوب ہے۔ اس سلسلے میں بھی اسی کا ثبوت بہم پہنچایا گیا ہے۔ کہ پہلے متعدد قرأتیں مروّج تھیں تو حضرت علیؓ نے پوچھا کہ "تم ان سب قرأتوں کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ جو مروّج ہیں" اس کے بعد عقلی دلائل سے یہ ثابت کیا گیا کہ ایک قرأت کو رکھ کر باقی کو ختم کر دینا ہی مقتضائے مصلحت تھا۔ اس لئے ایسا کیا گیا۔ اگرچہ بقول راویانِ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی محنت سے حاصل کی ہوئی امت کے لئے سہولت و عافیت ضائع کر دی گئی۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جبرئیل علیہ السلام اور اللہ تعالےٰ سب کی غیر مآل اندیشی نعوذباللہ

صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۲۷۳ میں حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ حدیث مروی ہے کہ ابی بن کعب نے فرمایا کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص آکر نماز پڑھنے لگا اور ایسی قرأت سے اس نے قرآن پڑھا جو مجھ کو ممنوع نظر آئی۔ پھر دوسرا شخص آیا تو اس نے اس پہلے آنے

والے سے مختلف قرأت سے قرآن پڑھا تو جب ہم سب لوگ نماز ادا کر چکے تو سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس نے ایک ایسی قرأت سے قرآن پڑھا جو مجھ کو ممنوع نظر آئی پھر یہ دوسرا آیا تو اس نے اس پہلے سے بھی مختلف قرأت پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ اور دونوں کی قرأت کو سراہا۔ تو میرے دل میں تکذیب کا ایسا جذبہ پیدا ہوا جو جاہلیت (یعنی حالتِ کفر) میں بھی نہ تھا تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کیفیت کو محسوس فرمایا تو میرے سینے میں ایک ٹھوکر لگایا اور میں پسینہ پسینہ ہوگیا اور ایسا معلوم ہوا کہ میں گویا اللہ تعالےٰ کو سامنے دیکھ رہا ہوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اُبی! میرے پاس پیغام بھیجا گیا کہ میں قرآن کو ایک حرف (یعنی ایک قرأت پر) پڑھا کروں۔ تو میں نے واپس کیا اور درخواست کی کہ میری امت کے لئے سہولت عطا فرمائی جائے تو دوبارہ حکم آیا کہ میں قرآن کو دو قرأتوں میں پڑھوں پھر میں نے واپس کیا اور عرض کیا کہ میری امت کے لئے آسانی کی جائے تو سہ بارہ میرے پاس حکم آیا میں سات قرأتوں میں پڑھوں اور ہر واپسی پر جو میں نے تمہارے پاس اس کو واپس کیا[1] کوئی ایک چیز مانگنے کا حق تمہیں ہے تو میں نے دوبارہ کہا کہ اے اللہ میری امت کو بخش دے اور تیرے سوال کو اس دن کے لئے اٹھا رکھا ہے کہ ساری مخلوق حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف راغب ہونگے۔

یہ حدیث فی الجملہ اختلاف کے ساتھ دوسرے طریق سے بھی مروی ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی تقریباً اسی قسم کا واقعہ مروی ہے اور صرف اس قدر کہ رسول اللہ

---

[1] : یا تم نے ہمارے پاس ہمارا پیام واپس کیا جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے مگر واپس کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کہ اللہ تعالےٰ نے۔ اللہ نے تو ہر بار نیا حکم بھیجا۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے بھی صحاح میں مروی ہے۔ یہاں تک کہ ایک حدیث اس مضمون کی موطا میں بھی ہے۔ غرض حدیث کی کوئی کتاب اس مضمون سے خالی نہیں ہے۔

اگرچہ ان تمام حدیثوں کو اور ان کے تمام طرق کو یکجا کیا جائے تو سینکڑے ننانوے طرق ایسے ہی ملیں گے جن کے اسناد میں کوئی نہ کوئی وضاع یا کذاب یا شیعہ ضرور ہوگا یا وہ روایت مرسل ہوگی جیسے موطا کی روایت۔ یعنی درمیان سے ایک راوی کا نام روایت میں غائب کر دیا گیا۔ اس حدیث[1] پر بہت مفصل بحث میرے رسالہ قرأت اور کتاب اعجاز القرآن میں آ رہی ہے۔ اس لئے یہاں اس پر زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ البتہ حدیث مذکورہ کی چند اختلافات کو واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جس سے ناظرین یہ سمجھیں کہ محدثین درایت کو کس طرح پس پشت ڈال کر مخدوش حدیثوں کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ اللہ برا کرے جذبۂ روایت پرستی کا۔

نمبر۱۔ وہ زمانہ آج کل جیسا نہ تھا کہ جو مسجد میں آیا، تنہا نماز پڑھ کر چلا گیا بلکہ آج بھی عموماً جماعت کا انتظار کیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں الگ الگ مسجدوں میں آ آ کر نمازیں پڑھنے کا دستور ہی نہ تھا اور یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ فرض نماز نہ تھی کوئی نفل ہوگی کیونکہ اوّل تو نفلیں گھروں میں پڑھتے تھے مسجدوں میں نفلیں نہیں پڑھتے تھے اس کے علاوہ قرأت جہری نفلوں میں نہیں ہوا کرتی ہے۔ یہ تین تین آدمی الگ الگ فرض پڑھ گئے۔ بالکل خلاف عقل ہے۔

نمبر۲۔ یہ عجیب طرح کا اتفاق ہے کہ جو سورہ پہلے شخص نے پڑھا وہی سورہ دوسرے

---

[1]: واضح رہے کہ سات قرأتوں پر قرآن کے نازل ہونے کی حدیث بھی ابن شہاب زہری ہی سے مروی ہے۔ اس کے اصل راوی یہی ہیں۔ البتہ ان کے شاگردوں نے ان کی تائید کے لئے ایک دو روایتیں ان کے بعض ہم عصروں سے بھی بنا ڈالی ہیں۔

دوسرے شخص نے بھی۔ ورنہ ان دونوں کی قراتوں کا باہمی اختلاف کس طرح حضرت ابی بن کعب کو معلوم ہو سکا؟ یا یہ کہا جائے کہ دونوں نے سورۂ فاتحہ ہی مختلف طریقے سے پڑھا؟ تو یہ کسی روایت میں مذکور نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور مذکور ہوتا۔

نمبر۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ایک قرأت سے پڑھنے کا حکم ہوا تو آپ نے قرآن کا ایک قرأت سے پڑھنا امت کے لئے دشوار کیوں محسوس فرمایا؟ اگر امت میں مختلف قبائل کے لوگ تھے اور سب کے لغات الگ الگ اور باہم مختلف تھے تو آپ اس کی اجازت مانگتے کہ ہر قبیلے کو اپنے محاورے اور لغت کے مطابق پڑھنے کی اجازت ہو نہ کہ سات حرفوں پر قناعت کر لیتے، قبائل تو سینکڑوں تھے بلکہ امت تو عرب و عجم سب تھے۔ اس سہولت سے آپ نے عجمی امت کو کیوں محروم رکھا جو ناواقفیتِ زبان کی وجہ سے عرب سے زیادہ مستحقِ رحم تھی۔ ان کو تو ادائے مخارج حروف اور تجوید کی مشقت سے نجات دلائی جاتی؟

"اول الامر و آخر الامر میں ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا" نمبر۴۔ وہ سہولت جو اس وقت بقول ابن البتن و بتصدیق جلال الدین سیوطی اوّل الامر (آغازِ کار) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ عدم مآل اندیشی کی وجہ سے واجب الحصول نظر آئی تھی کہ بار بار حکم ربانی کو واپس کر کر کے حاصل کی گئی۔ آخر الامر یعنی زمانۂ عثمانی میں امت کے لئے ایک مصیبت عظمیٰ یعنی باعث تفریق و اختلاف ثابت ہو گئی۔ اس کو اگر جامۂ بشریت میں رہنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ سمجھ سکتے تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرماتے کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ یہ متعدد قرأتیں باعث سہولت نہ ہوں گی۔ بلکہ باعث مصیبت ہو جائیں گی۔ اگر جبرئیل علیہ السلام کو بھی آنے والے زمانے کی خبر نہ تھی اور اتنی مآل اندیشی کی عقل نہ تھی تو خود اللہ تعالےٰ تو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے نتیجے سے مطلع فرما دیتے بلکہ ھو الانسان للشر دعاءہ بالخیر کے مصداق

نہ ہو۔ تم جو ایک قرأت کے مطابق ساری امت کا پڑھنا دشوار سمجھتے ہو، غلط ہے یہی سہل ہے۔ اگر متعدد قرأتوں کی اجازت دے دی جائے گی تو امت میں سخت اختلاف پیدا ہو جائے گا اور ہر غلط قرآن پڑھنے والا اپنی غلط قرأت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس کو عثمان بن ابی شیبہ کی طرح سے سات قرأتوں میں سے ایک کہہ دے گا۔ آج جو حذیفہ بن الیمان، عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالب اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس اختلاف قرأت کی وجہ سے قرآن کی بربادی اور امت کی تباہی نظر آرہی ہے اس کو اگر غلط اندیشی کی وجہ سے معاذ اللہ من ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ سمجھ سکے تو علم غیب نہ رکھنے کی وجہ سے جبرئیل نہ بھانپ سکے تو اللہ تعالےٰ تو عالم الغیب والشہادہ ہے اس نے کیوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی خطرناک درخواست قبول کرلی۔ قبول ہی نہیں بلکہ اس درخواست پر خوش ہو کر انعام دیا اور ہر واپسی حکم پر ایک سوال کرنے کا حق عطا فرمایا؟

تین سوالوں کا حشر تین سوالوں کا حق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تھا تو اگر ایک سوال قیامت کے لئے آپ نے اٹھا رکھا تھا تو دو سوال پر دو چیزیں تو مانگتے۔ دو سوال کے موقع کو ایک سوال کی تکرار کرکے ایک موقع سوال کو آپ نے ضائع کیوں فرما دیا؟ اگر مغفرت امت ہی کا سوال دونوں مرتبہ کرنا تھا تو ایک سوال دنیا میں مغفرت کے لئے ہوتا دوسرا آخرت کی مغفرت کے لئے۔ دوسرا موقع سوال تو تکرار لا طائل کرکے قصداً ضائع کر دیا گیا جس کو ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے۔

ان پانچ باتوں کے علاوہ ہر صاحب فراست ایمانیہ اس حدیث، بلکہ اس مضمون کی ہر حدیث کی کمزوریوں اور دکاکتوں کو پہلی نظر میں جو محسوس کر سکتا ہے بشرطیکہ روایت پرستی اور ایمان بالروات کی پٹی ایمان باللہ اور ایمان برسول اللہ اور ایمان بکتاب اللہ کی آنکھوں پر بندھی نہ ہو۔

نقل مصاحف کی تاریخ ابن خلدون لکھتے ہیں حذیفہ بن الیمان غزوہ سے سے فارغ ہو کر ۳۰ھ میں عبدالرحمٰن بن العاص کی مدد کے لئے غزوہ الباب میں پہنچے

علہ: ص۳۰ پر

اور آذربائیجان[1] میں اپنی جگہ پر سعید بن العاص کو رکھ دیا تھا مگر عبدالرحمٰن کی شہادت کے بعد وہ واپس آ گئے۔ شہید بن ربیعہ نے ان کی غیبت میں جو شہر والوں سے اختلافات قرأت سنے تھے اس سے انہوں نے حذیفہ کو مطلع کیا۔ حذیفہ کو یہ بات بہت اہم معلوم ہوئی۔ انہوں نے لوگوں کو قرآن میں اختلاف پیدا کرنے سے ڈرایا۔ جتنے صحابہؓ و تابعین وہاں موجود تھے۔ سب نے ان کی رائے سے اتفاق کیا۔ بجز عبداللہ بن مسعود کے کوفی شاگردوں کے، ان لوگوں نے اختلافات پر قائم رہنے کے لئے اصرار کیا تو سعید بن العاص کو غصہ آ گیا اور انہوں نے ان کوفیوں کو ڈانٹا۔ اس کے جواب میں عبداللہ بن مسعودؓ سعید پر خفا ہوئے اور اپنے شاگردوں کی پاسداری کرنے لگے تو سعید غضبناک ہو کر اس مجلس سے اٹھ آئے اور مجلس منتشر ہو گئی۔ حذیفہ خود حضرت عثمانؓ کے پاس چلے آئے اور اختلافِ قرأت کے فتنے سے ان کو آگاہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کو مجتمع کر کے مشورہ کیا۔ تمام صحابہؓ نے بالاتفاق حذیفہ بن الیمان کی تائید کی تو حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس سے صحیفے منگوا کر ان کی متعدد نقلیں لوگوں سے مصاحف کی شکل میں کرا کے ایک مصحف ہر علاقے میں بھیج دیا کہ اسی نسخے پر اعتماد کیا جائے اور اس سے اختلاف رکھنے والے جتنے نسخے صحیفوں کی شکل میں ہوں سب کو جلا دیا جائے حضرت عثمانؓ کے حکم کو سب نے مان لیا۔ بجز عبداللہ بن مسعودؓ کے، انہوں نے اپنے شاگردوں (اہل کوفہ) کو مصحف عثمانی کی اتباع سے منع کر دیا (اور اپنے مصاحف پر قائم رہنے کی تاکید کر دی) مگر یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر بہتان عظیم ہے۔ وکفیٰ باللہ شہیدا

ص۲۹۹ سے

عثمان بن ابی شیبہ بڑے بھاری محدث ہیں۔ بخاری میں ان سے ۵۳ حدیثیں اور مسلم میں ۱۳۵ حدیثیں مروی ہیں مگر قرآن میں بہت تحریفیں کیا کرتے تھے کوئی ٹوکتا تو کہتے تھے کہ میں عاصم کی قرأت سے قرآن نہیں پڑھتا حالانکہ جو یہ پڑھتے تھے وہ کسی کی بھی قرأت نہیں ہوتی تھی (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص۱۵۱)۔

[1] استدراک ص۳۱۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔

ابن حجر کی غلطی حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد ۲۰ ص ۲۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ قصہ ۳۰ھ کا نہیں ہے بلکہ ۲۵ھ کا ہے۔ خلافتِ عثمانیہ کے دوسرے یا تیسرے سال کا۔ ثبوت میں لکھتے ہیں کہ ابن ابی داؤد نے مصعب بن سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے (مجمع صحابہ و تابعین میں) خطبہ دیا اور فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے جس

حضرت عثمانؓ کا ایک خطبہ کو پندرہ سال ہوئے اور تم لوگوں نے قرآن کی قرأتوں میں اختلافات پیدا کرنا شروع کر دیئے ..... الخ اور یقیناً حضرت عثمانؓ کی خلافت حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ہوئی اور حضرت عمرؓ کی شہادت ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں ہوئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تیرہ برس بعد۔ تو خطبہ میں حضرت عثمانؓ کا پندرہ برس کہنا اگر پورے پندرہ برس کا حساب کر کے تھا تو یہ واقعہ نقل مصاحف، یا خطبۂ خلافتِ عثمانیہ سے دو برس تین ماہ بعد کا ہے لیکن ایک دوسری روایت میں ہے جو ابن ابی داؤد کی ہے جس میں پندرہ کی جگہ تیرہ برس مذکور ہے تو اگر کسر کو درمیان سے حذف کر دیا جائے تو دونوں روایتوں میں تطابق کیا جا سکتا ہے کہ ایک روایت میں مہینوں کا اعتبار کر لیا جائے اور دوسری میں مہینوں کا حساب نہ کیا جائے تو اس طرح یہ واقعہ ان کی خلافت کے ایک سال بعد کا ہوگا یعنی اواخر ۲۴ھ کا یا اوائل ۲۵ھ کا اور یہی وہ وقت ہے کہ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ اسی زمانے میں ارمینیہ فتح ہوا اور یہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے حضرت عثمانؓ کی طرف سے والئ کوفہ مقرر کیے جانے کا ابتدائی زمانہ ہے اور ہمارے بعض ہم عصروں نے جو ۳۰ھ کا واقعہ اس کو لکھ دیا ہے یہ ان کی غفلت ہے۔

تطابق کی سعی ناکام حافظ ابن حجر نے جو پندرہ اور تیرہ برسوں کی دونوں روایتوں میں تطابق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہ بالکل خلاف عقل ہے اس لئے تیرہ چودہ پندرہ کا تفرقہ ہوتا تو مہینوں کی کسر کو ادھر ادھر کرنے سے تطابق ممکن

تھا۔ تیرہ اور پندرہ کے درمیان تو مہینوں کی کسر ادھر اُدھر کرنے پر بھی بیچ میں ایک برس ضرور چھوٹنے لگے گا۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کی شہادت باختلافِ روایت، ۲۶ یا ۲۷ ذی الحجہ کو بدھ کے دن ہوئی ۲۳ھ میں۔ اختلاف دن اور سن میں نہیں ہے صرف تاریخ میں ہے اور بالکل آغاز ۲۴ھ میں حضرت عثمانؓ کی خلافت قائم ہوئی اور اس کو تو ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۱ ماہ ربیع الاوّل میں ہوئی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تیرہ برس نو مہینے بعد حضرت عثمانؓ کی خلافت ٹھہرتی ہے اگر ٹھیک خلافت ہی کے سال کا واقعہ فتح ارمینیہ کہا جائے تو نصبِ خلافت کے ساتھ کا واقعہ تو کہا نہیں جا سکتا۔ تین چار مہینہ بعد بھی کہیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پورے چودہ برس بعد ہو گا۔ اس لئے تیرہ برس والی دوسری روایت تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ باقی رہی پندرہ برس والی روایت، تو یہ قرینِ عقل ہے اور صحیح ہو سکتی ہے اگر یہ خطبہ حذیفہ والے واقعے سے پیشتر کا کہا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ مدینہ اور حوالی مدینہ میں اختلاف قرأت کے اثرات تھے اور ان کو دیکھ کر یا لوگوں سے سن کر حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ و تابعین میں یہ خطبہ دیا تھا اور اس صورت میں تیرہ برس والی روایت بھی صحیح ہو سکتی ہے مگر دو میں سے ایک قول کو ضرور غلط ماننا پڑے گا دونوں کا جمع و تطابق ناممکن ہے۔

سنین پر بحث مگر حافظ ابن حجر نے اس خطبے کو حذیفہ بن الیمانی کی شکایت کا نتیجہ قرار دے کر ابن ابی داؤد کی روایتوں کے دو متباین سنین پر فتح ارمینیہ اور واقعہ حذیفہ و نقل مصاحف کی بنیاد رکھ دی اور جن لوگوں نے اس واقعہ کا سال ۳۰ھ لکھا تھا اس کو غلط قرار دے کر ابن حجر ۲۵ھ کو صحیح لکھنے لگے اور اسی بنیاد پر لکھ گئے کہ یہ واقعہ ولید بن عقبہ کے ولایت کوفہ کے آغاز کا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ولید بن عقبہ کا تقرر ضرور آغاز خلافت عثمانی میں ہوا مگر پانچ برس کے بعد یہ معزول کر دیئے گئے (ابن

خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۳۴) اور ان کے بعد سعید بن العاص والیٔ کوفہ ہوئے اور یہ واقعہ سعید بن العاص کی ولایت کوفہ کا ہے چنانچہ سعید اور اصحاب ابن مسعود کا اختلاف قرأت پر مناقشہ اور عبداللہ بن مسعود کا اپنے شاگردوں کی پاالش کرنا اور سعید پر خفا ہونا اور سعید کا غضبناک ہوکر مجلس سے اٹھ کر چلا آنا اور اسی موقع پر حذیفہ کا حضرت عثمانؓ کے پاس اختلاف قرأت کی شکایت لے کر آنا اوپر ابن خلدون کے حوالے ہی سے مذکور ہو چکا ہے۔ ولید بن عقبہ آغاز خلافت عثمانی یعنی ۲۴ھ میں والیٔ کوفہ مقرر ہوئے اور پانچ برس کے بعد یعنی ۲۹ھ میں معزول ہوئے اور اسی ۲۹ھ میں سعید بن العاص والیٔ کوفہ ہوئے اور اس کے کچھ ماہ بعد ۳۰ھ میں حذیفہ بن الیمان حضرت عثمانؓ کے پاس اختلاف قرأت کی شکایت لے کر آئے۔ اگر یہ سب واقعات واقعی سچے ہیں تو اس طرح بتائے جا سکتے ہیں مگر اصل حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سارے واقعات محض ترتیبی ہیں۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت عثمانؓ کا ایک اور خطبہ

ابو یعلیٰؒ الموصلی اپنی مسند کبیر میں اپنے اسناد[1] کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ان عثمان بن عفان قام خطیبا علی المنبر فقال انشد اللہ امرءً سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف۔ فقام الصحابۃ من کل جانب حتی ما احصی عددھم وکل واحد یقول انا سمعتہ یقول ذلک۔ فقال عثمان وانا سمعتہ یقول ذلک۔ اس روایت کو نقل کرکے قاری محمد نظر صاحب امروہوی اپنی کتاب "تسہیل البیان فی رسم نظم القرآن کے صفحہ ۳۵ میں لکھتے ہیں ومن ثم قال ابو عبید وغیرہ من حفاظ الحدیث انہ من الاحادیث المتواترۃ الخ قاری صاحب ممدوح نے اپنی کتاب کے ساتھ دوسرے کالم میں اردو ترجمہ بھی شائع فرما دیا ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ انہی کا ترجمہ نقل کر دوں (ترجمہ

---

[1]: صفحہ ۳۰۷ پر

ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی مسند کبیر میں کہا ہے کہ عثمان بن عفان نے ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ " میں ہر اس شخص کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان ھذا القران انزل علی سبعة احرفٍ سنا ہے" چنانچہ ہر جانب سے صحابہ کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد کوئی گن نہیں سکتا تھا اور ہر شخص کہتا تھا کہ میں نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا۔ تو حضرت عثمانؓ نے بھی کہا کہ میں نے بھی سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کہتے ہوئے (اس کے بعد قاری صاحب اپنی عبارت کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ) اور یہیں سے ابو عبیدہ اور ان کے علاوہ دوسرے حفاظ حدیث نے لیا ہے کہ یہ حدیث احادیث متواترہ میں سے ہے۔ ..... الخ

صد ۳۰۳ سے۔

ملہ: ابو یعلیٰ موصلی۔ ان کا پورا نام احمد بن علی بن مثنیٰ ابو یعلیٰ الموصلی ہے۔ ان کی وفات ۳۰۷ھ میں ہوئی۔ ان کی کتاب "المسند الکبیر" قاضی شوکانی کے خاص ہاتھ کی لکھی ہوئی جرمنی کے کتب خانے میں اس وقت موجود اور ان کا ترجمہ تذکرہ الحفاظ جلد سوم صد ۲۹۴ میں موجود ہے۔ ان سے ایک روایت بھی منقول ہے جس کو ابو یعلیٰ محمد بن ابی بکر المقدمی سے وہ یوسف بن زید سے وہ ابراہیم بن عمر بن آبان سے وہ زہری سے اور زہری اپنے باپ سے۔ زہری کے باپ عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں یہی ایک روایت ہے جس میں زہری کا اپنے باپ سے روایت کرنا مذکور ہے۔ ورنہ ان کے باپ کا ذکر سلسلہ روایت میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ ذہبی اس روایت کو غریب قرار دیتے ہیں اور ابراہیم بن عمر بن آبان کو ضعیف۔ یعنی اس حدیث کو مشتبہ قرار دیتے ہیں۔

ملہ: یہ حدیث بالکل موضوع اور محض اختراع ہے۔ میں نے اپنی کتاب اعجاز القرآن میں اس پر پوری بحث کی ہے۔ منافقین عجم نے صرف قرآن کو مشتبہ کرنے کے لئے یہ حدیث بنا کر مشہور کی اور اس کی بنیاد پر تمام اختلافاتِ قرأت کی سربفلک عمارت رفتہ

صد ۳۰۵ پر

علمائے حدیث سے استفسار ہے کہ ان دونوں خطبوں میں سے کون سا خطبہ صحیح ہے۔ ابویعلی کی روایت والا خطبہ تو بتا رہا ہے کہ اختلاف قرأت میں کسی کو شبہ تھا۔ لوگ اس کی مخالفت کر رہے تھے اس لئے حضرت عثمانؓ نے تمام صحابہؓ کو قسم دے کر سب سے سبعۃ احرف والی حدیث کی تصدیق کرائی اور خود بھی قسم کھا کر تصدیق کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حذیفہ بن الیمان کی شکایت سن کر ہی صحابہؓ کو مجتمع کیا گیا اور خطبہ دے کر سب سے تصدیق کرا کر اختلافِ قرآت کی بنیاد کو مستحکم کیا گیا۔ اس لئے اس کے بعد یہ توقع کہ تمام قرآتوں کو حضرت عثمانؓ نے ختم کرا دیا اور صرف ایک لغت قریش والی قرآت کو روا رکھا اس خطبے والی روایت کو صحیح ماننے کے بعد کتنی متضاد توقع ہے۔ ابویعلی موصلی جن کی وفات چوتھی صدی کے آغاز میں ہے ان کو تو اس خطبہ کی روایت مل جاتی ہے مگر صحاح کے مؤلفین میں سے کسی کی نظر کے سامنے یہ حدیث کبھی نہیں آئی اور کسی کو اس خطبے کا واقعہ معلوم نہ ہوا۔ تعجب ہی تعجب ہے۔ ناظرین خود ابن ابی داؤد والا خطبہ جس کو ہم نے فتح الباری جلد ۲۰ صہ ۲۲۴ سے ترجمہ کی صورت میں نقل کیا ہے اور یہ خطبہ ابویعلی والا دونوں کے مفہوم کو ملا کر دیکھ لیں۔ ابن ابی داؤد کو اگرچہ محدثین نے بہت کچھ سراہا ہے مگر ان کے والد برابر ان کو کذاب ہی کہتے رہے۔ ابراہیم اصبہانی نے بھی ان کو کذاب کہا ہے (لسان المیزان جلد ۳ صہ ۲۹۴) ۳۱۶ھ میں ان کی وفات ہے اس لئے ابویعلی الموصلی کے یہ بالکل ہمعصر ہیں۔ ابویعلی نے ان سے نو برس پہلے ۳۰۷ھ میں وفات پائی ہے۔ ان کی ولادت ۲۳۵ھ کی ہے اس لئے ۸۱ برس عمر ہوتی ہے۔ ابویعلی کی عمر معلوم نہ ہو سکی اور نہ سال ولادت مل سکا۔ ابن حجر نے تو ان کا ذکر ہی نہیں کیا نہ ثقات میں، نہ ضعفاء میں، بہرحال دونوں ہمعصر ضرور ہیں

دقت کھڑی کر دی۔ میرا ایک مستقل رسالہ بھی ان احادیث کی تنقید میں ہے جس کا نام ہے "الزخرف فی سبعۃ احرف"

ebooks.i360.pk

اور عجیب کیا ہے کہ ہم سن بھی ہوں۔ تو ایک زمانے کے دو محدث اپنی اپنی کتاب میں ایک ایک خطبہ حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کرکے روایت کرتے ہیں ایک کے خطبے سے اختلافاتِ قرأت کی جڑ کاٹی جاتی ہے اور دوسرے کے خطبے سے اختلافات کی بنیاد مستحکم کی جاتی ہے اور ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے خطبے کی کوئی خبر نہیں۔

دونوں خطبوں پر تبصرہ

ابو یعلیٰ موصلی والا خطبہ تو صاف جعلی معلوم ہو رہا ہے کہ سبعۃ احرف والی حدیث کو متواتر ثابت کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے اور بہت بعد تیسری صدی کے اواخر میں گھڑا گیا۔ اسی لئے ابو یعلیٰ کی مسند کے سوا اور کسی کتاب میں یہ روایت نہیں ملتی اور اس خطبے کی روایت حضرت عثمانؓ کی طرف کی گئی کہ اگلوں نے ابن ابی داؤد والا خطبہ گھڑ کر حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کر دیا تھا اور پھر نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث بنا کر اور اس کو مشہور کرکے اس مضمون کی پوری طرح اشاعت کی تھی کہ پہلے ساتوں قرأتیں جاری تھیں مگر حضرت عثمانؓ نے تمام صحابہ کے مشورے سے چھ قرأتوں کو موقوف و معدوم کر دیا اور صرف ایک قریش والی قرأت کو قائم رکھا۔ حضرت عثمانؓ سے صرف عبداللہ بن مسعودؓ نے اختلاف کیا اس لئے ابن مسعودؓ کے تلامذہ یعنی اہلِ کوفہ نے اختلافِ قرأت کی حفاظت کی اور اس کو قائم رکھا اور کوفے سے باہر کے تمام لوگ حضرت عثمانؓ کے فرمان کے بموجب ایک قرأت کے سوا دوسری ساری قرأتوں کو چھوڑ بیٹھے بھول گئے اور دوسری قرأتوں کے صحیفوں اور مصحفوں کو سب نے جلا دیا۔ تو اس روایت کی شہرت کے اثر سے حدیث سبعۃ احرف کے متعلق شبہ پیدا ہوا تھا کہ اگر واقعی قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا تھا تو پھر حضرت عثمانؓ نے اور ان کے ساتھ تمام صحابہ نے چھ حرفوں کو برباد کیوں کرا دیا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ ہی کی طرف سے ایک دوسرا خطبہ اور پھر تمام صحابہ سے حضرت عثمانؓ کا قسم لے کر پوچھنا اور سب کا سبعہ احرف والی

حدیث کے صحیح ہونے پر قسم کھانا اس پہلے خطبے کی روایت بننے کے تقریباً دو صدی کے بعد اس خطبے کی روایت وضع کرکے یہ ثبوت بہم پہنچایا گیا کہ ہاں حضرت عثمانؓ نے اور ان کے ساتھ تمام صحابہؓ نے جو کچھ کیا بتقاضائے مصلحت کیا مگر اس سبعہ احرف والی حدیث پر سارے صحابہؓ کا ایمان اور سب کو اس کی صحت کا اعتراف تھا۔ جو کچھ ان لوگوں نے کیا اس حدیث کی صحت سے واقف رہتے ہوئے کیا۔ غلط کیا یا صحیح کیا، ایسا کرنے کا حق تھا یا نہیں۔ یہ سوال خود بخود دلوں میں پیدا ہو اور لاجواب رہے۔ یہی بہتر ہے۔

حقیقتِ حال حقیقتِ حال یہ ہے کہ یہ ساری داستان متعلق جمع قرآن بعہدِ صدیقِ اکبرؓ اور نقل مصاحف بعہد حضرت عثمانؓ، اوّل سے آخر تک بالکل کذب و افترا اور بہتانِ عظیم ہے۔ نہ عہدِ صدیقی میں قرآن جمع ہوا۔ نہ عہدِ عثمانی میں اختلافاتِ قرأت تھے نہ ان کے مٹانے کے لئے کوئی کوشش کی گئی نہ اس زمانے میں کہیں بھی کوئی سبعۃ احرف کے لفظ سے آشنا تھا۔ یہ ساری حدیثیں اور روایتیں ایک صدی کے بعد سے گھڑی جانے لگیں اور اسی زمانے سے اختلافاتِ قرأت کے فتنے کی ابتداء کی گئی جس کے لئے انزل القرآن علی سبعۃ احرف کی حدیث گھڑ کر اس کو رفتہ رفتہ پہلے مشہور کیا جانے لگا۔ قرآن پاک کی کتابت عہد نبوی ہی سے ہر لکھا پڑھا صحابی اپنے لئے اپنے اہل و عیال کے لئے اپنے اعزہ و اقارب اور پڑوسیوں کے لئے نقل پر نقل کر رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کتاب دیکھ کر تلاوت کرنے کی برابر ترغیب فرما گئے تھے۔ اس پر دونے ثواب کی بشارت دیا کرتے تھے۔ اسی لئے حفاظِ قرآن بھی کتاب دیکھ کر ہی پڑھتے تھے البتہ سفر میں مصحف ساتھ لے کر چلنے کی ممانعت تھی کہ کہیں دشمنوں کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ ازواجِ مطہرات حسب حکم واذکرن مایتلی فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ (الاحزاب ۳۳ آیۃ ۳۴) پورا قرآن یاد کر چکی تھیں

اور ہر ایک کے پاس قرآن مصحف کی صورت میں لکھا ہوا موجود تھا۔ ان کے مصاحف کے کاتبوں کے نام تک کتابوں میں مذکور ہیں اور وہ سب خود بھی پوری طرح لکھنا جانتی تھیں۔ پھر صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے کہ قرآن کتنے دنوں میں ختم کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے کم مدت میں ختم کرنے کی اجازت نہ دی۔ غرض اگر قرآن مرتب و مدون ہی نہ تھا تو ختم کرنے کا سوال کیوں اٹھا تھا؟ اور پورا قرآن لکھا ہوا مصحف کی شکل میں صحابہؓ کے پاس نہ تھا تو کتاب دیکھ کر پڑھنے کا عام حکم کیا معنی رکھتا ہے؟ اور سفر میں قرآن ساتھ لے کر چلنے کی ممانعت کے کیا معنی ہیں؟ میں نے جب میں بھی اس مضمون پر کچھ روشنی ڈالی ہے بضمن تذکرہ زید بن ثابتؓ۔ اس لئے مزید خامہ فرسائی یہاں ضروری نہیں سمجھتا۔ اتنا اس لئے لکھ دیا کہ قرآن کی آیتیں، قرآن کی سورتیں، سب مرتب و مدون اور پورا قرآن مصحف کی شکل میں ترتیب کے ساتھ جس میں مرتب سورتیں تھیں اور ترتیب سورتوں کے ساتھ جو مصحف تھا ہزاروں کی تعداد میں موجود تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے وقت میں جمع قرآن کی ضرورت پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی اور نہ جنگ یمامہ میں ستر حفاظ کرام کی شہادت سے ضیاع قرآن بلکہ کسی ایک حرف کے بھی ضائع ہونے کا خطرہ محسوس نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ اس وقت صحابہ و تابعین میں ستر ہزار سے زیادہ پورے قرآن کے حافظ موجود تھے اور ہزاروں نسخے مصحف کے لکھے ہوئے تھے اور تقریباً ہر روز ایک مصحف کا اضافہ ہو رہا تھا اس لئے حفظ و کتابت دونوں کا غیر منقطع سلسلہ عہد نبوی سے جاری تھا اور جس طرح ہر روز چند حافظ فارغ التکمیل ہوتے تھے اسی طرح ہر روز چند نسخے قرآن مبین کے مکمل الکتابت ہوتے تھے اور بفضلہ تعالےٰ یہ سلسلہ اس وقت سے اس وقت تک غیر منقطع تسلسل و تواتر کے ساتھ قائم ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک قائم رہے گا اور چونکہ ہر مصحف اس پہلے مصحف کی بجنسہٖ نقل تھا جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا اور

جس کی امین ام المومنین حضرت حفصہؓ قرار دی گئی تھیں جس کا نام الامام یا الام تھا اس لئے ہر مصحف میں وہی رسم الخط تھا جو الامام کا تھا اور چونکہ ہر صحابی کی قرأت خاص نفیین ہوں تک منتہی ہوتی تھی اس لئے تلفظ میں بھی باہم اختلاف ناممکن تھا اگر کسی صحابی کو بھول چوک بھی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار کی تلاوت نمازوں میں اور نماز سے باہر سن سن کر ہر بھولنے والے کی یاد دہانی ہوتی رہتی تھی اور صحابہؓ خود آپس میں بھی دَور کیا کرتے تھے۔ اپنے اہل وعیال کے ساتھ بھی دور کیا کرتے تھے۔ اس لئے کسی طرح کے اختلاف قرأت کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ وغیرہ کی الگ الگ قرأتیں اور ان کے الگ الگ مصاحف ایک دوسرے سے مختلف محض منافقین عجم کے فتنے ہیں جس کو انہوں نے کوفہ میں بیٹھ کر بعض کوفی منافق طینتوں کو اپنا شریک کار بنا کر کھڑا کیا تھا۔

منافقین عجم کا تمام اسلامی ممالک میں سازشی جال۔ اس وقت ان منافقین عجم کی ایک بہت بڑی جماعت خلافت بنی امیہ کے خلاف ہر ملک اسلامی میں سازش کرتی پھرتی تھی جس کا اصلی مرکز خراسان تھا اور دوسرا مرکز کوفہ اور دوسری جماعت جھوٹی جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر اصل دین کی تخریب میں لگی ہوئی تھی۔ صرف جھوٹی حدیثوں سے دین کی پوری تخریب ہوتی نظر نہ آتی تو پہلی صدی ختم ہونے کے بعد اس جماعت مفسدین نے نفس قرآن میں ہاتھ لگایا اور انزل القرآن علی سبعۃ احرف کی حدیث بنا کر پہلے اس کو مشہور کیا۔ اس وقت جمع احادیث کا ایک ہوکا ابن شہاب زہری اور ان کے توابع اور بعض ہمعصروں کو تھا۔ بقول ابن حجر کے کلما سمعوا شیئًا علقوہ جو کچھ سُنا ٹانک لیا۔ یہ سبعہ احرف والی حدیث بھی یاروں نے لکھی اور پھر ان سے ان کے تلامذہ نے لی، ان سے ان کے تلامذہ نے۔ روایت کو درایت پر مقدم سمجھنے کا اصول ان منافقین راویانِ حدیث نے ان بھولے بھالے

جامعین کے پوری طرح ذہن نشین کرا دیا تھا۔

بنی امیّہ کی خلافت کا خاتمہ اور حکومت بنی عباس کے دور کا آغاز

پھر جب بنی امیّہ کا آخری خلیفہ مروان الحمار ماہ صفر ۱۳۲ھ کے اواخر ایام میں مارا گیا اور بنی عباس کا پہلا خلیفہ سفاح یعنی عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ ۳ ربیع الاوّل ۱۳۲ھ کو زمام خلافت کے مالک ہوئے تو چونکہ بنی عباس اور منافقین ایران میں خفیہ سمجھوتہ ہو چکا تھا اور بنی عباس ان کو منافق تو جانتے نہ تھے بلکہ اپنا محسن سمجھتے تھے کہ انہی کی جدوجہد اور کوششوں سے ان کو خلافت ملی اس لئے ان سے بڑی حد تک حسنِ سلوک اور حسنِ معاملہ رکھنے لگے اور ان منافقین نے اکثر سے بھی زیادہ مخرب دین روایتیں بنا بنا کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی کی طرف منسوب کر کر کے مشہور کرنا شروع کر دیں۔ اسی سلسلہ میں اختلاف قرأت کی روایتیں بھی بنائیں اور چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مدتِ دراز تک کوفے میں رہے تھے اس لئے اختلاف قائم رکھنے کا بہتان انہی پر باندھا اور مشہور یہ کیا کہ عہدِ نبوی سے عہدِ شیخین تک بلکہ فتح آرمینیہ سے قبل تک تمام مسلمان ہر جگہ مختلف ہی قرأتوں سے قرآن پڑھا کرتے تھے۔ حذیفہ بن الیمان کی شکایت پر حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے تمام امّت کو ایک قرأت پر جمع کر دیا۔ ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ صرف چند نسخے لکھوا کر اور مختلف ممالک میں بھیج کر وہ بھی بغیر اعراب اور نقطوں کے مصاحف کے ذریعے حضرت عثمانؓ کبھی تمام دنیا سے اختلافِ قرأت کو مٹا نہیں سکتے تھے۔ نقطوں اور اعراب کے اختلافات جو سینکڑوں کی تعداد میں قرأت کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں ان کو بے نقطے اور بے اعراب کا مصحف کس طرح مٹا سکتا تھا۔ جب تک ہر مصحف کے ساتھ

حضرت عثمانؓ ایک قریشی	حضرت عثمانؓ کو ہر مصحف کے ساتھ ایک قریشی قاری بھی ہر ملک میں بھیجنا تھا

قاری یعنی حافظ قرآن بھی ہر شہر میں نہ بھیج دیتے جو نقطوں اور اعراب کے اختلاف کو مٹا دیتا اور لب ولہجہ کے فرق کو بتاتا۔ غرض یہ ہے کہ اگر ایک صاحب عقلِ سلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، صحابہؓ کی زندگی اور قرآن کی اہمیّت پر غور کر لینے اور سمجھ لینے کے بعد ان حدیثوں پر منصفانہ نگاہ تنقید ڈالے اور راویان و جامعینِ احادیث کی سطوت سے مرعوب نہ ہو۔ تو فوراً ان ساری حدیثوں کو جو جمع قرآن کے متعلق مروی ہیں بلا تامل موضوع و کذب دافترا کہہ دے گا مگر جامعین احادیث کی سطوت ہمارے علمائے کرام پر اس قدر غالب ہے کہ یہ قرآن کو مشتبہ اور مختلف فیہ مان لینے کے لئے تیار ہیں مگر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی کسی حدیث کو بھی موضوع ماننے کیلئے تیار نہیں۔ قرآن مشتبہ ہو تو ہو۔ رسول پر الزام آئے تو آئے، صحابہ پر تہمت لگے تو لگے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ حفاظت و جمع قرآن جھوٹا ٹھہرے تو ٹھہرے مگر ان دفاتر کی کوئی حدیث جھوٹی نہ ثابت ہو، اس کا کیا جواب ہے۔ سب سے زیادہ تعجب تو یہ ہے کہ ان حدیثوں کی کمزوریاں ان کو کبھی نظر ہی نہیں آتیں اور جو نظر بھی آتی ہیں تو ان کی رکیک سے رکیک تاویل کر کے اپنے دل کو سمجھا لیتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ علمائے محدثین اگلے ہوں کہ پچھلے، انہوں نے ان راویانِ حدیث کو جو اولاد سبا یا خود سبا یا میں سے تھے اور ان میں سے کتنے موالی صحابہ ہونے کی وجہ سے ان کے قبائل کی طرف منسوب تھے۔ کتنے مدنی بن بیٹھے تھے اور پھر تابعین میں شمار کیے جاتے تھے اس لئے یہ جامعین احادیث ان تابعین کو اگر مشتبہ قرار دیتے تو پھر سارا ذخیرہ احادیث مشتبہ ہو جاتا اور ان کو جو جمع احادیث کا شوق اور ولولہ تھا اس کا بالکل خون ہو جاتا اور چونکہ ان منافقین کو بھی یہ لوگ منافق نہیں سمجھتے تھے اس لئے تابعیؒ ثقہؒ کا سرٹیفکیٹ دے کر ان کی ہر جھوٹی سچی روایات کو لکھ لیا کرتے

جامعینِ احادیث کا بھرم رکھنے کیلئے اللہ، رسول اور قرآن کسی کی پرواہ نہ کرنا

تھے۔ ان میں سے بعض ہی ایسے نکلے جن کا کذب و افترا ظاہر ہو گیا تو بعد والوں نے جب کافی شہادتیں پائیں تو ان کو غیر معتبر قرار دیا ورنہ اگر کسی نے کچھ الزام لگایا بھی تو دوسرے نے ثقہ کہہ کر سنبھال لیا۔ اس لئے آج اس قسم کی ہزاروں حدیثیں صحاح وغیر صحاح میں نظر آ رہی ہیں اور اختلافاتِ قرأت پر تو ضخیم ضخیم کتابیں مستقل طور سے شائع ہو چکی ہیں اور ہمارے علمائے کرام کے لئے ذخیرۂ امتحان بنی ہوئی ہیں۔

مؤرخین کی خاموشی سب سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ امام المورخین ابوجعفر الطبری اور امام ابن اثیر نے اپنی اپنی کتابوں میں جمع صدیق اور نقل مصاحف بعہد عثمانی کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ جیسے ان لوگوں کے نزدیک دنیائے اسلام میں اتنے بڑے اہم واقعوں کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ یا ان لوگوں کے وقت تک یہ روایتیں بن کر بخاری و ترمذی وغیرہ میں داخل نہیں کی گئی تھیں اور یہ حدیثیں اس وقت تک گھڑی نہیں گئی تھیں۔ ابن خلدون ان سب سے متأخر ہیں۔ انہوں نے بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد مبارک کے ذکر میں تو جمع قرآن کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ مگر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے سلسلہ ذکر میں ایک عنوان مستقل قائم کر کے نقل مصاحف والے واقعہ کو بیان کیا اور اسی ضمن میں جمع قرآن بعہد صدیق کا حال بھی لگے ہاتھوں لکھ گئے۔ کوئی نقطہ سنج اگر غور کی نگاہ سے دیکھے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ عنوان (غزو حذیفۃ الباب وامر المصاحف) اور اس کے تحت میں ساری عبارتیں (جو دو سطر کی تمہید اس غرض سے اپنے ساتھ رکھتی ہیں کہ اوپر سے مضمون بالکل بے تعلق نہ ہو جائے) صرف واقعہ نقل مصاحف کی تصریح کے لئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے نقل کرانے کے لئے جو صحیفے حضرت حفصہؓ کے یہاں سے منگوائے تھے وہ صحیفے کس کے اور کب کے لکھے ہوئے تھے ؟ اس کو ثابت کرنے کے لئے اس سلسلے میں واقعہ جمع قرآن بعہد صدیق کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ یعنی نقل مصاحف کا ذکر ابن خلدون کے نزدیک

زیادہ اہم تھا جس کے لئے ایک مستقل عنوان قائم کر کے تقریباً پورے صفحے کا دو ثلث حصہ سیاہ کیا گیا مگر اصل وہ صحیفے جن کی نقلیں لی گئیں ان کے جمع و تدوین کے ذکر کے لئے اس زمانے کے واقعات میں جس زمانے کا یہ واقعہ تھا کوئی ذکر نہ تھا اور یہیں پر مختصر طور سے لکھ دیا۔ کیا یہ ابن خلدون جیسے صاحبِ قلم و امام اصول تاریخ نویسی سے ممکن ہے؟ کہ جس واقعے کو جہاں لکھنا چاہیئے وہاں تو نہ لکھے اور دوسری جگہ محض ضمناً لکھ دے اور اہم واقعے کو غیر اہم بنا دے اور غیر اہم کو اہم! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یقیناً یہ عنوان اور اس کے ماتحت کی پوری عبارت جعلی ہے جو تاریخ ابنِ خلدون میں داخل کر دی گئی ہے۔ دونوں واقعات کی عبارت الگ الگ ہر ایک کی جگہ پر داخل کرنا مشکل تھا اس لئے بعد والے واقعہ کو اصل واقعہ قرار دے کر پہلے کا ذکر ضمناً کر کے بزعم خود دونوں کے ذکر سے سبکدوشی ان جعلسازوں نے حاصل کر لی۔

علمائے وقت سے باادب معذرت

میں نے جو کچھ بھی عرض کیا ہے ایک دکھے دل کی آواز ہے۔ مجھ کو نہ اسلاف سے عداوت کی کوئی وجہ نہ موجودہ علمائے کرام سے خواہ مخواہ مخالفت کرنے کا کوئی سبب۔ میری معلومات ساری کی ساری انہی اسلاف کی تصانیف کی رہینِ منت ہیں۔

بندۂ ہمت اسلافم و آں سفلہ نیم
کہ خورم من نمک و بازہ نمکداں شکنم

مگر افسوس یہ ہے کہ میں مجبور ہوا اور مجبور ہوں کہ اسلاف جیسے اپنے محسنین اور اپنے اساتذہ و شیوخ کی غلطیوں کو ایماناً و دیانتاً غلطیاں کہوں۔ ان کی لغزش کو لغزشیں مانوں، ان کی صحیح رہنمائیوں کا اتباع کروں اور ان کی خطاؤں کے خطا ہونے کا جب علم الیقین ہو جائے تو اس کا کبھی اتباع نہ کروں اور غلط تاویل کر کے ان خطاؤں کو ثواب نہ ثابت کروں۔ میں ایک مسلم حنیف ہوں۔ اتخذوا

احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ کا مصداق بننے کے لئے کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔ میں مسلم ہوں۔ مسلم رہنا چاہتا ہوں اور مسلم ہی مرنا چاہتا ہوں۔ انشاء اللہ المستعان۔ کتبِ رجال کی میں نے کافی چھان بین کی ہے۔ راویانِ احادیث سے خوب واقف ہو گیا ہوں۔ حدیث کی کتابوں میں کس کس طرح جھوٹی جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر عالی اسناد کے ساتھ ملاحدہ نے داخل کر دی ہیں۔ ان سے اچھی طرح آگاہ ہوں۔ کاتبوں اور وراقوں کی دخل اندازیوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس موضوع پر اور نیز رجالِ شیعہ اور متصوفین پر میری تالیفیں ہیں اس لئے میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ ایماناً اور احتساباً اپنا ایک فریضہ سمجھ کر عرض کر دیا ہے۔ بعض جگہ سبقتِ قلم سے کچھ تیز الفاظ ضرور نکل گئے ہیں مگر وہ محض جذبۂ حمایتِ قرآن وذب عن کتاب اللہ کے غایت جوش میں نکلے ہیں۔ ان کی وجہ سے علمائے ناظرین مجھ کو جتنا چاہیں برا کہہ لیں مگر میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کو دیانتاً واحتساباً ہی ملاحظہ فرمائیں کیونکہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں مجھے بھی حاضر ہو کر ان تحریروں کا حساب دینا ہے اور ناظرین کو بھی اس کے مطالعے اور رد وقبول کا حساب دینا ہوگا اور اسلاف سے بھی ان کی غلطیوں اور لغزشوں کے متعلق ضرور سوال ہوگا اور وضاعین وکذابین بھی ضرور عرصۂ قیامت میں حاضر کیے جائیں گے فسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

اس کے بعد ہم ان تمام اسلاف علماء ومحدثین اور مفسرین کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کی غلطیوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے اور ان کے حسنات کا اجر مضاعف در مضاعف عطا فرمائے اور پھر اپنے لئے بھی خواستگار عفو ومغفرت ہوں کہ ما ابرئ نفسی مجھ سے جو غلطیاں اور لغزشیں اپنی جہالت وقصورِ فہم وغیرہ کی وجہ سے ہوئی ہوں۔ اللہ تعالےٰ معاف فرمادے اور پھر تمام ناظرین کے لئے بھی دعائے توفیقِ انصاف، قبولِ حق اور

ردِ باطل کے ساتھ ساتھ دُعائے مغفرت اور عفو و درگذر کرتا ہوں۔

اللھم اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک روف رحیم ؁ واغفر لجمیع المومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات انک سمیع مجیب الدعوات برحمتک یا ارحم الرحمین اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد واتباعہ وصحبہ وبارک وسلم واخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔ آمین یا رب العالمین

---

(۱) استدراک ۔ صفحہ ۳۰۰ کا حاشیہ

سعید بن العاص نے ۳۱ھ کے اواخر یا ۳۲ھ کے اوائل یا وسط میں اہل کوفہ کو جمع کرکے حضرت عثمانؓ کے بھیجے ہوئے مصحف کو ان کے سامنے پیش کیا اور حضرت عثمانؓ کا حکم سنایا کہ سب لوگ اپنے مصحف کو اسی مصحف کے مطابق بنالیں۔ فتح ارمینیہ و اذربیجان کو ابوجعفر الطبری ۲۴ھ کا واقعہ بتاتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ ساری باتیں ۲۴ھ میں ہوگئیں۔ ۳۰ھ کے اواخر میں ارمینیہ وغیرہ فتح ہوا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ لابن اسیر ص ۱۵۵ جلد پنجم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح ارمینیہ ۳۱ھ میں ہوئی اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ کی شہادت اور ان کی جگہ سلمان بن ربیعہ کا تقرر ۳۲ھ میں ہوا۔ اور نقل مصاحف کا واقعہ سلمان بن ربیعہ کے تقرر کے بعد ہوا ہے)۔

حذیفہ بن یمان متوفی ۳۶ھ نے ۳۰ھ میں کوفہ اور شام و عراق کے لوگوں کو قرآن مجید میں باہم اختلاف کرتے اور لوگوں کو طرح طرح سے پڑھتے دیکھا تو یقیناً

پہلے سمجھایا ہوگا، منع کیا ہوگا۔ دوسرے صحیح پڑھنے والوں سے ان کے سامنے پڑھوا کر ان سے سنوا کر اتمام حجت کی صورت نکالی ہوگی۔ جب وہ لوگ کسی طرح نہ مانے ہوں گے تو مجبوراً خلیفہ وقت کو خبر کرنے کی ضرورت محسوس کی ہوگی۔ اور اس میں ۲۵ھ ختم ہوگیا ہوگا۔ یا شاید ۲۵ھ ہی کے اواخر میں انھوں نے آکر حضرت عثمانؓ کو خبر دی ہوگی۔ حضرت عثمانؓ نے ۲۶ھ میں اکابر صحابہؓ جو اس وقت مدینے میں موجود تھے ان سے مشورہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد نقل مصاحف کا انتظام کیا ہوگا۔ نقلِ مصاحف کا کام بھی کوئی آسان کام نہیں ہے کہ مہینے دو مہینے میں ہوجائے۔ پس اگرچہ ان سب واقعات و روایات کو غلط اور بے بنیاد اور اختلافِ قرأت کے قائم کرنے کی تمہید سمجھتا ہوں۔ مگر سردست تو بحث بیان کردہ تاریخی حقائق بے حقیقت، پر تو قریش و غیر قریش کے جتنے اختلافات تھے ان کے طے کرنے میں اور ایک بات متفق کرنے میں، ہر اختلاف کے فیصلے میں اور پھر فیصلے کے مطابق پہلے ایک مسودہ مرتب کر لینے میں اور اس کے بعد اس کی متعدد نقلیں کرنے میں کافی وقت صرف ہوا ہوگا۔ اس لئے اگر نقلِ مصاحف کا سال ۳۰ھ میں ابن خلدون نے لکھا ہے تو کیا غلط لکھا ہے۔ اس کے بعد مختلف مراکز میں ایک ایک مصحف بھیجا گیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ ۳۰ھ میں ہر جگہ مصحف پہنچا ہو اور کوفے میں بھی ۳۰ھ کے اواخر یا ۳۱ھ کے اوائل میں پہنچا ہو۔ مگر یہ سب تاویلیں اور توجیہیں تو ابن جریر و ابن حجر کے اس قول کو تسلیم کر لینے کے بعد ہیں کہ فتح ارمینیہ ۲۵ھ میں ہوئی۔ البدایہ والنہایہ میں ۳۱ھ کے ضمن میں ابن اثیر لکھتے ہیں فی ھذہ السنۃ فتحت ارمینیہ اسی ۳۱ھ میں ارمینیہ فتح ہوا ج ۵ ص ۱۵۸۔ ابن خلدون و ابن اثیر نے یقیناً ابن جریر کی تحریر بھی ضرور دیکھی ہوگی۔ اس لئے اس کے خلاف جیسی لکھا کر تحقیق اس کے خلاف ہوئی۔ اسی بناء پر میں نے "تعین تاریخ نقل مصاحف" کے زیر عنوان ابن خلدون کی وہ روایت کہ جب سعید بن العاصی نے اہل کوفہ کے سامنے حضرت عثمانؓ کا بھیجا ہوا مصحف پیش کر کے سب کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے

ص ۱۷۰ سے ۱۷۳ تک

مصحف کو اسی کے مطابق بنالے اور اختلافات کو بالکل مٹادے اس وقت۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے شاگردوں کو اس سے منع کیا اور سب کو اختلافات کے لئے باقی رکھنے کی تاکید کی وغیرہ باتیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر تہمت ہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ واقعہ بہرحال ۳۰ھ بلکہ اس کے بھی کئی سال بعد کا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۲۹ھ کے پہلے ہی کوفے سے مدینے بلا لئے گئے تھے۔ ۲۹ھ میں انھوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ حج کیا تھا اور پھر برابر مدینہ ہی میں رہے۔ یہ من گھڑت داستانیں جمع قرآن بعہد صدیقی کی۔ پھر نقل مصاحف بعہد عثمانی کی۔ اور پھر ہر جگہ کے لوگوں کا اپنے اپنے مصحف کو مصحف عثمانی کے مطابق بنالینے۔ صرف اہل کوفہ کے حسب ہدایت عبداللہ بن مسعودؓ اختلافات کو باقی رکھنے وغیرہ کی صرف اُس کی تمہید ہے کہ اختلافات قرأت کی تخم ریزی جو کوفہ میں ملاحدہ عجم نے کی اور پھر اس کو ایک تناور درخت رفتہ رفتہ بنا دیا وہ صحیح ثابت ہوا اور اس کی صحیح ثابت کرنے کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام استعمال کیا گیا۔

چونکہ ابن جریر خود ایک عجمی اور شیعہ تھے بلکہ عجمی سازش کے ایک رکن رکین تھے۔ اس لئے انھوں نے فتح ارمینیہ کو ۲۵ھ کا واقعہ لکھا تاکہ یہ سب داستانیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے متعلق بنائی گئی ہیں وہ ان کے کوفہ سے مدینہ چلے آنے کے قبل کی سمجھی جاسکیں اور ان باتوں کی نسبت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف صحیح سمجھی جا سکے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر جو بہتانات اس سلسلے میں کوفیوں نے کئے ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر میری کتاب جمع قرآن کے صفحہ   میں بھی ہے۔

جمع قرآن

اور روایت پرستی کا بحران

روایت و درایت کی جنگ ۔ روایات کا خود باہمی تصادم

تعصّبِ معاندانہ وغلوئے سفیہانہ کے کرشمے

انسان آنکھوں سے کبھی سراب کے تموّج میں بھی دریا جیسی ہی روانی دیکھتا ہے مگر عقل سے کام لیتا ہے، سوچتا ہے کہ یہ مقام تو دریا کا نہیں تو سمجھ لیتا ہے کہ یہ سراب ہے دریا نہیں۔

کانوں سے انسان ہر طرح کی باتیں سنتا ہے۔ ان میں سے کون ماننے کے قابل ہے اور کون رد کر دینے کے لائق، کون حق ہے اور کون باطل، اس کو عقل ہی سے سمجھتا ہے۔ غرض حق و باطل کی تمیز عقل کا کام ہے، آنکھوں اور کانوں کا کام نہیں۔ زبانی روایت کانوں سے انسان سنتا ہے۔ کتابوں میں لکھی ہوئی روایتیں آنکھوں سے پڑھتا ہے۔ مگر ان کے صحیح یا غلط اور حق و باطل ہونے کا فیصلہ عقل ہی کر سکتی ہے۔ گزشتہ واقعات کا علم روایتوں ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اس لئے روایات کا بائیکاٹ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر جب یہ بھی انہی روایات کے ذریعے معلوم ہے کہ منافقین عجم اور ملحدوں نے محض تخریبِ دین کے لئے اسلام دشمنی کے ناپاک

جذبے کے ماتحت ہزاروں جھوٹی حدیثیں اور مکذوبہ روایتیں پھیلا رکھی تھیں اور یہی باعث ہوا حدیثوں کے جمع کرنے اور کتابی صورت میں مدوّن کرنے کا۔ جامعینِ احادیث نے بڑی نیک نیتی سے جذبہ ایمانی کے تحت جن جن حدیثوں کو وہ صحیح سمجھے یا قابل اندراج سمجھ سکے ان کو اپنی کتابوں میں درج کرلیا۔ جن کو ناقابلِ قبول سمجھے ان کو چھوڑ دیا۔ مگر جامعین احادیث رحمہم اللہ تعالٰے کے پاس فرشتے تو آ آکر نہیں بتاتے تھے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ غلط۔ وہ اپنی عقل ہی سے، قیاس و تخمین ہی کے ذریعے جس کو صحیح سمجھے اس کو لکھا اور جس کو غلط سمجھے اس کو چھوڑا۔ اسی لئے کسی جامع حدیث نے یہ قطعی دعویٰ نہیں کیا کہ جن حدیثوں کو ہم نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ قطعی و یقینی طور سے صحیح ہیں ان میں سے کوئی حدیث جھوٹی نہیں۔ جامعینِ احادیث نے حدیثوں کے صحیح اور غلط ہونے کا ایک معیار قرار دیا۔ جو حدیث اُس معیار پر اُن کے نزدیک پوری اتری، اُسی کو انہوں نے صحیح قرار دیا۔ جو معیار پر بالکل نہ آئی، اس کو موضوع اور غلط قرار دے کر چھوڑ دیا۔ صحیح و موضوع کے درمیان بھی کچھ درجے قائم کیئے اور قابل قبول حدیثوں کی متعدد قسمیں قائم کیں مگر محدثین کا معیار عموماً راوی کی وثاقت[۱] ان کی صداقتِ لہجہ اور ظاہری ورع و تقویٰ ہی رہا۔ وہ حدیثوں کے مضامین پر بہت کم غور کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم صحاح میں بعض ایسی حدیثیں بھی دیکھتے ہیں جن سے قرآن مجید جس کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالٰے نے خود فرمایا ہے اس کی محفوظیّت پر حرف آتا ہے۔ بعض صحابہ، بعض امہات المومنینؓ یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کے پاک و صاف دامن کو نفسانی خواہشوں، خود غرضیوں اور اقتدار طلبیوں کے غبار سے آلودہ کرنے کی کوشش کی گئی

---

[۱]: اردو والوں نے "ثقہ" کا مصدر "ثقاہت" سمجھ لیا ہے یا بنالیا ہے مگر ثقاہت غلط ہے اس کا صحیح مصدر "وثاقت" ہے وثوق سے۔

ہے۔ ایسی ایسی واجب الترک روایتیں صرف راویوں کی ظاہری صداقتِ لہجہ اور ریائی زہد و ورع کو دیکھ کر اپنی کتابوں میں محدثین نے درج کر لیں۔

جمع قرآن مجید سے متعلق متضاد روایتیں ہیں مثلاً :

نمبر۱۔ ابن حجر عسقلانی باب جمع القرآن صحیح بخاری کی شرح کے سلسلے میں فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ابن شہاب زہری عبید بن سباق ہی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور قرآن کسی چیز پر بھی لکھا ہوا نہ تھا۔ ابن حجر نے اس روایت کو فوائد الدیر عاقولی کے حوالے سے لکھا ہے ابو یحییٰ عبدالکریم بن الہیثم بن زیاد بن عمران القطان الدیر عاقولی بہت مشہور محدث گزرے ہیں ان کی کتاب فوائد الدیر عاقولی مشہور و معروف ہے۔

نمبر۲۔ ابن جریر طبری اپنی تفسیر (جلد اوّل صد ۲۴) میں اپنے شیوخ کے ذریعے ابن شہاب زہری کا قول نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور قرآن جمع نہیں ہوا تھا جو کچھ تھا وہ تختیوں پر یا کھجور کی چھال پر۔

نمبر۳۔ پھر صحیح بخاری، ترمذی اور نسائی کی مشہور روایت کو لیجیے جس کو ابن شہاب زہری ہی عبید بن سباق سے اور وہ حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں بہت سے صحابہ حفاظِ قرآن شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ کو بڑی فکر پڑی۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے آ کر کہا کہ قرآن کی خبر لیجیے اگر اسی طرح لڑائیوں میں باقی حفاظ قرآن بھی شہید ہوتے رہے تو پھر قرآن باقی نہیں رہے گا۔ جلد سے جلد قرآن کو جمع کرا دیجیے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہم کس طرح کریں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ بہرحال یہ کارِ خیر ضرور ہے۔ بار بار آ کر حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کو سمجھاتے رہے تو وہ بات سمجھ گئے اور راضی ہو گئے تو حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا کر حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ تم کاتبِ وحی رہے ہو۔ جوانِ صالح ہو، تم پر کسی طرح کی

تہمت نہیں ہے۔ تم اس کام کو انجام دے ڈالو۔ وہ لرز گئے۔ بولے کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ آپ کس طرح کرنا چاہتے ہیں اور کہتے تھے کہ اگر پہاڑ ڈھانے کے لئے مجھ سے کہتے تو مجھ پر یہ اتنا بار نہ ہوتا جتنا کہ جمع قرآن کا کام میرے لئے بارِ عظیم تھا مگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بار بار سمجھانے سے وہ بھی اس کی ضرورت سمجھ گئے اور جمع قرآن پر راضی ہو گئے اور پھر تختی، ٹھیکری، کھال، چھال جو کچھ جس کے پاس ملا، جس پر قرآن مجید کی آیتیں منتشر طور سے لکھی ہوئی تھیں سب سے لے کر جوڑ ملا ملا کر وہ لکھنے لگے اور آخر صحیفوں میں قرآن مجید کو جمع کر ڈالا۔ جب تک حضرت ابوبکرؓ زندہ رہے، صحیفے ان کے پاس محفوظ رکھے رہے۔ اُن کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضے میں آئے۔ حضرت عمرؓ کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس (اللہ جانے کیوں) چلے گئے۔ اس جمع قرآن کے وقت حضرت زید بن ثابتؓ کو سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں یاد آئیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے مگر کسی دوسرے کے پاس ملتی نہ تھیں۔ آخر بڑی تلاش سے حضرت خزیمہ یا حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس مل گئیں تو اُن کو سورۂ توبہ کے آخر میں لگا دیا گیا۔ پھر ان دو آیتوں کے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو ہم ان کو ایک سورت قرار دے کر الگ لکھواتے مگر دو ہی آیتیں ہیں (اس لئے مجبوری ہے)۔ آخری سورۂ برات تھی اس لئے اسی کے آخر میں وہ دونوں آیتیں جوڑ دینے کے لئے زید بن ثابتؓ سے کہہ دیا۔

نمبر۴۔ پھر یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو خود خیال آیا کہ قرآن کو جمع کرا دیتے اور خود انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا کر جمع قرآن کے لئے کہا مگر وہ راضی نہ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے حضرت زیدؓ کو جمع قرآن پر راضی کرنے میں مدد لی اور دونوں کے اصرار سے حضرت زیدؓ نے قرآن جمع کر ڈالا۔

نمبر۵۔ پھر صحیح بخاری ہی میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

میں چار شخصوں نے قرآن مجید جمع کر لیا تھا اور چاروں انصاری تھے۔ ابی بن کعب معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ عنہم۔ اس کے بعد اسی مضمون کی دوسری روایت حضرت انسؓ سے ہے جس میں ابی بن کعب کی جگہ ابو درداؓ کا نام ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ابوزیدؓ نے جو مصحف لکھا تھا اس کے وارث ہم ہوئے۔ جمع قرآن کی اور بھی متضاد و مختلف روایتیں دیکھنی ہوں تو آپ ابن اشتہ اور ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف کو دیکھ ڈالیے۔ یقیناً ایمانی غیرت سے آپ بے چین ہو جائیں گے اور جی چاہے گا کہ ان کتابوں کو پھاڑ کر پھینک دیں۔

خیال فرمائیے جب زید بن ثابتؓ تین یا چار انصاریوں کے ساتھ اپنے اپنے لئے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن جمع کر چکے تھے تو یقیناً اجازت لے کر جمع کیا ہوگا اور مصحف کی شکل ہی میں۔ کتابی صورت میں ہی جمع کیا ہوگا۔ جمع کر لینے کے معنی حفظ کر لینے کے نہیں ہو سکتے اور کسی حافظ کے حفظ کا کوئی وارث نہیں ہوتا حضرت انسؓ اپنے چچا حضرت ابوزید کے لکھے ہوئے مصحف ہی کے وارث ہوئے تھے نہ کہ ان کے حفظ کے۔ تو جب حضرت زید بن ثابت عہدِ نبوی ہی میں بہ اجازت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کتابی شکل میں لکھ چکے تھے تو حضرت ابوبکرؓ کے کہنے کے وقت انہوں نے یہ کیوں کہا کہ آپ ایسا کام کیوں کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ اس وقت وہ خود اپنا لکھا ہوا مصحف اور ساتھی انصاریوں کے لکھے ہوئے مصحف کیوں نہ لائے۔ کہ یہ مصاحف عہدِ نبوی کے بہ اجازت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لکھے ہوئے ہیں۔ سورۂ برأت کی وہ آخری دو آیتیں جو حضرت زیدؓ کو یاد آ رہی تھیں اور کسی کے پاس نہیں ملتی تھیں۔ صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ انصاری کے پاس ملیں۔ وہ خود زید بن ثابت کے مصحف میں اور ان کے ساتھی انصاریوں کے مصاحف میں سورۂ برأت کے آخر میں لکھی ہوئی تھیں یا نہیں؟ وہ دو آیتیں بھی

ایسی کہ جس وقت اتری ہوں گی، ہر صحابی کی روح وجد کرنے لگی ہوگی اور پہلی ہی بار سن کر بلا ارادہ حفظ خود بخود ہر شخص کو یقیناً یاد ہوگئی ہوں گی۔ ایسی سرمایۂ مسرت اور ناز آفریں آیتیں صرف زید بن ثابت کو یاد آئیں؟ اور صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس ملیں۔ تعجب ہے۔

یہ روایت جمع قرآن صرف ابن شہاب زہری روایت کرتے ہیں۔ وہ بھی صرف عبید بن سباق سے اور وہ صرف حضرت زید بن ثابتؓ سے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی وفات بروایت صحیح ۴۵ھ یا ۴۸ھ میں ہوئی تھی اور عبید بن سباق کے متعلق خود امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ ۱۱۸ھ میں ۶۸ برس کی عمر میں وفات پائی یعنی ۵۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی وفات کے دو برس بعد۔ سب سے ضعیف قول جو حضرت زید بن ثابت کی وفات کے بارے میں ہے وہ ۵۵ھ کا، اگر اسی کا اعتبار کر لیا جائے جب بھی حضرت زید بن ثابت کی وفات کے وقت عبید بن سباق چار یا پانچ برس سے زیادہ عمر کے نہیں ٹھہرتے۔ اتنا بڑا اہم واقعہ جمع قرآن کا حضرت زید بن ثابت نے بیان بھی فرمایا تو صرف ایک چار یا پانچ برس کے بچے سے کسی دوسرے سے نہیں، حتیٰ کہ اپنے صاحبزادوں سے بھی نہیں کہا، کبھی کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے۔

حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں بقول ابن حجر ۲۵ھ میں اور بقول ابن خلدون ۳۰ھ میں جو قاریوں کے اختلافات مٹانے کے لئے متعدد مصاحف بحکم، عثمانی کاتبوں نے لکھے اور ایک ایک مصحف مختلف شہروں میں بھیجے گئے کہ ہر شخص اسی مصحف کے مطابق اپنے مصحف کو درست کر لے اور جس نسخے میں زیادہ اختلاف ہو اس کو نذرِ آتش کر دیا جائے۔ یہ روایت بھی صرف زہری ہی سے ہے اور وہ صرف حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اس روایت پر بحث تفصیل طلب ہے اور میں اس پر پوری بحث اپنے رسالہ جمع قرآن میں کر چکا ہوں۔ یہاں اتنا دکھا دینا

کافی ہے کہ اس روایت کے راوی بھی تنہا ابن شہاب زہری ہی ہیں اور وہ صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کرتے ہیں نہ کوئی دوسرا صحابی روایت کرتا ہے نہ کوئی دوسرا تابعی، اور جمع صدیقی کی روایت تو یقیناً جھوٹی ہے۔ اس لئے کہ عبید بن سباق کی روایت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے غیر ممکن ہے۔

اتقان میں ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے متعدد مصاحف متعدد لوگوں کو لکھنے کا حکم دیا تو ان میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے یہ چونکہ انصاری تھے مدینے کے رہنے والے[1]، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش مکی کاتبوں سے فرمایا کہ اگر زید سے اور تم لوگوں سے املا وغیرہ میں کچھ اختلاف ہو تو قریش مکی رسم الخط کے مطابق لکھنا یعنی مدینے کی رسم نہ اختیار کرنا اور نہ اہل مدینہ کے محاورے کا اتباع کرنا۔ مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ نہ کہا کہ بقول ابن شہاب زہری، عبید بن سباق جو صحیفے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھوائے تھے وہ میرے ہی لکھے ہوئے ہیں وہی صحیفے بقول زہری و عبید حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملنا چاہئیں تھے مگر بلا وجہ اور بلا کسی استحقاق کے وہ صحیفے حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے گئے بعد والوں نے باتیں بنائی ہیں اور بلا دلیل اور بلا سند لکھ دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی کہ یہ صحیفے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیئے جائیں جو محض غلط ہے وہ صحیفے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملک نہ تھے۔ بیت المال کی چیز تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیت المال کی چیز پر بغیر مشورہ صحابہ ایسی وصیت کرنے کا کوئی حق نہ تھا اور بعد والے خلفاء کو ان صحیفوں سے محروم رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کام کبھی کر سکتے تھے۔

درحقیقت رسول اللہ علیہ وسلم جو کاتبیں وحی سے قرآن مجید لکھوا رہے

---

[1]: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کتابت جنگ بدر کے مکی قریشی قیدیوں ہی سے سیکھی تھی اس لئے قریش کاتبوں اور زید کے درمیان املا وغیرہ کا اختلاف ممکن ہی نہ تھا۔

تھے تقریباً تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے جو حضرات خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ سے آپ لکھواتے رہے وہ صحیفے ایک صندوقچے میں محفوظ رکھے جاتے تھے۔ ہجرت کے وقت وہ صندوقچہ بھی آپ کے ساتھ آیا تھا۔ جب ہجرت کے بعد مسجد نبوی بن گئی تو انصاری صحابہؓ کو حکم ہوا کہ وہ مکی سورتیں اپنے پاس بھی لکھ رکھیں۔ مسجد کے ایک ستون کے پاس وہ صندوقچہ لاکر رکھ دیا گیا تھا۔ برابر انصاری صحابہ مسجد میں بیٹھ کر ان صحیفوں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے تھے۔ اس صندوقچے سے نکال کر اس سے نقل کر کے اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور پھر ان صحیفوں کو اُسی صندوقچے میں رکھ دیتے تھے اور وہ صندوقچہ برابر اسی ستون کے پاس رکھا رہتا تھا۔ اسی لئے اس ستون کو اسطوانۃ المصحف کہتے تھے۔ حدیثوں میں اسطوانۃ المصحف کا ذکر بھی ہے اور حضرت زید بن ثابتؓ کی یہ حدیث بھی مشہور ہے جو مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ ہم لوگ (یعنی انصار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رقعوں سے قرآن جمع کرتے تھے۔ حاکم یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن عہد نبوی ہی میں جمع ہو چکا تھا۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۱۱)

کمال تو یہ ہے کہ اتقان جلد اول صفحہ ۶۰ میں لکھا ہے کہ "سب سے پہلے جس نے بین الدفتین قرآن مجید جمع کیا وہ سالم مولےٰ ابی حذیفہ تھے۔ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک قرآن مجید جمع نہ کر لیں گے اُس وقت تک چادر نہیں اوڑھیں گے۔ اس کے بعد صحابہؓ نے باہم مشورہ کیا کہ اس کتاب کا کیا نام رکھیں بعضوں نے کہا کہ اس کا نام "سفر" رکھا جائے تو دوسروں نے کہا کہ یہ یہودیوں کی اصطلاح ہے اس لئے لوگوں نے اس کو ناپسند کیا۔ ایک شخص نے کہا کہ میں نے اسی قسم کی چیز حبشہ میں دیکھی تھی اُس کو وہ لوگ "مصحف" کہتے ہیں۔ اس کا نام بھی مصحف رکھا جائے تو سب نے اس کو پسند کیا اور اس کتاب کا نام مصحف رکھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے ممکن ہے کہ جن لوگوں کو حضرت ابوبکرؓ نے قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔

ان میں سے ایک سالم مولی ابی حذیفہ بھی ہوں۔ (کیا حضرت ابوبکرؓ نے متعدد لوگوں کو الگ الگ قرآن جمع کرنے کا حکم دیا تھا ؟ تمنا)

حبشہ میں کون سی کتاب تھی، قرآن مجید کی مثل جس کو اہل حبشہ مصحف کہتے تھے ؟ کیا حدیثوں میں خود "مصحف" کا لفظ موجود نہیں ہے ؟ باقیات الصالحات والی حدیث مشکوٰۃ فصل سوم ص۲۴ میں ان چیزوں کی فہرست بتائی گئی ہے جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی برابر ایک مسلم کو ملتا رہے گا۔ ان چیزوں میں مصحفاً ورثہ بھی مذکور ہے یعنی مرنے والا اپنا مصحف میراث میں چھوڑ گیا اور اس کے وارث اس مصحف میں اس کے بعد پڑھتے رہے تو اس کو وارثوں کے اس مصحف میں پڑھتے رہنے سے بھی ثواب برابر ملتا رہے گا۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں صحابہؓ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو مصحف کہتے تھے۔ اسی لئے جس ستون کے پاس عہد نبوی میں مصحف نبوی والا صندوقچہ رہتا تھا اور آپ کے سامنے انصاری صحابہ اسی مصحف سے قرآن مجید نقل کر کے لے جایا کرتے تھے۔ اس ستون کو صحابہؓ "اسطوانہ مصحف" ہی کہا کرتے تھے۔ یہ روایت جو اتقان میں موجود ہے کہ عہد عثمانی یعنی ۳۰ھ میں یا عہد صدیقی ہی میں حضرت سالمؓ کے قرآن جمع کر لینے کے بعد صحابہ کے مشورے سے اس کا نام مصحف رکھا گیا، کس قدر غلط ہے۔

درایت : پہلے مناسبِ مضمون، میری ایک رباعی بھی ملاحظہ فرمائیے :

چارہ نہیں ہر چند روایت کے بغیر ‏ ‏ ‏ مانو نہ روایت کو درایت کے بغیر

تقلید ہے رات اور تحقیق ہے شمع ‏ ‏ ‏ شب کو نہ چلو شمع ہدایت کے بغیر

غور فرمائیے قرآن مجید کے آغاز ہی میں فرمایا گیا ہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ ۛ یہ کتاب ہے یعنی کتاب کہلانے کی مستحق درحقیقت یہی کتاب ہے کسی قول، کسی بات، کسی واقعہ کو انسان اسی لئے لکھ رکھتا ہے تاکہ وہ محفوظ ہو جائے اور پھر اس کے متعلق کسی طرح کا شک کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے۔ مگر دنیا کی کوئی کتاب ہر طرح

کے شک اور ہر قسم کے شبہے سے پاک اس کتاب جیسی نہیں ہے لا ریب فیہ[۱] کسی شک، کسی شبہے کی اس میں گنجائش ہی نہیں ہے۔ قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۸۶ سورتیں مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے اتر چکی تھیں جو اوراق ہی پر لکھی ہوئی تھیں۔ وہ اوراق رقّ منشور، ہرن کی جھلی باریک کاغذ کی طرح جو پھیلا کر خشک کی ہوئی ہوتی تھی، اسی پر وہ سورے لکھے ہوئے تھے جو متعدد اجزا کی شکل میں تھے۔ جن کو قرآن مجید میں صُحُف یعنی صحیفے فرمایا گیا ہے۔ رسولٌ من اللّٰہ یتلوا صحفاً مطہّرۃ۔[۲] اللہ کی طرف سے آئے ہوئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحیفے تلاوت کر رہے ہیں۔ اگر یہ ۸۶ سورتیں کتابی شکل میں صحیفوں میں لکھی ہوئی نہ تھیں تو کس چیز کو "ذالک الکتب" فرمایا گیا اور کس شے کو صحف فرمایا گیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلّم کتاب بنا کر بھیجے گئے تھے اگر کتاب کا وجود ہی نہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو کس چیز کی تعلیم دیتے تھے؟ زبانی آیات اور سورتیں سنا سنا کر یاد کرا دیتے

---

[۱] : اس دعوے کی دلیل میری کتاب "اعجاز القرآن" میں دیکھیے۔ تمنا

[۲] : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلے پہل جو حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے تھے آپ سے کئی بار معانقہ کیا تو آپ کو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت معجزانہ طریقے سے من جانب اللہ مل گئی تھی۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ اس نزولِ قرآن سے پہلے تم نہ کسی کتاب کو پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے (اگر پہلے سے لکھے پڑھے ہوتے تو) اس وقت یہ باطل پرست لوگ شک و شبہ پیدا کرتے (عنکبوت ۴۸) جس سے صاف ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن کے بعد آپ میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت آ گئی تھی۔ اُمّی کے معنی ان پڑھ کے نہیں ہیں۔ یہ غلط مشہور کیا گیا ہے۔ غیر اہلِ کتاب کو اُمّی کہا کرتے تھے۔ قرآن مبین میں بھی غیر اہلِ کتاب ہی کو امیین فرمایا گیا ہے۔

اور سمجھا دینے کو تعلیم نصاب نہیں کہہ سکتے۔ کتاب کا وجود تعلیم کتاب کے لئے ضروری ہے۔ "یعلمہم القرآن" نہیں فرمایا گیا "یعلمہم الکتب" فرمایا گیا ہے۔ صحابہؓ کے پاس کتابی صورت میں لکھے ہوئے مصاحف نہ تھے تو آپ انہیں کتاب دیکر پڑھنے کی تاکید کیوں فرماتے تھے؟ اور کیوں کہتے تھے کہ اعطوا اعینکم حظھا من القرآن تمہاری آنکھوں کا جو حصہ قرآن میں ہے وہ ان کو دیا کرو۔

جب پورا قرآن اتر چکا اور صحابہؓ کے پاس کتابی صورت میں آگیا جبھی تو صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے کہ ہم قرآن کتنے دنوں میں ختم کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے کم مدت میں ختم کرنے کی اجازت نہ دی۔ قرآن مجید آپ کے عہد مبارک میں مکمل اور مرتب و مدوّن ہی نہیں ہوا تھا تو قرآن مجید کے ختم کرنے کا سوال کس طرح پیدا ہوا؟ صحابہؓ سفر میں بھی قرآن اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ صحیحین اور دوسری صحاح وغیر صحاح کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو سفر میں قرآن مجید ساتھ رکھنے سے منع فرماتے تھے کہ کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ اگر صحابہؓ کے پاس کتابی صورت میں قرآن مجید مرتب و مدوّن نہ تھا تو صحابہؓ کس چیز کو سفر میں ساتھ لے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز کے سفر میں ساتھ لے جانے سے ان کو منع فرماتے تھے؟ قرآن مجید کی سات منزلیں جن کو صحابہؓ سات حزب کہا کرتے تھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہفتہ وار ختم اسی حساب سے کرتے تھے۔ اگر پورا قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مرتّب و مدوّن نہ ہوا تھا تو پورے قرآن مجید کے سات حزب کس طرح بنائے گئے؟

ابن جریر اپنی تفسیر میں اپنے سلسلۂ اسناد کے ساتھ حضرت واثلہ بن سقع سے

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تورات کی جگہ مجھ کو سات لمبی لمبی سورتیں ملیں (یعنی سورۂ بقرہ سے سورۂ انفال تک) جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلسَّبع طِوال فرمایا اور فرمایا کہ زبور کی جگہ مجھ کو مثانی ملے اور مئین انجیل کی جگہ پر۔ (سو یا سو سے کچھ زیادہ آیتوں والی سورتوں کو مئین کہتے ہیں، اور سو سے کم آیتوں والی سورتوں کو مثانی) اور سورہ حجرات سے آخر تک یعنی ساتویں منزل کی ساری سورتوں کو سورہ حجرات لگا کر مفصل کہتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تورات، زبور اور انجیل کا نعم البدل بھی ملا اور پھر اس سے فاضل بھی ملا۔ قرآن مجید کی سورتوں کی یہ تقسیم اور ان قسموں کے نام السبع الطوال، المئین المثانی اور المفصّل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے صحابہؓ نے سنے اور صحابہؓ سے حدیثوں میں روایات کے ذریعے ہم تک پہنچے۔ اگر قرآن مرتب و مدون عہدِ نبوی ہی میں نہیں ہو چکا تھا اور سورتوں کی ترتیب اسی زمانے میں قائم نہ ہو گئی تھی تو ایک سو چودہ سورتوں کو چار قسموں پر کس طرح تقسیم فرمایا گیا؟ اور انہیں سورتوں کے حساب سے سات حزب یعنی سات منزلیں کس طرح مقرر ہو گئی تھیں؟ جن کو یاد رکھنے کے لئے "فمی بشوق" کا لفظ بنالیا گیا یعنی پہلی منزل ف سورہ فاتحہ سے شروع ہوتی۔ دوسری م سورہ مائدہ سے، تیسری ی سورۂ یونس سے، چوتھی ب بنی اسرائیل سے، پانچویں ش سورۂ شعرائ سے، چھٹی و سورہ والصّٰفّٰت سے اور ساتویں ق سورہ قاف سے شروع ہوکر سورہ ناس پر ختم ہوتی ہے۔ سورہ قاف سے پہلے سورہ حجرات ہے۔ سورہ حجرات لگا کر پوری ساتویں منزل کو مفصل فرمایا گیا ہے۔ انہی سات منزلوں کے حساب سے عہدِ نبوی ہی سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ ہفتہ وار تلاوت کر کے پورے قرآن مجید کا ہر ہفتے ختم کرتے تھے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جس کو رات کو اپنا حزب پڑھنے کا یا پورا کرنے کا موقع نہ ملے۔ وہ اگر دن کو صبح اور ظہر کے درمیان اپنا حزب پورا

کرلے تو اُس کو وہی ثواب ملے گا جو رات کو پڑھنے کو ملتا۔ صحابہؓ میں اکثریت پورے قرآن مجید کے حافظوں کی تھی۔ حافظ کی اصطلاح تو کئی صدی بعد کو بنی ہے عہد صحابہ سے محدثین کے زمانے تک یعنی جب تک روایاتِ حدیث اور تدوین احادیث کا سلسلہ قائم رہا جن لوگوں کو پورا قرآن یاد ہوتا تھا ان کو قاری کہا کرتے تھے "حافظ" چونکہ اللہ تعالےٰ کا نام ہے اس لئے صحابہ اور اکابر تابعین نے کسی انسان کو "حافظ" کہنا پسند نہ کیا۔ مگر بعد کو حدیثیں یاد رکھنے والوں کو محدثین حافظ کہنے لگے۔ جب حدیثوں کے یاد کرلے اور یاد رکھنے کا زمانہ لد گیا تو تقریباً ساتویں آٹھویں صدی سے پہلے عجمیوں نے قرآن مجید یاد رکھنے والوں کو حافظ کہنا شروع کر دیا۔ پھر یہ اصطلاح عام ہوگئی۔ کتابوں میں حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے نام کے ساتھ جو آپ "حافظ" کا لفظ دیکھتے ہیں تو اس سے مراد حافظ حدیث ہی ہے۔ اگرچہ ہر حافظ حدیث حافظ قرآن بھی ضرور ہوتا تھا۔ جس راوی حدیث کو قرآن مجید یاد نہ ہوتا تھا، محدثین کہتے تھے کہ جو قرآن مجید یاد نہیں رکھتا وہ حدیث کیا یاد رکھے گا۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں بعض راویانِ حدیث پر بصورتِ جرح یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ یہ پورا قرآن یاد نہیں رکھتا تھا۔ ایسے راویوں کی حدیثیں قبول کرنے میں محدثین متامل ہوتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ قرآن مجید کتابی صورت میں عہدِ نبوی میں مدوّن و مرتّب بالکل اسی ترتیب سے تھا جس طرح دنیائے اسلام کے ہر بچے مسلم گھر میں آج موجود ہے۔ اور ہر صحابی کے گھر مرد، عورت، بوڑھے، جوان ذی شعور بچوں اور بچیوں کی روزانہ تلاوت میں تھا۔ اس کو مصحف عثمانی کہنا اور حضرت عثمانؓ کو جامع قرآن کہنا منافقینِ عجم، دشمنانِ اسلام کے جھوٹے پراپیگنڈے کے سبب سے ہے۔ پہلے تو ان عجمی منافقین نے تابعین کا لبادہ اوڑھ کر، راویان حدیث بن کر عہد نبوی سے جو قرآن مجید قرآتاً، تلاوتاً، کتابتاً، حفظاً اور تعلیماً ہر حیثیت سے بے مثل تواتر کے

ساتھ ہر صحابی، ہر تابعی، ہر تبع تابعی کے گھر میں چلا آ رہا تھا اس کو مصحف عثمانی مشہور کیا تاکہ مسلمانوں کا ایک فرقہ جو حضرت عثمانؓ سے عناد رکھتا ہے اور کوفہ، بصرہ اور مصر میں جو حضرت عثمانؓ کے قاتلین کے ذریات ہیں وہ قرآن مجید سے تعصب برتنے لگیں۔ اُدھر قرآن مجید میں اختلافِ قرأت کا پروپیگنڈہ جاری کر کے کوفہ سے قاریوں کا جال پھیلانا شروع کیا اور پہلی صدی کے ختم ہونے کے بعد سات قاری بھی بنا لیے ان میں سے حفص بن سلیمان الکوفی جو سارے محدثین کے نزدیک بالاتفاق متروک الحدیث، ذاہب الحدیث، غیر ثقہ، منکر الحدیث اور راویٔ موضوعات تھا جس کو ابنِ خراش نے کذّاب کہا اور ابنِ معین نے بھی کذّاب کہا اور ابن حبان نے لکھا کہ یہ اسناد حدیث میں الٹ پلٹ کر دیتا تھا اور مرسل کو مرفوع بنا دیا کرتا تھا۔ اُسی کی طرف اس متواتر قرآن مجید کی قرأت منسوب کی اور دوسرے قاریوں کو ثقہ قرار دیا مگر چونکہ اس متواتر قرأت کو اسی کی طرف منسوب کیا اس لئے قرأت میں اس کو ثقہ اور اس کی قرأت کو اصح بتایا یہ سمجھتے ہوئے کہ حفص بن سلیمان جیسے مشہور غیر ثقہ کذّاب کی طرف ہمارے منسوب کر دینے سے کوئی بھی اس وقت اس متواتر قرأت کو چھوڑ تو دے گا نہیں۔ اس لئے مشہور کذاب کو قرأت میں سچا اور ثقہ ٹھہرایا اور مقابلے کے لئے حمزۃ الزیّات کوفی کو قرأت میں بدترین قاری مگر حدیث میں ثقہ مشہور کیا۔ حفص کی پیدائش ۹۰ھ کی اور حمزہ کی ۸۰ھ کی لکھی ہے۔ حفص کی موت ۱۸۰ھ میں واقع ہوئی اور حمزہ کی موت ۱۵۸ھ میں۔

غرض منافقین کوفہ نے قرآن مجید کو مشکوک و مشتبہ بلکہ غیر معتبر ثابت کرنے کی محیّر العقول کوشش کی کہ ان مفسدین کی اتنی بڑی زبردست سازش کس طرح ساری دنیائے اسلام میں پھیل کر رہی اور سارے محدثین، مفسرین اور فقہا نے ان کے کذب و افتراء کو امرِ واقعی اور صحیح تسلیم کر لیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذکر میں ہر مؤرخ جمع قرآن کا ذکر کرنے لگا اور حضرت عثمانؓ کا تو لقب ہی جامع قرآن

بن گیا۔ یہ نہ سمجھیے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کی اس جھوٹی منقبت میں قرآن مجید کی کس قدر منقصت پنہاں ہے جن کے دلوں میں قرآن مجید ہی کے متعلق شکوک پیدا ہوں گے ان کو ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی محبت کیا کام آئے گی؟ مگر قربان جائیے وعدۂ حفاظتِ اللہ تبارک و تعالیٰ کے کہ اتنی بڑی زبردست سازش جو رفتہ رفتہ مسلمانوں کے عقائد میں داخل ہو گئی اس کے باوجود قرآنِ مجید کے دامنِ تقدس پر ایک ہلکا سا غبار بھی بار نہ پا سکا

سہ
ہر فیضش آن چناں یا تست تا اینم کہ بود
آفتاب او نداند ترکِ حدِّ استوا

حفاظتِ ربّی کی پوری بحث میری کتاب اعجاز القرآن میں ملاحظہ فرمائیے کہ منافقین و ملاحدہ دشمنانِ اسلام نے قرآن مجید کے خلاف کیسے کیسے سنگین محاذ قائم کیے اور کیسے کیسے سخت سے سخت حملے قرآن پاک پر صدیوں تک کیے جاتے رہے مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت تھی اور ہے کہ قرآن مجید آج تک ہر طرح محفوظ ہے اس کا ایک ایک حرف ایک ایک نقطہ محفوظ ہے۔ باتیں تو بہت ہیں مگر ایک اہم ترین کام چھوڑ کر یہ مضمون لکھ رہا ہوں اس لئے ترمذی و دارمی وغیرہ کی ایک حدیث کی اصل عبارت ترجمے کے ساتھ لکھ کر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں جو حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ عن علی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ستکون فتن۔ قلت فما المخرج منہا یا رسول اللّٰہ اقال کتاب اللّٰہ فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم وھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللّٰہ ومن ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللّٰہ وھو حبل اللّٰہ المتین وھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم وھو الذی لا تزیغ بہ الاھواء ولا تلتبس بہ الالسنۃ ولا تشبع منہ العلماء ولا یخلق علی کثرۃ الرد ولا تنقضی عجائبہ

من قال به صدق ومن عمل به اجراً ومن حکم به عدل ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب فتنے پیدا ہوں گے۔ میں نے عرض کی تو اس سے نکلنے کا کیا ذریعہ ہوگا یا رسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب۔ اس میں تمہارے اگلوں کی خبریں ہیں اور تمہارے بعد والوں کی پیش گوئیاں ہیں۔ تمہارے درمیان (جو جھگڑے ہوں ان کے) فیصلے ہیں۔ یہ قول فیصل ہے لایعنی بات نہیں ہے۔ جس نے کسی جبار کے ڈر سے اس کو چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا اور جس نے اس کے سوا کسی اور سے ہدایت چاہی اللہ اس کو گمراہ کرے گا اور وہ کتاب اللہ کی مضبوط ڈوری ہے اور وہ حکمت والی نصیحت ہے اور وہ سیدھی راہ ہے۔ اس سے خواہشِ نفس میں کجروی نہیں پیدا ہوتی اور زبانیں اس سے ہیر پھیر میں نہیں پڑتیں۔ علم والے اس سے سیر نہیں ہوتے۔ کثرت سے پڑھتے رہنے سے بھی یہ پرانی نہیں ہوتی اور نہ اس کے عجائبات ختم ہوتے ہیں۔ جس نے اس سے کچھ کہا تو سچ کہا اور جس نے اس کے مطابق عمل کیا اس کا اجر پائے گا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف دوسروں کو بلایا اس نے صحیح رہنمائی کی سیدھی راہ کی طرف۔

(یہ مضمون مولانا عامر احمد عثمانی نے علامہ تمنا عمادی کے مضمون "جمع القرآن" کے مطالعے سے متاثر ہو کر تحریر کیا اور مولانا ممدوح کی پسندیدگی کے بعد شائع کیا)

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

دین کا مدار تمام تر یقین پر ہے یہی وہ اصل و بنیاد ہے جس پر اس کی پوری کی پوری عمارت اٹھتی ہے۔ یقین اس امر کا کہ جس بات کو ہم دین کہتے ہیں وہ بلا شک و شبہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر اس بنیاد میں ذرا سا بھی تزلزل پیدا ہو جائے تو دین کی ساری عمارت نیچے آگرتی ہے اس میں تھوڑے اور بہت کا سوال ہی نہیں۔ مثلاً ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی وحی نازل کی اور اصل و بنیاد کے اعتبار سے انہیں بھی وہی "دین" عطا کیا جو قرآن میں ہے۔ آج یہود اور نصاریٰ دونوں اس کے مدعی ہیں کہ ان کے پاس تورات اور انجیل موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان کتابوں کو دین نہیں مانتے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے اور وہ یہ کہ ان کتابوں میں تغیر و تبدل ہو چکا ہے اور ہم آج یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ جو کچھ ان میں موجود ہے وہ وہی ہے جو ان انبیاءؑ علیہم السلام کی طرف نازل ہوا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں کچھ باتیں تو ایسی ہوں گی جن میں رد و بدل نہیں ہوا۔ ان باتوں کو تو دین ماننا چاہیئے، یہ ٹھیک ہے کہ ان میں کچھ باتیں ایسی ضرور ہوں گی لیکن جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ دین کے جس معاملہ میں ذرا سا بھی شک اور شبہ پیدا ہو جائے وہ دین ہی نہیں رہ

سکتا۔ اس لئے تورات و انجیل دینی کتابیں نہیں تسلیم کی جا سکتیں۔ اس کے برعکس قرآن کریم کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ یہ لفظاً لفظاً، حرفاً حرفاً الحمد سے والناس تک بعینہٖ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا۔ اب سوچئے کہ اگر کسی کے دل میں اس چیز کے متعلق ذرا سا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو اس کے نزدیک قرآن دین کا ضابطہ نہیں بن سکتا۔ اس کی حیثیت بھی وہی ہو جائے گی جو انجیل اور تورات کی ہے۔

عجمی سازشوں نے جہاں حقیقی اسلام کی جگہ ایک بالکل نیا اسلام وضع کر کے مسلمانوں میں عام کر دیا اس کے ساتھ ہی انہوں نے چپکے ہی چپکے ایسی کوششیں بھی کیں جن سے ہر شخص کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ قرآن بھی اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہا۔ یہ اس سازش کا اتنا بڑا حربہ تھا جس نے فی الواقعہ دین کی عمارت کو متزلزل کر دیا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے قرآن کی جمع و تدوین کے متعلق عجیب عزیب داستانیں وضع کیں اور انہیں روایات کے مجموعوں میں بھر دیا۔

عجمی سازشیں کیوں؟ سیاسی میدان میں مسلمانوں سے شکست کھانے کے بعد جب اہلِ عجم نے دیکھا کہ ان کی فرعونی افواجِ قاہرہ اور طاغوتی اسلحۂ جنگ مسلمانوں کے کوہ آسا عزم و یقین (ایمانی طاقت) کو متزلزل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تو انہوں نے بظاہر مسلمان بن کر مسلمانوں کو ان کے سرچشمۂ عزم و یقین (قرآنِ پاک) ہی سے محروم کر دینے کی ٹھان لی، جو ان کی قوت کا اصل منبع تھا۔ اس کے لئے ان کی دشواری یہ تھی کہ مسلمان "حسبنا کتاب اللہ" کا مدعی تھا یعنی اس کا ایمان تھا کہ اس کی قوتوں کا راز دین کی اتباع میں ہے جو قرآن کے اندر ہے اور قرآن کریم ہر طرح محفوظ ہو چکا تھا اس لئے اس کا کوئی لفظ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جا سکتا تھا۔ ایندریں حالات عجمی سازش نے یہ سوچا کہ مسلمانوں کو قرآن سے ہٹانے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انہیں اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ عشق ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر "مثلہ معہ"[ا] کا عقیدہ پیدا کر کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں قرآن کے متبادل ایک دوسرا دین دے دیا جائے۔ چنانچہ عجم کے سازشی اپنی ان کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ مسلمانوں کی اکثریت اس فریب میں بہہ نکلی مگر کچھ اللہ کے بندوں نے اس سیلاب کا راستہ روکنا چاہا (کتاب الام میں امام شافعیؒ سے ان لوگوں کے مباحث اور مناظروں کا تذکرہ موجود ہے)۔ عجم کے ان سازشیوں کے خلاف سب سے بڑا اعتراض یہ پڑتا تھا کہ اگر احادیث و روایات بھی دین تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی طرح ان کا بھی کوئی مستند مجموعہ لکھوا کر امت کو کیوں نہ دے دیا۔ اور قرآن کریم ہی کی طرح ان کو بھی یاد کرا کر محفوظ کیوں نہ کر دیا۔ اگر قرآن متن تھا اور حدیث اس کی شرح تھی، اگر قرآن اجمال تھا اور حدیث اس کی تفصیل تھی۔ اگر قرآن ایک ایسی کتاب تھی جو احادیث سے منسوخ بھی ہو سکتی تھی اور اس طرح حدیث ہی فیصلہ کن چیز تھی تو قرآن سے زیادہ احادیث کو محفوظ اور مستند صورت میں امت کے حوالے کرنے کی ضرورت تھی۔ یہ اتنا بڑا اعتراض تھا جس سے گلوخلاصی آسان نہیں تھی۔ انہوں نے اس مشکل کا حل یہ سوچا کہ خود قرآن کے متعلق ہی یہ خیال پھیلا دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی محفوظ شکل میں امت کو نہیں دیا تھا اسے بھی بعد میں آنے والوں نے مرتّب اور مدوّن کیا تھا اور جس طرح احادیث کے بیانات میں آپ کو اختلافات نظر آتے ہیں ویسے ہی (معاذاللہ) قرآن کریم میں بھی صحابہ اور تابعین کے زمانے میں کافی اختلافات موجود تھے جس طرح روایتیں خبر واحد ہیں کہ کسی ایک صحابی نے بیان کی ہیں۔ اسی طرح قرآن کی آیتیں بھی ایک ایک دو دو آدمیوں کے بیان پر جمع کر لی گئی ہیں وغیر ذالک من الخرافات۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے احادیث وضع کیں اور ان کی عام تشہیر کر دی۔ یہ روایات احادیث کے مجموعوں میں آج بھی موجود ہیں۔ اس ضمن میں حافظ ابوبکر عبداللہ ابن ابی داؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی کی شہرۂ آفاق کتاب "کتاب المصاحف" ایک خاص

(ا۔ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں قرآن کریم سے متعلق ان تمام روایات کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ روایتیں اکثر صحاح ستہ اور دوسری مستند کتب روایات میں منتشر طور پر موجود ہیں۔

کتاب المصاحف یہ کتاب ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد کی تصنیف ہے جن کا سن پیدائش ۲۳۰ھ اور سن وفات ۳۱۶ھ ہے۔ آپ حدیث کے مشہور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی (جن کی کتاب سنن ابی داؤد صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے) کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی کتاب المصاحف علمائے حدیث کے ہاں بہت مستند کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر متقدمین کی کتابوں میں اس کتاب کے حوالے ملتے ہیں۔ امام ابن الجزریؒ نے ان کو ثقۃٌ کبیرٌ مامونٌ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

کتاب المغنی میں ہے کہ عبداللہ بن سلیمان ثقہ ہیں۔ اگرچہ ان کے باپ نے بعض حدیثوں میں ان کی تکذیب کی ہے لیکن اکثر متقدمین نے ان کی توثیق ہی کی ہے ابن شاہین کا بیان ہے کہ ابن ابی داؤد حافظ حدیث تھے۔ نابینا ہو جانے کے بعد منبر پہ بیٹھ جاتے تھے اور منبر کے نچلے درجہ پران کے بیٹے ابومعمر ہاتھ میں کتاب لے کر بیٹھ جاتے تھے۔ ابومعمر بتاتے جاتے تھے کہ فلاں حدیث اور ابن ابی داؤد حافظہ سے اپنے شاگردوں کے سامنے حدیثیں بیان کرتے جاتے تھے۔ ان کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ عمر ابن اللیث (مشہور محدث) کے زمانہ میں بغداد سے ابن ابی داؤد بجستان گئے تو آس پاس کے تمام محدثین جمع ہو کر ان کے پاس پہنچے اور حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی۔ ابن ابی داؤد نے بہت انکار کیا کہ میں اپنے ساتھ

(صفحہ ۳۳۶ کا حاشیہ)

ملہ: اس کے معنی یہ ہیں کہ دین صرف قرآن کے اندر ہی نہیں بلکہ قرآن کی مثل قرآن کے ساتھ ایک اور چیز بھی ہے جسے روایات کہتے ہیں۔

کتاب سے کر نہیں آیا مگر لوگوں نے نہ مانا اور کہا کہ امام ابو داؤد کا بیٹا اور کتاب کا محتاج ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آخرا نہیں حافظہ ہی سے حدیثیں بیان کرنا پڑیں جب یہ بغداد واپس آئے اور اہل بغداد کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ سجستان والوں سے مذاق کر آئے ہیں۔ آخر کچھ کاتبوں کو سجستان بھیجا گیا کہ وہ حدیثیں سجستان سے نقل کر کے لائیں جو ابن ابی داؤد وہاں بیان کر آئے تھے۔ یہ احادیث جب بغداد کے حفاظ حدیث کے سامنے پیش کی گئیں تو انہوں نے صرف چھ حدیثوں میں ان کی تغلیط کی۔

یہ بغداد میں امام العراق کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ عوام اور حکومت میں ان کا بڑا احترام تھا اور مسجد بغداد میں سلطان وقت نے ان کے لئے ایک ممبر نصب کرا دیا تھا جس پر بیٹھ کر یہ حدیثیں بیان فرماتے تھے۔ عراق کے عامہ مشائخ نے ان سے حدیثیں لکھیں اور ان سے تحصیل علم کی لیکن کوئی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکا۔

مصنف کے اس مختصر تعارف کے بعد ہم آپ کو کتاب المصاحف کے جستہ جستہ مقامات سے روشناس کراتے ہیں۔ سنتے جائیے اور سر دھنتے جائیے۔

قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع نہیں کیا بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جمع کرایا

(۱) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ زید بن ثابت سے نقل کرتے ہیں کہ جس سال اہل یمامہ کا قتل ہوا۔ ابوبکرؓ نے مجھے آدمی بھیج کر بلایا۔ وہاں عمرؓ بھی موجود تھے۔ ابوبکرؓ کہنے لگے کہ یہ (عمرؓ) میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ قرآن کے قاریوں کے ساتھ قتل کی گرم بازاری ہوگئی ہے مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی یہی گرم بازاری ہو اور اس طرح قرآن ضائع ہو جائے میری رائے ہے کہ قرآن کو جمع کر لو۔ میں نے عمرؓ سے کہا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ تم کیسے کرتے ہو۔ عمرؓ نے کہا بخدا یہ کام اچھا ہی ہے اور اس بارے میں مجھ سے برابر کہتے رہے حتیٰ کہ جس چیز کے لئے اللہ نے ان کا شرح صدر کر دیا تھا۔

میرا بھی شرح صدر کردیا اور میری رائے بھی وہی ہو گئی جو ان کی تھی۔ ابو بکرؓ مجھ سے کہنے لگے، تم نوجوان اور عقل مند آدمی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھتے رہے ہو۔ ہم تمہیں متہم نہیں سمجھتے لہٰذا تم قرآن کو لکھ لو۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ بخدا اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ لے جانے کو کہتے تو وہ مجھ پر اس کام سے زیادہ دشوار نہ ہوتا۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ کام تم کیسے کرتے ہو۔ ابو بکرؓ اور عمرؓ کہنے لگے کہ بخدا یہ کام اچھا ہی ہے چنانچہ ابو بکرؓ اور عمرؓ برابر مجھ سے کہتے رہے حتیٰ کہ جس امر کے لئے ان دونوں کو شرح صدر ہو چکا تھا مجھے بھی شرح صدر ہو گیا اور وہی میری رائے بھی ہو گئی جو ان دونوں کی رائے تھی چنانچہ لکھنے کے لئے میں نے کاغذ کے ٹکڑوں، کھجور کے پٹھوں، پتھروں کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں (حافظوں) سے تلاش کرنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ ایک آیت جو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا مجھے نہیں ملی یعنی لقد جاءکم رسول من انفسکم (الآیہ) چنانچہ میں نے اس کو ڈھونڈا۔ بالآخر خزیمہ بن ثابتؓ کے پاس ملی اور میں نے اس کو اس کی سورت میں لکھ دیا۔

صدیق اکبرؓ کے زمانے میں قرآن کیونکر جمع کیا گیا

(۲) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عروہ ابن زبیر سے نقل کرتے ہیں کہ جب بہت سے قاری قتل ہو گئے تو ابو بکرؓ کو یہ خوف ہوا کہ اس طرح تو قرآن ہی ضائع ہو جائے گا۔ آخر انہوں نے عمرؓ اور زید ابن ثابتؓ سے کہا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص کتاب اللہ کے متعلق کسی چیز پر دو گواہ پیش کر دے اس کو قرآن میں لکھ لو۔

(۳) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عبد خیر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو کہتے سنا کہ مصاحف کے بارے میں سب سے بڑا ثواب ابو بکرؓ کو

ملے گا۔ اللہ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے۔ وہی پہلے شخص ہیں جس نے قرآن کو لوحین کے درمیان جمع کر دیا۔

قرآن صدیق اکبرؓ نے خود جمع کیا اور حضرت زیدؓ نے نظرثانی فرمائی

(۴) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ سالم اور خارجہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ نے قرآن کو کاغذات میں جمع تو کر لیا تھا مگر زید بن ثابتؓ سے درخواست کی تھی کہ ان کو ایک نظر دیکھ لیں۔ زید ابن ثابتؓ نے اس سے انکار کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے عمرؓ سے مدد چاہی کہ وہ زید بن ثابتؓ کو راضی کرا دیں چنانچہ عمرؓ نے انہیں راضی کرا دیا اور نظرثانی کر دی۔ یہ کتابیں ابوبکرؓ کی وفات تک ان کے پاس رہیں پھر عمرؓ کی وفات تک ان کے پاس رہیں۔ پھر حفصہ اہلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں۔ عثمانؓ نے انہیں منگایا تو حفصہؓ نے ان کو دینے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ عثمانؓ سے عہد لیا کہ وہ انہیں واپس کر دیں گے اور اس شرط کے ساتھ بھیج دیں۔ چنانچہ عثمانؓ نے ان کو مصحفوں میں لکھ کر حفصہؓ کو وہ کتابیں واپس کر دیں اور وہ انہی کے پاس رہیں حتیٰ کہ مروان نے اپنے زمانے میں انہیں لے کر جلا دیا۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایسے اہم واقعہ کے متعلق ایک بیان دوسرے سے کس طرح ٹکراتا جا رہا ہے لیکن بایں ہمہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب کر کے نہیں دیا تھا بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں مرتب ہوا تھا۔ اب ایک قدم اور آگے بڑھیے۔

جمع قرآن کا کام صدیق اکبرؓ نے نہیں بلکہ حضرت عمرؓ نے شروع کیا اور عثمانؓ نے تکمیل کی

(۵) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے نقل کرتے ہیں کہ عمر ابن الخطابؓ نے قرآن کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے لئے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی قرآن حاصل کیا ہو اُسے ہمارے پاس لے آئے۔ لوگوں نے قرآن کو کاغذات

پر، لکڑی کی تختیوں پر اور کھجور کے پٹھوں پر لکھ رکھا تھا اور عمرؓ کسی شخص سے کوئی چیز اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک دو گواہ گواہی نہ دیں۔ اسی اثنائ میں عمرؓ شہید ہوگئے تو عثمان ابن عفانؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے لوگوں سے کہا کہ جس کے پاس کتاب اللہ کا کچھ حصہ ہو وہ ہمارے پاس لے آئے اور یہ بھی اس وقت تک کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے جب تک دو گواہ گواہی نہ دے دیں۔ چنانچہ خزیمہ ابن ثابت آئے اور کہنے لگے کہ میں دیکھ رہا ہوں تم نے دو آیتیں لکھنے سے چھوڑ دی ہیں۔ پوچھا گیا وہ کون سی دو آیتیں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دو آیتیں حاصل کی تھیں "لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم" آخر سورت تک۔ اس پر عثمانؓ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ دونوں آیتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ پھر عثمانؓ نے خزیمہ سے پوچھا "بتاؤ ان آیتوں کو کہاں رکھیں" خزیمہ نے جواب دیا کہ قرآن کی جو سورت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہو اسے ان آیتوں ہی سے ختم کر دو۔ چنانچہ سورۂ براۃ کو ان ہی دو آیتوں سے ختم کر دیا گیا۔

لیجیئے، اب بات یہاں تک پہنچا دی گئی کہ قرآن کو نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرمایا، نہ ہی یہ عہد صدیقی میں مرتب ہوا۔ اس کی ابتداء حضرت عمرؓ نے کی اور وہ بھی اسے ادھورا چھوڑ کر شہید ہوگئے۔ اب آگے بڑھیئے۔

عہد عثمانی میں قرآن میں اختلافات

(۶) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ یزید بن معاویہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ولید بن عقبہ کے زمانے میں مسجد میں اس حلقے میں بیٹھا ہوا تھا جس میں حضرت حذیفہؓ (مشہور صحابی) بھی تشریف فرما تھے۔ مسجد میں اس وقت روکنے والے اور پولیس کے سپاہی وغیرہ موجود نہیں تھے کہ یکایک کسی پکارنے والے نے پکار کر اعلان کیا جو شخص ابو موسیٰ اشعریؓ کی قرأت پر قرآن پڑھتا ہو وہ اس گوشہ کی طرف آجائے جو ابواب کندہ

کے پاس ہے اور جو شخص عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت پر قرآن پڑھتا ہو وہ اس گوشہ کی طرف آجائے جو عبداللہ کے گھر کی طرف ہے اور وہاں دو آدمیوں میں سورۃ بقرہ کی ایک آیت کے بارے میں اختلاف ہوا تھا۔ ایک پڑھتا تھا " واتموا الحج والعمرۃ للبیت " اور دوسرا پڑھتا تھا کہ " واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ " حضرت حذیفہؓ کو غصہ آگیا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ انہوں نے فوراً اپنے کرتہ کو سمیٹ کر بغل میں کیا اور مسجد ہی میں کھڑے ہوگئے۔ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ کا ہے اور فرمانے لگے یا تو امیرالمومنین میرے پاس آئیں یا میں امیرالمومنین کے پاس جاؤں (تو میں اس کے متعلق ان سے کہوں) کیونکہ تم سے پہلی امتوں نے بھی یہی کچھ کیا تھا۔ پھر آگے بڑھ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا انہوں نے مومنین کو ساتھ لے کر منکرین سے قتال کیا حتیٰ کہ اللہ نے اپنے دین کو غالب کر دیا پھر اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھالیا تو لوگوں نے بے لگام گھوڑے کی طرح ہر طرف دوڑ لگانی شروع کر دی۔ پھر اللہ نے عمرؓ کو خلیفہ بنایا تو وہ اسلام کے عین وسط میں اترے (اور اس کو اعتدال پر قائم کرنا چاہا) پھر اللہ نے ان کو بھی اٹھالیا تو لوگوں نے پھر منہ زور گھوڑے کی طرح ہر طرف جادہ پیمائی شروع کر دی۔ اس کے بعد اللہ نے عثمانؓ کو خلیفہ بنایا اور اللہ کی قسم وہ وقت قریب ہے کہ لوگ اسلام میں وہ جادہ پیمائی کریں جو اپنی تمام پچھلی جادہ پیمائیوں کو پیچھے چھوڑ جائے۔

زید بن ثابتؓ کے انتخاب پر عبداللہ بن مسعودؓ کی ناگواری

(۷) امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے نقل کرتے ہیں کہ جب (عثمانؓ نے اپنے مرتب کردہ قرآن کے علاوہ) باقی تمام مصاحف کو پھاڑ ڈالنے کا حکم دیا تو عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا " لوگو، اپنے قرآنوں کو پھاڑ لو۔ کیونکہ جو شخص کچھ چھپا کر رکھے گا قیامت کے روز اسے اپنے ساتھ لے کر آئے گا اور بہترین چھپانے

کی چیز قرآن ہی ہے جسے تم میں سے کوئی قیامت کے روز اپنے ساتھ لے کر آئے۔

(۸) نیز امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے زید ابن ثابت کے لئے قرآن لکھنے کو ناپسند کیا اور کہنے لگے " اے مسلمانوں کی جماعت ' مجھے تو قرآن لکھنے کے کام سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے اور اس کی ذمہ داری ایک ایسے شخص نے لی ہے کہ بخدا میں اسلام لایا تو وہ ابھی اپنے کافر باپ کی صلب میں موجود تھا (یعنی پیدا بھی نہیں ہوا تھا)۔

غور فرمایا آپ نے کہ جمع قرآن کی مذعومہ کوششوں کے سلسلہ میں صحابہؓ کا ردعمل کیا بتایا جارہا ہے اور ان کے باہمی تعلقات کو کس رنگ میں پیش کیا جارہا ہے۔

(۹) نیز امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ زر بن جیش سے نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا " میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر سے اوپر سورتیں پڑھی ہیں اور زید بن ثابت ابھی بچے تھے جن کے سر پہ دو زلفیں لہراتی رہا کرتی تھیں (ب/۹) نیز شقیق سے نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا " من یغلل یأت بما غل یوم القیمۃ ' عثمانؓ مجھے کس کی قرأت پر قرآن پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سے اوپر سورتیں پڑھی ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جانتے ہیں کہ میں ان میں کتاب اللہ کا سب سے بڑا جاننے والا ہوں اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جانتا ہے تو میں سفر کر کے بھی اس کے پاس جاتا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمع قرآن

(۱۰) نیز امام ابن ابی داؤد ابن شہاب زہری کی اسی روایت کو نقل کرنے کے بعد جو ۱ میں گزر چکی ہے ابن شہاب زہری ہی کی روایت سے انس ابن مالک انصاری سے یہ اضافہ نقل کرتے ہیں کہ آذر بائیجان اور آرمینیہ کے غزوہ میں اہل شام اور اہل عراق جمع ہوئے اور آپس میں

انہوں نے ایک دوسرے کو قرآن سنایا تو اس میں بڑا اختلاف ہوا اور قریب ہو گیا کہ ان میں کوئی فتنہ برپا ہو جائے۔ جب حذیفہ ابن الیمان نے قرآن کے بارے میں ان کے یہ اختلافات دیکھے تو وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ لوگ قرآن کے بارے میں بڑا اختلاف کر رہے ہیں حتیٰ کہ بخدا مجھے یہ اندیشہ ہو رہا ہے کہ وہ بھی اسی اختلاف میں مبتلا نہ ہو جائیں جس میں یہود اور نصاریٰ مبتلا ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ بہت گھبرائے اور انہوں نے حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیج کر وہ صحیفہ نکلوایا جو ابو بکرؓ کے حکم سے زید بن ثابتؓ نے جمع کیا تھا اور اس سے کئی مصحف لکھوائے اور ان کو ملک کے گوشوں گوشوں میں بھیج دیا۔ جب مروان مدینہ کا امیر ہوا تو اس نے حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیج کر وہ صحیفے منگوائے تاکہ

مروان نے حضرت حفصہؓ کے صحیفے جلا دیئے

انہیں جلا دے۔ اُسے یہ اندیشہ تھا کہ لکھنے والے ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنے لگیں مگر حضرت حفصہؓ نے انکار کر دیا۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے سالم بن عبداللہ نے بیان کیا کہ جب حضرت حفصہؓ کا انتقال ہوا تو مروان نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس سختی کے ساتھ کہلا کر بھیجا کہ ان صحیفوں کو اس کے پاس بھیج دیں چنانچہ جونہی لوگ حضرت حفصہؓ کے جنازے سے فارغ ہو کر لوٹے عبداللہ ابن عمرؓ نے وہ صحیفے مروان کے پاس بھیج دیئے۔ مروان نے ان کو الگ الگ کر کے جلا دیا اس اندیشہ سے کہ ان صحیفوں میں کوئی چیز اس کے خلاف نہ ہو جو حضرت عثمانؓ نے لکھا تھا۔

عہدِ عثمانؓ میں قرآن کیسے جمع کیا گیا

(۱۱) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ ایوب سے اور وہ ابو قلابہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ایک معلم کسی شخص کی قرأت کے مطابق تعلیم دیتا تھا اور دوسرا معلم دوسرے شخص کی قرأت کے مطابق سنبچے قرآن پڑھتے اور آپس میں اختلافات کرتے۔ حتیٰ کہ یہ اختلافات معلمین تک بلند ہو گئے اور لوگوں نے ایک دوسرے کی قرأت پر تکفیر تک شروع

کر دی۔ حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خطبہ دیا اور کہا " تم لوگ میرے پاس ہوتے ہوئے بھی قرآن میں اختلاف کرتے ہو اور دوسروں کی تغلیط کرتے ہو، جو لوگ دوسرے شہروں میں مجھ سے دور ہیں ان کی غلطیاں اور اختلافات تو اور بھی سخت ہیں۔ اے اصحاب محمدؐ، اتفاق سے کام لو اور لوگوں کے لئے ایک (متفقہ) امام (کتاب اللہ) لکھ دو۔ ابوقلابہ کہتے ہیں کہ مجھ سے مالک بن انسؒ نے بیان کیا (یہ امام مالک بن انسؒ کے دادا ہیں) کہ میں ان لوگوں میں شریک تھا جنہوں نے ان کو قرآن لکھوایا۔ اکثر کسی آیت کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا۔ اور کوئی ایسا آدمی یاد آجاتا تھا جس نے اس آیت کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا اور بعض مرتبہ وہ شخص موجود نہیں ہوتا تھا یا کسی دیہات میں ہوتا تھا تو اس سے آگے اور پیچھے کی آیتیں لکھ لیتے تھے اور اس آیت کی جگہ چھوڑ دیتے تھے حتیٰ کہ وہ شخص خود آجاتا یا اس کو بلوا لیا جاتا تھا (اور اس سے پوچھ کر وہ آیت لکھ لی جاتی تھی) جب مصحف لکھنے سے فراغت ہو گئی تو حضرت عثمانؓ نے تمام شہروں میں لکھ دیا کہ میں نے ایسا ایسا کام کیا ہے اور جو کچھ میرے پاس تھا میں نے اس کو مٹا دیا ہے لہٰذا جو کچھ (اس قرآن کے خلاف) تمہارے پاس ہو، تم بھی اس کو مٹا دو۔

(۲) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ مصعب ابن سعد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے جدا ہوئے ابھی تیرہ سال ہی گزرے ہیں مگر تم قرآن میں شک کرنے لگے ہو۔ کہتے ہو کہ یہ ابی (بن کعبؓ) کی قرأت ہے اور وہ عبداللہ (بن مسعودؓ) کی قرأت ہے۔ اللہ کی قسم تم اپنی قرأت ٹھیک نہیں پڑھتے لہٰذا میں تم میں سے ہر شخص پر لازم کرتا ہوں کہ جس کے پاس بھی کتاب اللہ میں سے کوئی چیز ہو وہ بالضرور اسے میرے پاس لے آئے۔ چنانچہ کوئی کاغذ کا ورق لے کر آتا کوئی چمڑے کا ٹکڑا لے کر آتا جس میں قرآن

لکھا ہوا ہوتا، حتیٰ کہ اس طرح بہت کچھ جمع ہوگیا۔ پھر حضرت عثمانؓ اندر آ گئے اور ایک ایک آدمی کو بلا بلا کر قسم دے دے کر انہوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کیا تم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں یہ کچھ لکھوایا تھا؟ وہ شخص اقرار کرتا۔ حضرت عثمانؓ اس سے فارغ ہو گئے تو لوگوں سے پوچھا، تم میں سے بہترین کاتب کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب زید بن ثابتؓ۔ پھر انہوں نے پوچھا تم میں لغت عربی کا بہترین ماہر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سعید بن العاصؓ۔ تو حضرت عثمانؓ نے کہا ٹھیک ہے۔ سعید لکھوائیں اور زید لکھتے جائیں چنانچہ زید ابن ثابتؓ نے قرآن لکھا اور کئی قرآن لکھے اور ان قرآنوں کو عثمانؓ نے لوگوں میں پھیلا دیا۔ ابو قلابہ کہتے ہیں کہ میں نے بعض اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ عثمانؓ نے بہت اچھا کام کیا۔

(۱۳) امام ابن ابی داؤدؒ اپنی دوسری سند سے مصعب ابن سعد ہی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ابی (ابن کعبؓ) اور عبداللہ (بن مسعودؓ) اور معاذ (ابن جبلؓ) کی قرأت کو سنا تو لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: ابھی تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو پندرہ سال ہوئے ہیں اور تم قرآن میں اختلاف کرنے لگے ہو۔ میں ہر شخص پر لازم کرتا ہوں کہ جس کے پاس بھی قرآن میں سے کچھ ہو، جسے اس نے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، اُسے میرے پاس لے آئے۔ چنانچہ لوگ لکڑی کی تختیاں، ہڈی کے ٹکڑے کھجور کی چھالیں، جن میں قرآن لکھا ہوا تھا، لانے لگے۔ جو شخص لے کر آتا، اس سے حضرت عثمانؓ پوچھ لیتے کہ کیا اس نے یہ کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ پھر انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے فصیح ترین شخص کون ہے؟ لوگوں نے سعید بن العاص کا نام لیا۔ پھر پوچھا کہ بہترین ماہر کتابت کون ہے؟ لوگوں نے زید بن ثابت کا نام لیا۔ آپ نے فرمایا اچھا زید لکھیں اور سعید لکھوائیں۔ چنانچہ کئی مصحف لکھے گئے اور ان کو مختلف شہروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مصعب بن سعد کہتے ہیں کہ میں

نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے عثمانؓ کے اس فعل پہ عیب چینی کی ہو۔

(۱۴) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ محمد (ابن ابیؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ لوگ قرآن پڑھتے تھے اور نوبت یہاں تک آگئی تھی کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو کہتا تھا کہ جو کچھ تو پڑھتا ہے اس سے تو کافر ہو گیا۔ اس کی اطلاع عثمان بن عفانؓ کو کی گئی تو ان کے دل پہ بڑی گرانی ہوئی اور انہوں نے قریش اور انصار کے بارہ آدمیوں کو جمع کیا جن میں ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابت بھی تھے اور ان سب کو اس صحن میں اکٹھا کر دیا جو حضرتِ عمرؓ کے مکان میں تھا۔ اسی مکان میں قرآن رہتا تھا۔ حضرت عثمانؓ بھی ان لوگوں کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ محمد (ابن ابیؓ) کہتے ہیں کہ مجھ سے کثیر ابن افلح نے بیان کیا جو ان لوگوں کے لئے قرآن لکھنے والوں میں سے ایک تھے کہ اکثر ان بارہ آدمیوں میں اختلاف ہو جاتا تھا تو اس اختلافی آیت کو وہ موخر کر دیا کرتے تھے۔ محمد کہتے ہیں کہ میں نے کثیر سے پوچھا کہ تم لوگ اس کو مؤخر کیوں کر دیا کرتے تھے تو انہوں نے بتایا کہ یہ مجھے معلوم نہیں۔ محمد کہتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں ایک گمان بنایا ہے تم لوگ اسے یقین نہ بنا لینا۔ میرا گمان یہ ہے کہ جب ان میں کسی آیت کے متعلق اختلاف ہوتا تھا تو وہ اسے اس لئے مؤخر کر دیتے تھے کہ دیکھیں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے آخری دور میں شریک رہا ہو تو اس آیت کو اس کے قول کے مطابق لکھ لیں۔

قرآن کی ترتیب حضرت عثمانؓ نے قائم کی تھی

(۱۵) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عثمانؓ سے کہا کہ تم نے سورہ انفال کو جو مثانی میں سے ہے سورہ برأت کے ساتھ کیوں رکھ دیا حالانکہ وہ مئین میں سے ہے اور پھر ان دونوں کو سبع طوال میں رکھ دیا ہے۔ ایسا تم نے کیوں کیا عثمانؓ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ مختلف زمانوں میں مختلف عدد والی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ جب آپ پر کچھ وحی نازل ہوتی تو کسی کاتب کو آپ بلا کر فرما

دیتے کہ اس آیت کو ایسی ایسی سورت میں رکھ دو جس میں ایسا ایسا تذکرہ آیا ہے۔ سورۂ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو ابتداً مدینہ میں نازل ہوئیں اور سورۂ برأت بالکل آخر میں نازل ہوئی ہے مگر دونوں کا قصہ ایک سا ہے۔ مجھے خیال گزرا کہ سورۂ برأت سورۂ انفال ہی کا حصہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا اور ہمیں آپ نے یہ بتایا نہیں کہ آیا واقعی یہ اسی کا حصہ ہے بھی یا نہیں۔ اسی وجہ سے میں نے دونوں کو یکے بعد دیگرے لکھ دیا ہے اور دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سطر نہیں لکھی اور دونوں کو سبع طوال میں رکھ دیا۔

یہاں تک یہ کہا گیا ہے کہ قرآن حضرت عثمانؓ کے عہد میں مرتب ہوا لیکن یہ قرآن کس قسم کا تھا اس کی بابت بھی سُن لیجیے۔

قرآن میں غلطیاں رہ گئیں

(۱۶) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر قرشی سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ مصحف سے فارغ ہوگئے اور انہوں نے اسے دیکھا تو فرمایا تم لوگوں نے بہت اچھا کیا اور خوب کیا مگر اس میں کچھ غلطیاں مجھے نظر آتی ہیں جنہیں عرب لوگ اپنی زبانوں سے ٹھیک کر لیں گے۔

لیجئے۔ قرآن عہدِ عثمانی میں مرتب تو ہوا لیکن اس میں بھی غلطیاں رہ گئیں۔ ان غلطیوں کو حضرت عثمانؓ نے درست نہیں کیا بلکہ علیٰ حالہ رہنے دیا کہ عرب خود اپنی زبان سے درست کر لیں گے اور آگے بڑھیئے۔

(۱۷) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عکرمہ طائی سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کے پاس مصحف لایا گیا تو اس میں انہیں کچھ غلطیاں نظر آئیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اگر لکھنے والا بنو ہذیل کا اور لکھنے والا بنو ثقیف کا کوئی آدمی ہوتا تو اس میں یہ غلطیاں نہ پائی جاتیں۔

(۱۸) سعید ابن جبیر سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قرآن میں چار حرف غلط ہیں

۱۔ الصائبون (۶۹/۵) ۲۔ والمقیمین (۱۶۲/۴) ۳۔ فاصّدّق واکن من الصلحین (۱۰/۶۳) اور ۴۔ ان ھذان لساحران ۲۰/۶۳

(۱۹) زبیر ابوخالد کہتے ہیں کہ میں نے ابان بن عثمان سے پوچھا کہ آیت والراسخون فی العلم منھم والمومنون یومنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك والمقیمین الصلوٰۃ والمؤتون الزکوٰۃ (الآیہ) کیسے ہو گیا۔ آگے اور پیچھے رفع لایا گیا ہے اور المقیمین پر نصب ہے۔ ابانؒ نے جواب دیا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ پچھلا حصہ لکھ چکا تھا۔ اس نے پوچھا آگے کیا لکھوں۔ لکھوانے والے نے کہا المقیمین الصلوٰۃ لکھو۔ اس سے جو کچھ کہا گیا لکھ دیا۔

(۲۰) عروہ کہتے ہیں کہ قرآن کی غلطیوں کے متعلق میں نے حضرتِ عائشہؓ سے پوچھا ان ھذان لساحران اور والمقیمین الصلوٰۃ والموتون الزکوٰۃ۔ اور والذین ھادوا والصابئون کے متعلق سوال تھا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا "بھتیجے، یہ کاتبوں کا کام ہے کہ انہوں نے لکھنے میں غلطی کر ڈالی۔

(۲۱) خالد ابن ایاس بن صخر

حضرتِ عثمانؓ نے جو مصاحف لکھوائے ان میں سے مدینہ منورہ کے تمام مصاحف خود امام یعنی ان کے مصحف سے مختلف تھے

بن ابی الجہم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عثمان ابن عفانؓ کے مصحف کو پڑھا ہے اور انہوں نے ان کے مصحف کو اہلِ مدینہ کے مصحفوں سے بارہ حرفوں میں مختلف پایا ہے (آگے ان اختلافات کی تفصیل لکھ دی گئی ہے) جو اس نقشہ میں واضح کر دیئے گئے ہیں۔

نمبر شمار	امام (یعنی مصحف عثمانؓ)	مصاحف اہل مدینہ
۱	ووصّٰی بہا ابرٰھیم	واوصّٰی بہا ابراھیم
۲	وسارعوا الی مغفرۃ	سارعوا الی مغفرۃ
۳	ویقول الذین اٰمنو	یقول الذین اٰمنو
۴	یا ایھا الذین اٰمنوا من یرتدّ منکم	یا ایھا الذین اٰمنو من یرتدد منکم
۵	والذین اتخذوا مسجدا	الذین اتخذوا مسجدا
۶	لاجدن خیرا منہا منقلبا	لاجدن خیرا منہما منقلبا
۷	وتوکل علی العزیز الرحیم	توکل علی العزیز الرحیم
۸	اوان یظھر فی الارض الفساد	وان یظھر فی الارض الفساد
۹	من مصیبۃ فبما کسبت	من مصیبۃ بما کسبت
۱۰	وفیہا ما تشتھی الانفس	وفیہا ما تشتھیہ الانفس
۱۱	فان اللہ ھو الغنی الحمید	فان اللہ الغنی الحمید
۱۲	ولا یخاف عقبٰہا	لا یخاف عقبٰہا

مختلف شہروں کے لئے جو مصحف لکھے گئے تھے ان میں باہمی اختلاف تھا

(۲۲) اس کے بعد امام ابن ابی داؤد نے ایک مستقل باب میں اپنی سندوں کے ساتھ وہ اختلافات نقل کیے ہیں جو ان مصاحف میں موجود تھے جو مختلف شہروں کے لئے لکھے گئے تھے۔ یہ باب کافی طویل ہے۔ بہ نظر اختصار ان اختلافات کو بھی ہم ایک نقشہ سے ظاہر کیے دیتے ہیں جس سے آپ کو معلوم ہو سکے گا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کے لئے جو مختلف مصاحف لکھوائے تھے اور جن کا مقصد ہی یہ تھا کہ مصاحف کے اختلافات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم

کر دیا جائے وہ مقصد بھی پورا نہ ہو سکا اور ان تمام کوششوں کے باوجود مختلف شہروں کے مصاحف میں کافی اختلافات باقی رہ گئے۔

نمبر شمار	آیت	مصحف	آیت	مصحف
۱	واوصٰی بہا ابراھیم (۲/۱۳۲)	مدینہ	ووصّٰی بہا	کوفہ و بصرہ
۲	سارعوا الی مغفرۃ من ربکم ۳/۱۳۳	〃	وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم	〃
۳	من یرتدد (۵/۵۴)	〃	من یرتدّ	〃
۴	لئن انجیتنا ۶/۶۳	مدینہ و بصرہ	لئن انجانا	کوفہ
۵	الذین اتخذوا مسجدا ضرارا ۹/۱۰۷	مدینہ	والذین اتخذوا مسجدا	کوفہ و بصرہ
۶	خیرا منہما منقلبا ۱۸/۳۶	〃	خیرا منہما منقلبا	〃
۷	فتوکل ۲۶/۲۱۷	〃	وتوکل	〃
۸	وان یظہر فی الارض ۴۰/۲۶	〃	او ان یظہر	〃
۹	وما اصابکم من مصیبۃ بما کسبت ۴۲/۳۰	مدینہ	فبما کسبت	〃
۱۰	فیہا ما تشتہیہ الانفس ۴۳/۷۱	〃	ما تشتہی الانفس	〃
۱۱	ومن یتول فان اللہ الغنی الحمید ۵۷/۲۴	〃	فان اللہ ھو الغنی الحمید	〃
۱۲	فلا یخاف عقبہا ۹۱/۱۵	〃	ولا یخاف	〃
۱۳	قل ربی یعلم ۲۱/۴	مدینہ و بصرہ	قال ربی یعلم	کوفہ
۱۴	قل انما ادعو ربی ۷۲/۲۰	〃	قال انما ادعو ربی	〃
۱۵	للہ، للہ، للہ ۲۳/۸۵-۸۷-۸۹	مدینہ و کوفہ	للہ اللہ۔ اللہ	بصرہ
۱۶	ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا (۴۶/۱۵)	کوفہ	ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا	مدینہ و بصرہ
۱۷	وما عملت ۳۶/۲۵	〃	وما عملتہ ایدیہم	〃

نمبر شمار	آیت	مصحف	آیت	مصحف
۱۸	فهل ينظرون الا الساعة ان تأتيهم بغتة (۴۷/۱۸)	مکہ و کوفہ	ان تاتيهم	مدینہ و بصرہ
۱۹	وسيعلم الكافر (۱۳/ ۴۲)	مدینہ	وسيعلم الكفار	عراق
۲۰	جاءو البينات وبالزبر (۳/۱۸۴)	شام و حجاز	جاءو بالبينات والزبر	″
۲۱	ما فعلوه الا قليلا ۴/۶۶	شام	ما فعلوه الا قليل	″
۲۲	زين لكثير من المشركين قتل اولادهم شركائهم ۶/۱۳۷	شام و حجاز	زين لكثير من المشركين قتل اولادهم شركائهم	″
۲۳	واذ انجاكم من آل فرعون ۷/۱۴۱	″	واذ انجينكم	″
۲۴	ثم كيدون فلا تنظرون ۷/۱۹۵		ثم كيدون	″
۲۵	ما كان للنبي ۴/۹۴	شام	ما كان لنبي	″
۲۶	هو الذي ينشركم في البر والبحر ۱۰/۲۲	″	هو الذي يسيركم	″
۲۷	كانوا هم اشد منكم ۴۰/۲۱	شام و حجاز	كانوا هم اشد منهم	″
۲۸	والحب ذا العصف ۵۵/۱۲	″	والحب ذو العصف	″
۲۹	تبارك اسم ربك ذو الجلال ۵۵/۷۸	″	ذي الجلال	″
۳۰	وكل وعد الله الحسنى ۵۷/۱۰	″	وكلا وعد الله الحسنى	″
۳۱	فامنوا بالله ورسوله ۴/۱۷۱	مکہ	ورسله	بصرہ
۳۲	تجري من تحتها الانهر ۹/۱۰۰	″	تجري تحتها الانهر	″
۳۳	وما عملت ايديهم ۳۶/۳۵	کوفہ	وما عملته ايديهم	″
۳۴	ولئن انجانا من هذه ۶/۶۳	″	ولئن انجيتنا	″
۳۵	قال سبحن ربي ۱۷/۹۳		قل سبحن ربي	″
۳۶	قال ربي يعلم القول في اسماء ۲۱/۴	″	قل ربي يعلم القول في السماء	″
۳۷	قال رب احكم بالحق	″	قل رب احكم بالحق	″

نوٹ :- فہرست طویل ہوجانے کے خوف سے واو ، فاء ، اَوْ وغیرہ کے اختلافات کو ہم نے قصداً نظرانداز کردیا ہے۔

- حجاج ابن یوسف نے مصحفِ عثمانی میں گیارہ موقعوں پر تبدیلی کی

(۲۳) امام ابن ابی داؤد نے اپنی سند کے ساتھ عوف ابن ابی جمیلہ سے (ص۴۹ صـ۱۱۷) میں نقل کیا ہے کہ حجاج ابن یوسف ثقفی نے اپنے زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں گیارہ جگہ پر تبدیلیاں کیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

نمبر شمار	مصحف عثمانی		حجاج ابن یوسف کی تبدیلی
۰۱	لم یتسن وانظر	۲/۲۵۹	لم یتسنّہ وانظر
۰۲	شریعة ومنهاجا	۵/۴۸	شرعة ومنهاجا
۰۳	هوالذی ینشرکم	۱۰/۲۲	هوالذی یسیّرکم
۰۴	انا اٰتیکم بتاویله	۱۲/۴۵	انا انبّئکم بتاویله
۰۵	سیقولون لله لله لله	۲۳/۸۵، ۸۷، ۸۹	سیقولون لله الله الله
۰۶	من المخرجین	۲۶/۱۱۶	من المرجومین
۰۷	من المرجومین	۲۶/۱۶۷	من المخرجین
۰۸	نحن قسمنا بینهم معایشهم	۴۳/۳۲	معیشتهم
۰۹	من ماء غیر یاسن		من ماء غیر اٰسن
۱۰	فالذین اٰمنوا منکم واتّقوا (۵۷/۷)		فالذین اٰمنوا منکم وانفقوا
۱۱	وماهو علی الغیب بظنین ۸۱/۲۴		وماهو علی الغیب بضنین

کبار صحابہؓ کے مصاحف ایک دوسرے سے مختلف تھے

اس کے بعد امام ابن داؤدؒ نے ایک مستقل باب میں متعدد مختلف سندوں کے ساتھ بڑے بڑے صحابہ کے مصاحف کے باہمی اختلافات واضح کئے ہیں جو روایات کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں۔ ان تمام روایتوں کو بیان کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ روایات کو دیکھنے کے لئے آپ خود کتاب المصاحف ملاحظہ فرمائیے یہاں ہم مختصراً صرف اختلافات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

مصحف عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف فاروقی میں
۱	صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین (۱/۷)	صراط من انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم وغیر الضالین
۲	آ لمٓ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ۳/۱	الم اللہ لا الہ الا ھو الحی القیام
۳	فی جنت یتساءلون عن المجرمین ماسلککم فی سقر ۴۲/۴۲-۴۰	فی جنات یتساءلون یا فلان ما سلکک فی سقر

مصحف علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف حیدری میں
۱	اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون	اٰمن الرسول بما انزل علیہ وآمن المومنون

مصحف ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف ابی بن کعبؓ میں
۱۔	واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسٰفحین ط فاستمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ (۴/۲۴)	. . . . فما استمتعتم بہ منھن الی اجل مسمّٰی فاتوھن اجورھن فریضۃ ط[ا]
۲۔	للذین یؤلون من نسائھم تربّص اربعۃ اشھر ۲/۲۲۶	للذین یقسمون تربص اربعۃ اشھر
۳	فلاجناح علیہ ان یطوّف بھما ۲/۱۵۸	فلاجناح علیہ ان لا یطوف بھما
۴	فمن لم یجد فصیام ثلٰثۃ ایام ط ذالک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم ۵/۸۹	فمن لم یجد فصیام ثلٰثۃ ایام متتابعات فی کفارۃ الیمین

مصحف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ ابن مسعودؓ میں
۱۔	ان اللہ لا یظلم مثقال ذرہ ۴/۴۰	ان اللہ لا یظلم مثقال نملۃ

[ا]: آئندہ آپ دیکھیں گے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے مصحف میں بھی اسی طرح ہے۔ معلوم نہیں ہمارا مُلّا شیعوں کے متعہ نکاح سے اس قدر ناراض کیوں ہے جبکہ اس کی روایات کے مطابق متعہ کا جواز خود قرآن سے ثابت ہے اور وہ بھی دو دو جلیل القدر صحابیوں کے قرآن سے۔

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ ابن مسعودؓ میں
۲	يمريم اقنتى لربك واسجدى واركعى مع الراكعين (۳/۴۳)	يمريم اقنتى لربك واركعى واسجدى مع الساجدين
۳	ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم ط (۲/۱۹۸)	(۱) ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم فى مواسم الحج (۲) لاجناح عليكم ان تبتغوا فضلا من ربكم فى مواسم الحج فابتغوا حينئذ
۴	بل يداه مبسوطتان ۵/۶۴	بل يداه بسطان
۵	وتزودوا فان خير الزاد التقوىٰ (۲/۱۹۸)	وتزودوا وخير الزاد التقوىٰ
۶	من بقلها وقثائها وفومها وعدسها ۲/۶۱	من بقلها وقثائها وثومها وعدسها
۷	والعصر ان الانسان لفى خسر الا الذين آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر ۱۰۳/ ۳-۱	والعصر ان الانسان لفى خسر وانه فيه الى آخر الدهر الا الذين آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالصبر
۸	اولئك لهم نصيب مما كسبوا ۲/۲۰۲	اولئك لهم نصيب ما اكتسبوا
۹	ولكل وجهة هو موليها ۲/۱۴۸	ولكل جعلنا قبلة يرضونها
۱۰	واتموا الحج والعمرة لله ۲/۱۹۶	واقيموا الحج والعمرة للبيت
۱۱	وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره ۲/۱۴۴	وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم قبله

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ ابن مسعودؓ میں
۱۲	ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها	ولا تخافت بصوتك ولا تعال به
۱۳	فازلهما الشيطن عنها فاخرجهما مما كانا فيه (۲/۳۶)	فوسوس الشيطن عنها فاخرجهما مما كانا فيه
۱۴	ولا يقبل منها شفاعة ۲/۴۸	لا يوخذ منها شفاعة
۱۵	ان البقر تشابه علينا ۲/۷۰	ان البقر متشابه
۱۶	وان يأتوكم أسرى تفدوهم ۲/۸۵	وان يوخذوا تفدوهم
۱۷	واذ يرفع ابراهيم القواعد من البيت واسمعيل ربنا تقبل منا ۲/۱۲۷	واذ يرفع ابراهيم القواعد من البيت واسمعيل يقولان ربنا تقبل منا
۱۸	واذ اخذنا ميثاق بنى اسرائيل	. . . .
	لا تعبدون الا الله ۲/۸۳	لا يعبدون الا الله
۱۹	ثم توليتم الا قليلا منكم ۲/۸۲	ثم تولوا الا قليلا منهم
۲۰	ومن تطوع خيرا ۲/۸۵	فمن تطوع خيرا
۲۱	ليس البر ان تولوا وجوهكم ۲/۱۷۷	لا تحسبن ان البر
۲۲	هل ينظرون الا ان يأتيهم الله	. . . .
	فى ظلل من الغمام والملئكة ۲/۲۱۰	والملئكة فى ظلل من الغمام
۲۳	الا ان يخافا الا يقيما حدود الله ۲/۲۲۹	. . يخافوا . . . .
۲۴	وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن ۲/۲۳۷	. . . .
		تجامعوهن
۲۵	قال اعلم ان الله على كل شئ قدير ۲/۲۵۹	قيل . . . .
۲۶	ما ننسخ من اية او ننسها ۲/۱۰۶	ما ننسك من اية او ننسخها

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ ابن مسعودؓ میں
۲۷	یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ ۲/۲۱۷	.... عن قتال فیہ
۲۸	لمن اراد ان یتم الرضاعۃ ۲/۲۳۳	... یکمل الرضاعۃ
۲۹	حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی ۲/۲۳۸	.... وعلی الصلوۃ الوسطی
۳۰	فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج ۲/۱۹۷	فلا رفثٌ ولا فسوقٌ ولا جدالٌ فی الحج
۳۱	اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ۳/۲	.... الحی القیام
۳۲	وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ ۳/۷	وان حقیقۃ تاویلہ الا عند اللّٰہ
۳۳	ویقتلون الذین یامرون بالقسط ۳/۲	وقاتلوا الذی ....
۳۴	فنادتہ الملئکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب ان اللّٰہ یبشرک بیحیی ۳/۳۹	ونادٰہ الملئکۃ یا زکریا ان اللّٰہ یبشرک بیحیی
۳۵	فاما الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت فیوفیھما اجورھم ۳/۵۷	.... فاوفیھم اجورھم
۳۶	ومن اھل الکتب من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک ومنھم من ان تامنہ بدینار لا یؤدہ الیک ۳/۷۵	.... بقنطار .... یوفہ الیک .... لا یوفہ الیک
۳۷	اذ قالت الملئکۃ یمریم ان اللّٰہ یبشرک ۳/۴۵	.... لیبشرک
۳۸	ویعلمہ الکتب والحکمۃ ۳/۴۸	ونعلمہ ....
۳۹	واللّٰہ بما تعملون بصیر ۳/۱۵۶	واللّٰہ بصیر بما یعملون

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ ابن مسعودؓ میں
۴۰	وان اللہ لا یضیع اجر المومنین ۳/۱۷۱	واللہ لا یضیع اجر المومنین
۴۱	ونقول ذوقوا عذاب الحریق ۳/۱۸۱	ویقال لھم ذوقوا عذاب الحریق
۴۲	ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا ۶ وسیصلون سعیرا ہ ۴/۱۰	ومن یاکل اموال الیتامٰی ظلما فانما یاکل فی بطنہ نارا وسوف یصلی سعیرا ہ
۴۳	او یغلب فسوف نؤتیہ اجرا عظیما ۴/۷۴	او یغلب نؤتہ . . . . . .
۴۴	فاذا برزوا من عندک بیّت طائفۃ منھم ۴/۸۱	. . . . بیّت مبیت منھم
۴۵	وسوف یؤت اللہ المومنین اجرا عظیما ۴/۱۴۶	وسیوتی اللہ المومنین . . . .
۴۶	فسوف نؤتیہ اجرا عظیما ۴/۱۱۴	فسیؤتیہ اجرًا عظیما
۴۷	اولئک سوف یوتیھم اجورھم ط وکان اللہ غفورا رحیما ۴/۱۵۲	اولئک سنؤتیھم اجورھم وقد انزل علیکم فی الکتاب وکان اللہ غفورا رحیما
۴۸	قال اللہ انی منزلھا علیکم ۵/۱۱۵	قال سأنزلھا علیکم
۴۹	ان تعذبھم فانھم عبادک	ان تعذبھم فعبادک
۵۰	ثم لم تکن فتنتھم الا ان قالوا ۶/۲۳	ماکان فتنتھم الا ان قالوا
۵۱	حتی اذا جاء احدکم الموت توفتہ رسلنا ۶/۶۱	. . . . . . الموت یتوفاہ رسلنا
۵۲	ان الحکم الا للہ ط یقص الحق ۶/۵۷	. . . . . . یقضی بالحق
۵۳	کالذی استھوتہ الشیطین ۶/۷۱	کالذی استھویہ الشیطن
۵۴	لقد تقطع بینکم وضل عنکم ۶/۹۴	لقد تقطّع ما بینکم . . .
۵۵	کانما یصعد فی السماء ۶/۱۲۵	کانما یتصعّد فی السماء

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں		مصحف عبداللہ ابن مسعودؓ میں
۵۶	ولیقولوا درست	۶/۱۰۵	لیقولوا درس
۵۷	ان هذا صراطی مستقیما	۶/۱۵۳	وهذا سراطی مستقیما
۵۸	قالوا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا	۷/۲۳	قالوا ربنا الا تغفرلنا وترحمنا
۵۹	اتذر موسی وقومه لیفسدوا فی الارض ویذرك والهتك	۷/۱۲۷	.... لیفسدوا فی الارض وقد ترکوك ان یعبدوك والهتك
۶۰	والذین یمسکون بالکتب	۷/۱۷۰	ان الذین استمسکوا بالکتاب
۶۱	وان الله مع المومنین	۸/۱۹	والله مع المؤمنین
۶۲	ولا یحسبن الذین کفروا سبقوا	۸/۵۹	ولا یحسب الذین کفروا سبقوا
۶۳	وما منعهم ان تقبل منهم نفقتهم	۹/۵۴	.... ان تتقبل منهم نفقتهم
۶۴	قل اذن خیر لکم یؤمن بالله	۹/۶۱	قل اذن خیر ورحمة لکم یومن بالله
۶۵	الا ان تقطع قلوبهم	۹/۱۱۰	ولو قطعت قلوبهم
۶۶	اولا یرون انهم یفتنون	۹/۱۲۶	اولم تروا انهم یفتنون
۶۷	من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منهم	۹/۱۱۷	من بعد ما زاغت قلوب طائفة منهم
۶۸	حتی اذا کنتم فی الفلك وجرین بهم	۱۰/۲۲	.... وجرین بکم
۶۹	ولقد ارسلنا نوحا الی قومه انی لکم نذیر مبین	۱۱/۲۵	.... قومه فقال یقوم .. ....
۷۰	ان کنت علی بینة من ربی واتنی رحمة من عنده فعمیت علیکم	۱۱/۲۸	.... ربی فعمیت علیکم
۷۱	ولا تضرونه شیئا	۱۱/۵۷	ولا تنقصوه شیئا
۷۲	فاسر باهلك بقطع من اللیل ولا یلتفت منکم احد الا امراتك	۱۱/۸۱	.... من اللیل الا امرتك

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ ابن مسعودؓ میں
٧٣	قل افاتخذتم من دونہ اولیاء ١٣/١٦	قل افتخذتم ....
٧٤	وسیعلم الکفّر لمن عقبی الدار ١٣/٤٢	وسیعلم الکافرون لمن ......
٧٥	ولا یلتفت منکم احد ١٥/٦٥	ولا یلتفتن منکم احد
٧٦	وسخر لکم الیل والنھار والشمس والقمر ط والنجوم مسخرات بامرہ ط ١٦/١٢	.... والقمر والریاح بامرہ
٧٧	الذین تتوفھم الملئکۃ ١٦/٢٨	الذین توفاھم الملئکۃ
٧٨	ولنجزین الذین صبروا اجرھم ١٦/٩٦	ولیوفین الذین صبروا اجرھم
٧٩	فلنحیینہ حیوۃ طیبہ ولنجزینھم اجرھم ١٦/٩٧	.... حیوۃ طیبۃ ولیوفینھم ....
٨٠	اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلھما فلا تقل لھما اف ١٧/٢٣	اما یبلغان عندک الکبر اما واحد واما کلاھما فلا تقل لھما اف
٨١	تسبح لہ السموٰت السبع والارض ١٧/٤٤	سبحت لہ الارض وسبحت لہ السموٰت
٨٢	لکنا ھو اللہ ربی ١٨/٣٨	لکن ھو اللہ ربی
٨٣	یوم یقول نادوا شرکاءی ١٨/٥٢	یوم یقول لھم نادوا شرکاءی
٨٤	قبل ان تنفد کلمٰت ربی ١٨/١٠٩	قبل ان تقضی کلمات ربی
٨٥	قول الحق الذی فیہ یمترون ١٩/٣٤	قال الحق ....
٨٦	تکاد السموٰت یتفطرن منہ ١٩/٩٠	تکاد السموٰت لتتصدع منہ
٨٧	فاولئک یدخلون الجنۃ ١٩/٦٠	فاولئک سیدخلون الجنۃ
٨٨	ءاذا ما مت لسوف اخرج حیا ١٩/٩٢	ءاذا ما مت سأخرج حیا
٨٩	ان کل من فی السموٰت والارض الا اٰتی الرحمٰن عبدا ١٩/٩٣	..... والارض لما اٰتی الرحمٰن عبدا

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ بن مسعودؓ میں
۹۰	انما صنعوا کید سٰحرٍ ۲۰/۶۹	.... کید سِحْرٍ
۹۱	قد نجّینٰکم من عدوّکم ۲۰/۸۰	قد نجّیتکم من عدوکم
۹۲	و من الشیٰطین من یغوصون لہ ویعملون عملا دون ذلک وکنا لہ حفظین ۲۱/۸۲	و من الشیطین من یغوص لہ ویعمل وکنا لھم حفظین
۹۳	اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا ۲۲/۳۹	اذن للذین قاتلوا بانھم ظلموا
۹۴	سورۃ انزلنھا وفرضنٰھا ۲۴/۱	سورۃ انزلنھا وفرّضْنٰھا
۹۵	فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاٰصال ۲۴/۳۶	.... ویذکر فیھا اسمہ یسبحون لہ فیھا رجال بالغدو .....
۹۶	لا تحسبن الذین کفروا معجزین فی الارض ۲۴/۵۷	اَحْسِبِ الذین کفروا معجزین فی الارض
۹۷	وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین اٰمنو ۲/۲۱۴	فزلزلوا یقول حقیقۃ الرسول والذین اٰمنو
۹۸	ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ ۴/۴۸	.... مثقال نملۃٍ
۹۹	وھوالذی ارسل الریح بشرًا ۲۵/۴۸	.... الریاح مبشراتٍ
۱۰۰	انسجد لما تامرنا ۲۵/۶۰	..... تامرنا بہ
۱۰۱	وجعل فیھا سراجا ۲۵/۶۱	.... سُرُجا
۱۰۲	ھب لنا من ازواجنا وذریٰتنا ۲۵/۷۴	.... وذرّیّتنا
۱۰۳	فمکث غیر بعید ۲۷/۲۲	فیمکث ....
۱۰۴	تکلمھم ان الناس ۲۷/۸۲	تکلمھم بان الناس
۱۰۵	الا یسجدوا للہ ۲۷/۲۵	ھلا ......

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ بن مسعودؓ میں
۱۰۶	قالوا سحران تظٰهرا ۲۸/۴۸	قالو سحران تظاهرا
۱۰۷	فعميت عليهم الانباء ۲۸/۶۶	وعميت عليهما الانباء
۱۰۸	لولا ان من الله علينا لخسف بنا ۲۸/۸۲	.... علينا لاُنخسف بنا
۱۰۹	وقال انما اتخذتم من دون الله اوثانا مودة بينكم في الحيوة الدنيا ۲۹/۲۵	✓ .... وتخلقون افكا انما مودة ....
۱۱۰	ليكفروا بما آتينهم وليتمتعوا ۲۹/۶۶	آتاهم قل تمتّعوا
۱۱۱	هدى ورحمة للمحسنين ۳۱/۳	...... وبشرى ......
۱۱۲	فلا تعلم نفس ما اخفي لهم ۳۲/۱۷	فلا تعلمنّ نفس ما يخفى لهم
۱۱۳	لما صبروا ۳۲/۲۴	بما صبروا
۱۱۴	من يقنت منكن لله ورسوله وتعمل صالحا ۳۳/۳۱	من تعمل منكم من الصلحت وتقنت الله ورسوله
۱۱۵	يرضين بما آتيتهن كلهن ۳۳/۵۱	.... اُوتين كلهن
۱۱۶	والعنهم لعنا كبيرا ۳۳/۶۸	والعنهم لعنا كبيرا
۱۱۷	وهم في الغرفت آمنون ۳۴/۳۷	...... في الغرفة ....
۱۱۸	قل ان ربي يقذف بالحق علام الغيوب ۳۴/۴۸	.... بالحق وهو علام ..
۱۱۹	في ظلل على الارائك متكئون ۳۶/۵۶	في ظُلَل .... متكئين
۱۲۰	في شغل فكهون ۳۶/۵۵	.... فكِهين
۱۲۱	سلٰم على ال ياسين ۳۷/۱۳۰	سلام على ادراسين
۱۲۲	الله ربكم ورب آبائكم الاولين ۳۷/۱۲۶	ربكم الله ....

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ ابن مسعودؓ میں
۱۲۳	ان یبدل دینکم او ان یظھر	.... ویظھر
	فی الارض الفساد ۲۶/ ۴۰	......
۱۲۴	کذلک یطبع اللہ علی کل قلب متکبر	یطبع اللہ ....
	جبار ۳۵/ ۴۰	....
۱۲۵	تکاد السمٰوٰت یتفطرن ۵/ ۴۲	...... ینفطرن
۱۲۶	اشھدوا خلقھم ۱۹/ ۴۳	ما شھدوا خلقھم
۱۲۷	فلولا القی علیہ اسورۃ ۵۳/ ۴۳	لولا القی علیہ اساور
۱۲۸	وعندہ علم الساعۃ ۸۵/ ۴۳	و انہ علیم بالساعۃ
۱۲۹	ان وعد اللہ حق والساعۃ لاریب	
	فیھا ۳۲/ ۴۵	.... حق وان الساعۃ ....
۱۳۰	فھل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیھم	.... تاتیھم ....
	بغتۃ ۱۸/ ۴۷	
۱۳۱	فسیوتیہ اجرا عظیما ۱۰/ ۴۸	فسیوتیہ اللہ ......
۱۳۲	ان اراد بکم ضرا اوراد بکم نفعا ۱۱/ ۴۸	.... اواراد بکم رحمۃ
۱۳۳	ان یبدلوا کلم اللہ ۱۵/ ۴۸	ان تبدلوا کلم اللہ
۱۳۴	لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ۱۳/ ۴۹	..... اوحیارکم ......
۱۳۵	خشعا ابصارھم ۷/ ۵۴	خاشعۃ .....
۱۳۶	فلا اقسم بمواقع النجوم ۷۵/ ۵۶	.... بموقع ....
۱۳۷	وجاء فرعون ومن قبلہ ۹/ ۶۹	...... قبلہ
۱۳۸	فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر ۲۴/ ۸۸	فانہ یعذبہ ....

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ بن مسعودؓ میں

مندرجہ بالا تفصیل سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ ایک سو اڑتیس (۱۳۸) موقعوں پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قرآن ہمارے موجودہ قرآن سے مختلف تھا اور ۱۳۸ مواقع بھی اس لئے ہیں کہ ہم نے اختصاراً زبر زیر پیش، واؤ، فاء اور او وغیرہ کے اختلافات کو نظر انداز کر دیا ہے ورنہ کل اختلافات کی تعداد ۱۵۰ تک پہنچتی ہے۔

مصحف عبداللہ ابن عباسؓ

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ ابن عباسؓ میں
۱	فلا جناح علیہ ان یطوف بھما	...... ان لا یطوف بھما
۲	لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم فاذا افضتم ۲/۱۹۸	لا جناح علیکم ان تبتغوا فضلا من ربکم فی مواسم الحج فاذا افضتم
۳	انما ذلکم الشیطن یخوف اولیائہ ۳/۱۷۵	...... یخوفکم اولیائہ
۴	اولئک لھم نصیب مما کسبوا ۲/۲۰۲	...... مما اکتسبوا
۵	واتموا الحج والعمرۃ للہ ۲/۱۹۶	واقیموا الحج والعمرۃ للبیت
۶	وشاورھم فی الامر ۳/۱۵۹	وشاورھم فی بعض الامر
۷	وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ۲۲/۵۲	...... ولا نبی محدث
۸	یحسرۃ علی العباد ۳۶/۳۰	یا حسرۃ العباد
۹	کانک حفی عنھا ۷/۲۲۷	وان عزموا السراح
۱۱	وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون امنا بہ ۳/۷	وما یعلم تاویلہ ویقول الراسخون امنا بہ

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عبداللہ ابن عباسؓ میں
۱۲	فان آمنوا بمثل ما آمنتم به ۲/۱۳۷	فان آمنوا بما آمنتم به فان آمنوا بالذی آمنتم به
۱۳	حافظوا علی الصلوات والصلواة الوسطی ۲/ ۲۳۸	حافظوا والصلوة الوسطی وصلوة العصر
۱۴	فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن ۴/ ۲۴	فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی فاتوهن اجورهن
۱۵	طیبت احلت لهم ۴/۱۶۰	طیبت کانت احلت لهم
۱۶	اذا جاء نصر الله والفتح ۱۱۰/۱	اذا جاء فتح الله والنصر

لہ : یہی کچھ ابی بن کعبؓ کے مصحف کے حوالے سے پہلے بھی گزر چکا ہے جس سے شیعوں کے متعہ نکاح کا ثبوت "روایات کی رو سے مرتب شدہ قرآن" سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے۔

مصحف حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ

نمبر شمار	مصحف عثمانیؓ میں	مصحف عبداللہ ابن الزبیرؓ میں
۰۱	لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم ۲/۱۹۸	لاجناح علیکم ان تبتغو فضلا من ربکم فی مواسم الحج
۰۲	وکذالک نصرف الآیات ولیقولوا درست ۶/۱۰۵	.... دارست
۰۳	فی جنّٰت یتساءلون ۰ عن المجرمین ۰ ما سلککم فی سقر ۴۰-۴۲/ ۷۴	فی جنت یتساءلون ۰ یا فلان ما سلکک فی سقر
۰۴	فیصبحوا علی ما اسروا فی انفسھم ندمین ۵/۵۲	فیصبح الفساق علی اسرو .....
۰۵	ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون ۳/۱۰۴	.... عن المنکر ویستعینون باللہ علی ما اصابھم واولئک ھم المفلحون
۰۶	صراط الذین انعمت علیھم	صراط من انعمت علیھم

اپنی سند کے ساتھ ابوبکر بن عیاش سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رض کے پڑپوتے شعیب بن شعیب بن محمد بن عبداللہ ہمارے ہاں تشریف لائے میرے اور ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی۔ انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رض کا مصحف دکھلاؤں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے وہ مصحف دکھایا تو اس میں بہت سے الفاظ ہمارے مصحف کے الفاظ سے مختلف تھے۔ ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ انہوں نے مجھے ایک سیاہ جھنڈا بھی دکھایا جو موٹے کپڑے کا بنا ہوا تھا۔ اس میں ایک دستہ اور دو گھنڈیاں بندھی ہوئی تھیں انہوں نے بیان کیا کہ یہ جھنڈا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو حضرت عمرو بن العاص کے پاس تھا۔ امام ابن ابی داؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث میں میرے والد (یعنی امام حدیث ابوداؤد صاحب سنن) نے محمد بن العلاء کے واسطے سے ابوبکر بن عیاش ہی سے یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ مصحف خود ان کے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رض کا لکھا ہوا تھا۔

مصحف حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا

نمبر شمار	مصحف عثمانی میں	مصحف عائشہ صدیقہ رض میں
۱۔	حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی ۲/۲۳۸	.... وصلوۃ العصر
۲۔	ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ۳۳/۵۶	.... علی النبی والذین یصلون الصفوف الاول یا ایھا ....

مصحف حضرت حفصہ و ام سلمہ امہات المومنین رضی اللہ عنہما

ان دونوں امہات المومنین کے مصاحف میں بھی آیت ۲۳۸ / ۲ میں وصلوٰۃ العصر کا اضافہ موجود تھا۔

مصاحف تابعین رح آپ کو مبادا یہ خیال گزرے کہ صحابہ کے دور میں جمع عثمانی سے پہلے ممکن ہے مختلف صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مصاحف میں اختلافات ہوں گے لیکن جمع عثمانی کے بعد وہ تمام اختلافات دور ہو گئے ہوں گے یہ بات نہیں۔ ہمارے مجموعہ ہائے روایات میں ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ قرن ثانی یعنی عہد تابعین تک میں یہ اختلافات موجود تھے چنانچہ امام ابن ابی داؤد نے اپنی کتاب المصاحف میں عہد صحابہ رض کے بعد عہد تابعین کے ان مصاحف کا تذکرہ بھی کیا ہے جو ان روایات کے مطابق ہمارے موجودہ قرآن سے مختلف تھے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ان تمام مصاحف کے اختلافات کو بالتفصیل بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ ہم صرف مختصراً ان تابعین کے اسمائے گرامی کے تذکرہ پر یہاں اکتفا کرتے ہیں جن کے مصاحف مصحف عثمانی سے مختلف بیان کیے جاتے ہیں۔ امام ابن ابی داؤد نے اس سلسلہ میں مصحف عبید بن عمر لیثی، مصحف عطأ ابن ابی رباح، مصحف عکرمہ مولی ابن عباس، مصحف مجاہد بن جبر مخزومی، مصحف سعید بن جبیر، مصحف اسود بن یزید نخعی، مصحف علقمہ ابن قیس نخعی، مصحف طلحہ ابن مصرف ایامی، مصحف سلیمان بن مہران اعمش کوفی رحمتہ اللہ علیہم کا تذکرہ فرمایا ہے۔

آج ہمارے پاس حجاج ابن یوسف کا اصلاح کردہ مصحف ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا حجاج ابن یوسف نے گیارہ مقامات پر حضرت عثمان رض کے قرآن میں تبدیلی کی اور ان روایتوں کے مطابق یہی تبدیل شدہ قرآن ہے جو آج امت کے پاس موجود ہے۔ بالفاظ دیگر جو قرآن آج امت کے پاس موجود ہے [illegible]

صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا ہے نہ صحابہؓ کا مرتب کردہ بلکہ یہ وہ قرآن ہے جس میں حجاج ابن یوسف نے تبدیلیاں کر دی تھیں، عجم کی سازش اس سے کہنا یہ چاہتی ہے کہ قرآن کریم میں پہلی صدی کے آخر تک تبدیلیاں ہوتی رہیں اور یہی وہ زمانہ ہے جب احادیث کی تدوین شروع ہوئی تھی یعنی امام مسلم ابن شہاب زہری کا زمانہ۔ لہٰذا اس وقت تک قرآن و حدیث دونوں ہی غیر محفوظ شکل میں تھے۔ ہمارے پاس قرآن بھی ایک تابعی کا ہے اور احادیث بھی تابعین ہی کی جمع کردہ ہیں۔ لہٰذا دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی فرق ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ قرآن ایک ایسے تابعی کا ہے جو ظلم و ستم اور فسق و فجور میں آج تک ضرب المثل ہے اور حدیث امام زہری کی ہے جو ائمہ حدیث کے نزدیک نہایت ہی متقی پرہیزگار اور خدا ترس آدمی تھے۔

قرآن کے اختلافات قرأت اور لب و لہجہ کے اختلافات نہیں تھے

عہد صحابہ اور عہد تابعین میں قرآن کے اندر جو اختلافات تھے وہ قرأتوں اور لب و لہجہ کے اختلافات نہیں تھے۔ عہد صحابہ کے اختلافات کو ہم نے بالتفصیل آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اسی نمونے کو سامنے رکھ کر تابعین کے اختلافات کو بھی قیاس کر لیجئے۔ ان نقشوں میں ہم نے مصحف عثمانی اور دیگر مصاحف کے اختلافات کو پہلو بہ پہلو پیش کر کے بتا دیا ہے کہ یہ اختلافات قطعاً لب و لہجہ کے اختلافات نہیں تھے۔ بعض جگہ آیتیں کی آیتیں اور اکثر الفاظ کے الفاظ ایک دوسرے سے بدلے ہوئے یا کم و بیش ہیں۔ ان اختلافات کو کسی طرح بھی لب و لہجہ کا اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ لب و لہجہ کا اختلاف یہی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ایک لفظ کو کسی خاص ہیئت سے ادا کرتا ہے تو دوسرا شخص اسی لفظ کو دوسری ہیئت سے ادا کرتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دونوں شخصوں کے وطن اور قبیلے مختلف ہوں۔ ایک ہی خاندان اور ایک ہی مقام کے دو شخصوں کے تلفظ اور طرز ادا میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ مگر ان اختلافات کی صورت یہ تھی کہ ایک ایک قبیلہ اور خاندان اور ایک ایک مقام کے لوگوں کے قرآن پڑھنے میں زبردست اختلافات

موجود تھے۔ اس کے ثبوت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سنیئے۔ یہ روایت کتاب المصاحف کے علاوہ خود صحیح بخاری میں بھی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷ پر موجود ہے۔ روایت کا لفظی ترجمہ درج ذیل ہے۔

مسور ابن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن عبد قاری حضرت عمرؓ سے سن کر بیان کرتے ہیں حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم (ابن حزام) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سورۂ فرقان پڑھتے ہوئے سنا۔ میں نے ان کا پڑھنا سنا تو وہ بہت سارے ایسے الفاظ پڑھ رہے تھے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر حملہ کر بیٹھوں مگر میں نے بمشکل صبر کیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے انہی کی چادر میں انہیں کس لیا اور میں نے ان سے پوچھا کہ یہ سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنا ہے، تمہیں کس نے پڑھائی۔ انہوں نے کہا کہ مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔ میں نے کہا تو جھوٹ بولتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مجھے اس کے خلاف پڑھائی ہے جو تو پڑھ رہا تھا اور میں اس کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے چلا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے اس کو سورۂ فرقان کو ایسے الفاظ میں پڑھتے ہوئے سنا ہے جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " انہیں چھوڑ تو دو۔ ہشام، پڑھو۔ چنانچہ ہشام نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھ دیا جیسا کہ میں نے پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یونہی تو نازل ہوئی ہے" پھر فرمایا، عمر، اب تم پڑھو۔ چنانچہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائی تھی، میں نے پڑھ کر سنائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یوں بھی نازل ہوئی ہے" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قرآن تو سات حرفوں پر نازل ہوا ہے لہٰذا جس طرح آسان ہو پڑھ لیا کرو۔"

آپ کو حیرت ہوگی کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی قریشی ہیں اور مکّہ

کے رہنے والے ہیں اور ہشام ابن حکیم بھی قریشی اور مکی ہیں۔ دونوں کی زبان ایک ہے دونوں کا لب ولہجہ ایک ہے۔ ایک خاندان اور ایک ہی مقام کے دونوں آدمی سورۂ فرقان کو اس قدر اختلاف کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ان پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بمشکل نماز ختم ہونے تک صبر کرتے ہیں۔ اور نماز کے بعد انہی کی چادر میں کس کر گھسیٹتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے وہ سورت سنتے ہیں۔ ہشام بن حکیم سے سن کر بھی کہتے ہیں کہ ہاں یوں ہی تو نازل ہوئی ہے اور پھر حضرت عمرؓ سے سن کر بھی فرما دیتے ہیں کہ ہاں یوں بھی نازل ہوئی ہے اور پھر ساتھ ہی یہ بھی کہ قرآن تو سات حرفوں پر نازل ہوا ہے جس طرح آسان ہوا کرے، پڑھ لیا کرو۔ ان روایات کی بناء پر علامہ سیوطیؒ تفسیر اتقان میں یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ

بہت سے عوام جو یہ نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد سات قرأتیں ہیں یہ بہت ہی بری جہالت ہے۔ اس پر اتقان کا محشی لکھتا ہے۔

کیونکہ ساتوں قرأتیں سب کی سب ایک ہی حرف میں ہو سکتی ہیں اور وہ لغت قریش ہی تو ہے۔

بخاری کی اس حدیث پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔

اس حدیث سے ان لوگوں کے قول کی تقویت ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حروف سے مراد 'مترادف الفاظ کے ساتھ معنوں کا ادا کر دینا ہے خواہ وہ ایک ہی لغت سے کیوں نہ ہو کیونکہ یہاں ہشام کی لغت قریش ہی کی زبان تو ہے اور ایسے ہی عمرؓ کی لغت بھی۔ اور اس کے باوجود دونوں کے پڑھنے میں اختلاف ہو رہا ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے ایسا ہی کہا ہے اور اکثر اہل علم سے یہی منقول ہے کہ سات حرفوں سے مراد یہی ہے۔

(عمدۃ القاری جلد ۲۰/ص ۲۱)

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ یہ اختلافات صرف لب و لہجہ اور تلفظ کے اختلافات نہیں تھے بلکہ مترادف الفاظ کے ساتھ مطلب اور معنی ادا کر دینے کے اختلافات تھے۔ ہر شخص کو یہ آزادی حاصل تھی کہ وہ قرآن کے معنی اور مضمون کو اپنے الفاظ میں جس طرح چاہے بیان کر دے۔

قرآن بھی روایت بالمعنیٰ ہے روایات پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ بھی تھا کہ جو کچھ روایتوں میں بیان کیا جا رہا ہے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں روایت بالمعنیٰ ہے یعنی راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالب کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ اس لئے معلوم نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا اور سننے والے نے اپنے الفاظ میں اس کو کس طرح نقل کر دیا ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے عجم کی سازش نے قرآن کریم کو بھی بالکل اسی طرح بدلا کر رکھ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہر شخص کو یہ آزادی حاصل تھی کہ وہ قرآن کے معنی اور مضمون کو اپنے الفاظ میں جن مترادف الفاظ کے ساتھ چاہے بیان کر دے۔ مختصراً یہ کہ ان روایات کی رو سے موجودہ قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب نہیں کیا تھا نہ اس کو لکھوایا تھا۔ صحابہؓ کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ نے، عمرؓ نے، عثمانؓ نے یا زید ابن ثابتؓ نے اسے لکھا اور مرتب کیا، جس میں غلطیاں بھی رہ گئیں۔ حجاج ابن یوسف نے اپنے زمانے میں گیارہ مقامات پر اصلاح کی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ جو قرآن آج ہمارے پاس موجود ہے وہ قرآن کے معنی اور مضمون کی وہ تعبیر ہے جو حضرت عثمانؓ نے اپنے الفاظ (یا دیگر صحابہ کے الفاظ) میں دی تھی اور حجاج ابن یوسف نے اس کی اصلاح کی تھی۔

ذرا اپنے دلوں کو ٹٹولیئے کتاب المصاحف ایک سو بچانوے صفحات پر پھیلی ہوئی ایک ضخیم کتاب ہے۔ پوری کتاب کو نقل کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے جن حضرات کو شوق ہو وہ روایات کے اس مہتم بالشان خزانے کو

خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں لیکن ہم اپنے ان ناظرین سے جن کے دل میں ایمان اور احترام قرآن کی ایک ننھی سی چنگاری بھی روشن ہو۔ مندرجہ بالا اقتباسات کو پیش کرنے کے بعد صرف اتنا سوال کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ذرا اپنے دلوں کا جائزہ لے کر اتنا بتائیں کہ ان اقتباسات کو پڑھنے کے بعد قرآن کریم کے متعلق ان کے دلوں میں کیا تصور پیدا ہوتا ہے۔ کیا ایسی کتاب جس کے متعلق آپ نے یہ کچھ پڑھا ہے اللہ کی کتاب کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے اور کیا اس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ آج تک محفوظ ہے اور یہ وہی کتاب ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے امت محمدیہ کو دیا تھا۔

سوچیئے، ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیئے اور بتائیے کہ آخر اس کتاب اور تورات و انجیل میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔

تورات، انجیل اور دیگر مذاہب کی مبینہ آسمانی کتابوں کے خلاف آپ سب سے بڑا اعتراض یہی وارد کرتے ہیں (اور اسی کی بناء پر آپ انہیں غیر یقینی قرار دیتے ہیں) کہ ان کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حرفاً حرفاً وہی ہیں جو ان مذاہب کے پیغمبروں نے اپنی امت کو دی تھیں۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ان روایات نے کس طرح قرآن کو بھی اسی سطح پر لا کھڑا کر دیا ہے جہاں دیگر مذاہب کی کتابیں تھیں؟ دیکھ لیجیے کہ عجم کی یہ سازش کس طرح کامیاب ہوئی؟ چنانچہ آج غیر مسلم مستشرقین انہی روایات کو سامنے لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی روشنی میں بتلائیے کہ تم قرآن کی حفاظت کا دعویٰ کس طرح ثابت کر سکتے ہو؟ آپ کو معلوم ہے کہ یہی "کتاب المصاحف" جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، شائع کس طرح سے ہوئی ہے؟ ایک فاضل مستشرق ہے (ARTHUR JEFFERY)۔ اس نے کیا یہ ہے کہ قرآن کے متعلق جس قدر اختلافات ہماری کتب روایات میں پائے

جاتے ہیں، ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے شائع کر دیا ہے۔ کتاب کا نام ہے۔
[1](MATERIALS FOR THE HISTORY OF THE TEXT OF THE QURAN). اس کے ساتھ ہی اس نے، اس خیال سے کہ مبادا یہ نہ کہہ دیا جائے کہ ایک غیر مسلم (عیسائی) نے معاندانہ طور پر "غیر مستند چیزوں" کو جمع کر دیا ہے، امام ابن ابی داؤد کی "کتاب المصاحف" کو من و عن شائع کر دیا ہے جس میں وہ تمام احادیث موجود ہیں جو ان اختلافات کی سند ہیں اور اس طرح ساری دنیا پر ظاہر کر دیا کہ یہ ہے اس کتاب کی حقیقت، جس کے متعلق مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ نے لے رکھی ہے۔

---

[1]: یہ کتاب E. J. BRILL پبلشرز لیڈن سے مل سکتی ہے۔

جمع قرآن

خود قرآن کی نظر میں

غیر مکتوب چیز یقینی نہیں ہو سکتی

یہ ایک حقیقت ہے کہ علم کی دنیا میں یقینی شے اسی کو کہا جا سکتا ہے جو قید کتابت میں آ جائے چنانچہ خود عربوں کے ہاں یہ ضرب المثل موجود ہے "العلم صید والکتابۃ قید" (علم ایک وحشی شکار کی طرح ہے اس کو لکھ کر ہی محفوظ کیا جا سکتا ہے لہذا سب سے پہلے ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو لکھی ہوئی شکل میں امت کو دیا تھا یا نہیں۔

کتابت قرآن کی نگاہ میں

قرآن نے لکھنے پڑھنے پر کتنا زور دیا ہے یہ محتاج بیان نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلے وحی آئی ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے:

اقرأ وربك الاكرم ○ الذی علم بالقلم ○ علم الانسان ما لم یعلم ○ (۹۶/۳-۵)

اے پیغمبر، پڑھ، تیرا پروردگار نہایت ہی کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا (اور اس طرح) انسان کو وہ کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

دوسری جگہ

ن والقلم وما یسطرون ○ (۶۸/۱)

نٓ۔ ہم شہادت پیش کرتے ہیں قلم کی اور اس کی جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔ فرما کر کتابت و تحریر کی اہمیت کو واضح تر کر دیا۔ قرآن نے بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی لکھ لینے کو ضروری قرار دیا ہے۔ کیونکہ جو بات لکھی ہوئی نہ ہو بلکہ محض لوگوں کی زبانی نقل درنقل ہوتی آ رہی ہو وہ نہ اللہ کے نزدیک صحیح تر ہے نہ ہی شہادت کے لئے استوار تر۔ بلکہ محل شک و شبہ بن جاتی ہے چنانچہ حکم ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمّی فاکتبوہ ولا تسئموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا الی اجلہ ذلکم اقسط عند اللہ واقوم للشہادۃ وادنیٰ ان لا ترتابوا (۲۸۲/۲)

اے پیروان دعوتِ ایمانی، جب کبھی آپس میں قرض کا لین دین کسی وقت مقررہ تک کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو اس کو اس کی میعاد تک لکھ لینے میں سستی نہ کیا کرو کیونکہ لکھ لینا ہی اللہ کے نزدیک صحت کی بڑی ضمانت اور گواہی کے لئے بڑی استواری کا باعث اور شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔

ظاہر ہے کہ قرض کا لین دین محض ایک باہمی معاملہ کی بات ہے۔ اس کے برخلاف قرآن کا معاملہ بالکل دین کا بلکہ دین کی بنیاد کا معاملہ ہے۔ اگر چھوٹا یا بڑا قرضہ دستاویز نہ لکھنے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک صحت سے دُور، شہادت کے لئے نا استوار اور محل شبہ قرار پا سکتا ہے تو قرآن کا نہ لکھا جانا اور محض زبانی نقل پر اکتفا کر لینا کیسے جائز ہو سکتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی ہی وحی میں قرأت اور قلم کی طرف متوجہ کر دیا گیا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منصبِ رسالت پر فائز ہونے تک لکھنے پڑھنے سے نا آشنا تھے۔ حق تعالےٰ کی طرف سے اس رہنمائی کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ شبہ کرنا بھی بہت بڑی جسارت ہے کہ آپ نے حق تعالےٰ کی اس رہنمائی سے خود فائدہ نہیں اٹھایا ہوگا۔ اس رہنمائی کے بعد یقیناً آپ نے لکھنا پڑھنا

سیکھا ہوگا۔ بہرحال اتنی بات تو یقینی ہے کہ منصبِ رسالت پر فائز ہو جانے کے بعد آپ اُمّی نہیں رہے تھے۔

وما کنت تتلو من قبلہ من کتب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون ۰ ۲۹/۴۸

اور اے پیغمبر، تم قرآن کے نازل ہونے سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھ سکتے تھے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے (اگر ایسا ہوتا) پھر تو باطل پرست لوگ ضرور شبہ کر سکتے تھے۔

یہاں قرآن کریم نے کتابیں پڑھ سکنے اور اپنے ہاتھ سے لکھ سکنے کی نفی صرف نزولِ قرآن سے پہلے زمانہ کے لئے کی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ ورنہ "من قبلہ" کے لفظ سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ لفظ بالکل بیکار ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں ما کنت تتلو من کتب ولا تخطہ بیمینک کافی تھا۔ معلوم نہیں یہ خیال کہاں سے پیدا کر لیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر تک لکھنے پڑھنے سے نا آشنا رہے۔ حیرت ہے کہ حضرت زید ابن ثابتؓ عبرانی زبان سیکھنا چاہیں تو ہفتہ بھر میں عبرانی جیسی ایک غیر زبان سیکھ کر عبرانی زبان میں خطوط لکھنے پڑھنے کے قابل ہو سکتے ہوں مگر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ذہین شخص جس کی ذہانت یقیناً حضرت زیدؓ سے بڑھ کر تھی اس کے متعلق یہ خیال کر لیا جائے کہ وہ تا دمِ وفات ان پڑھ ہی رہا۔

قرآن کی اس واضح شہادت کے بعد ہم اس غلط خیال کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں دیکھتے۔ قرآن اتنا ہی نہیں کہتا بلکہ وہ یہاں تک کہتا ہے کہ وحی نازل ہونے کے بعد اول آپ اس کو خود قلم بند فرما لیا کرتے تھے اور اس کے بعد دوسرے صحابہ کو لکھوا دیا کرتے تھے اور ایسا عموماً بالالتزام ہوتا رہتا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

وقالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا ۲۵/۵

مشرکین کہتے ہیں (قرآن اس کے سوا کیا ہے کہ) پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود لکھ لی ہیں اور وہی اس کے سامنے صبح و شام لکھوائی جاتی رہتی ہیں۔

اِکْتَتَبَ کے معنی ہیں کہ انسان خود لکھے بلکہ یہ بھی کہ کوئی دوسرا بول رہا ہو اور یہ خود لکھ رہا ہو۔

واکتتب الکتاب خطه واستملا (محیط المحیط جلد ۲/ صفحہ ۱۸۸۵)

اور اکتتب الکتاب کے معنی یہ ہیں کہ اس نے کتاب کو خود لکھا اور دوسرے سے املاء کرانے کی خواہش کی۔

املاء کے معنی (DICTATE) کرانے کے ہیں یعنی ایک بولتا جائے اور دوسرا لکھتا جائے۔ تملیٰ علیہ سے پہلے اکتتب کے معنی بجز اس کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے کہ پہلے آپ خود لکھ لیتے تھے پھر تملیٰ علیہ پر ایک فا آرہی ہے جو تعقیب کے لئے آتی ہے لہذا دونوں فعلوں کا ایک زمانہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کو عطف تفسیری قرار دے دیا جائے لہذا اس کے معنی صاف صاف یہ ہیں کہ وحی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خود لکھ لیا کرتے تھے اور اس کے بعد صحابہؓ کو لکھا دیا کرتے تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ آیت مکی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مکہ ہی میں یہ عادت شریفہ تھی کہ وحی نازل ہونے کے بعد پہلے خود قلم بند فرما لیا کرتے تھے پھر دوسرے صحابہؓ کو لکھوا دیا کرتے تھے اور یہ سلسلہ التزاماً جاری رہتا تھا۔

لفظ کتاب کی لغوی تحقیق قرآن کریم نے جا بجا اپنے آپ کو کتاب کہا ہے چنانچہ سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن شروع ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

الٓمٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۞ (۲/۲-۱)

الم ۔ یہ الکتاب ہے جس میں شک کی گنجائش ہی نہیں۔

ہمیں سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ کتاب کہتے کسے ہیں۔

کتاب کی لغوی تحقیق حسبِ بیانِ علمائے لغت یہ ہے کہ کتاب دراصل اس لوہے کے چھلے کو کہتے ہیں جو تحفظ نسل کے لیے اونٹنیوں کی شرمگاہوں پر ڈال دیا جاتا تھا کہ وہ ہر قسم کے اونٹ سے حاملہ نہ ہو سکیں۔ پھر اس کے بعد اونٹنی کے نتھنوں کو ملا کر ان میں ایسا ہی چھلا پہنا دیا جاتا تھا تاکہ وہ اپنے بچہ کو نہ سونگھ سکے اور اس طرح اپنے بچہ کو دودھ نہ پلا دے۔ پھر اس کے بعد چند چیزوں کو ملا کر چھلا ڈال دینے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ چونکہ کتاب میں بھی اس کے اوراق کو ملا کر چھلا ڈالا جاتا تھا یا جیسا کہ آج کل چھلے کے بجائے دھاگہ ڈال دیا جاتا ہے اس لئے کتاب عرفی پر بھی اس کا اطلاق کیا جانے لگا۔ اس کے بعد اس میں مزید وسعتیں ہوتی چلی گئیں (ملاحظہ ہو محیط المحیط جلد ۲ ص ۱۸۸۹ اور دیگر مبسوط لغات عربی)۔

بہرحال اس تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ کتاب کے مفہوم میں چند چیزوں کو ملا کر مجتمع کر دینا ضروری ہے لہذا کتاب کا اطلاق اصل لغت کے لحاظ سے اسی مجموعہ اوراق پر کیا جا سکے گا جس کی شیرازہ بندی کسی کڑے یا دھاگے سے کر دی گئی ہو۔ قرآن کریم اپنے آپ کو ایک دو جگہ نہیں سینکڑوں جگہ "کتاب" کے لفظ سے یاد کرتا ہے کہیں صرف کتاب کہتا ہے، ملاحظہ ہو۔

۲ - ۷۸ - ۷۹ - ۱۰۱ - ۱۵۱ - ۲۳۱/۲   ۷ - ۲۳ - ۱۶۴/۳

۱۱۳ - ۱۲۷ - ۱۳۶ - ۱۴۰/۴   ۹۲/۶   ۲ - ۱۹۶/۷

۱۴/۱   ۱۵/۱   ۱۶/۶۴   ۲۰/ ۲۱/۳۰   ۲۸/۸۶   ۲۹/۴۷-۵۱

۳۹/۱   ۴۰/۱   ۴۵/۲   ۴۶/۱۲۰۲   ۶۴/۳

کہیں اپنے آپ کو کتاب مبین کہتا ہے۔ ملاحظہ ہو ۵/۱۵، ۱۲/۱

۲۶/۱، ۲۷/۱، ۲۸/۲، ۳۶/۶۹، ۴۳/۲، ۴۴/۲

کہیں اپنے آپ کو الکتب بالحق کہتا ہے دیکھیے ۲/۱۷۶، ۳/۲، ۴/۱۰۵

۵/۴۸، ۱۳/۱، ۱۶/۳۲

کہیں الکتاب مفصلا کہتا ہے۔ دیکھیے ۶/۱۱۴

کہیں کتاب انزلنہ مبارک کہتا ہے، دیکھیے ۶/۱۵۵، ۳۸/۲۹

کہیں الکتاب الحکیم کہتا ہے، دیکھیے ۱۰/۱، ۳۱/۲-۱

کہیں الکتاب لاریب فیہ کہتا ہے، دیکھیے ۲/۲، ۱۰/۳۷، ۳۲/۲

کہیں کتب احکمت ایتہٗ کہتا ہے، دیکھیے ۱۱/۱، ۴۱/۲

کہیں کتب عزیز کہتا ہے۔ دیکھیے ۴۱/۴۱

کہیں نزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شیء کہتا ہے، دیکھیے ۱۶/۸۹

کہیں احسن الحدیث کتابا متشابہا مثانی کہتا ہے، دیکھیے ۳۹/۲۳

غرض کہ مختلف عنوانوں اور مختلف صفات کے ساتھ وہ اپنے آپ کو کتاب کہتا ہے۔ ان مختلف عنوانات وصفات سے بحث کرنے کے لئے اس وقت نہ گنجائش ہے اور نہ ہی ضرورت۔ آپ صرف اس وقت اتنا دیکھیے کہ قرآن اپنے کو کتاب کہتا ہے (کتاب کا صحیح مفہوم اپنے ذہن میں رکھیے) جس میں شیرازہ بندی کا مفہوم داخل ہے لہذا یقیناً نزولِ قرآن ہی کے وقت سے قرآن کریم ایسی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا جس پر کتاب کا لفظ صادق آسکے۔ پھر وہ اپنے آپ کو ایک ایسی کتاب کہتا ہے جس میں شک اور شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور ہم آپ کو پہلے بتا چکے ہیں کہ قرآن کی نگاہ میں اگر کوئی چیز لکھی ہوئی نہ ہو چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی، تو اللہ کے نزدیک نہ وہ صحیح تر ہے نہ شہادت کے لئے استوار تر ہے اور نہ ہی شک وشبہ سے بعید تر۔ ظاہر ہے کہ جب قرآن اپنے لیے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اس میں شکوک وشبہات کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور خود ہی یہ اصول بھی بیان کیا ہے کہ شبہ سے بالاتر وہی چیز ہو سکتی ہے جسے لکھ لیا جائے تو لامحالہ اسے خود اپنے اصول کے مطابق کہیں لکھا ہوا ہونا چاہیئے نہ صرف منتشر اوراق پر لکھا ہوا بلکہ مجموعی (شیرازہ بند) اوراق پر، تاکہ اس کو کتاب کہنا صحیح ہو۔

قرآن اور کتاب اس مجموعہ کا نام ھے جس میں بہت سی سورتیں ھیں	قرآن اپنی حقانیت پر استدلال کرتے ہوئے دنیا کی تمام قوموں کو تحدی

(چیلنج) کرتا ہے اور کہتا ہے :

ام یقولون افترٰىه ط قل فأتو بسورة مثله (۱۰/۳۸)

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن کو جھوٹ بنا لیا ہے۔ ان سے کہہ دو قرآن کی طرح کی کوئی سورت بنا لاؤ۔ دوسری جگہ وہی تحدی (چیلنج) اس صورت میں پیش کرتا ہے۔

ام یقولون افترٰىه ط قل فأتوا بعشر سور مثله مفتریات (۱۱/۱۳)

کیا وہ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن کو جھوٹ بنا لیا ہے۔ ان سے کہہ دو کہ تم ذرا اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں بنا کر دکھا دو۔

تیسری جگہ اسی تحدی کو اس صورت میں پیش کرتا ہے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل هذا القرآن لا یأتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا ۰ (۱۷/۸۸)

اے پیغمبر، کہہ دو کہ اگر سارے انسان اور جن (شہری اور بدوی لوگ) بھی اس پر اکٹھے ہو کر کوشش کریں کہ اس قرآن جیسا ایک دوسرا قرآن بنا لائیں تو اس جیسا قرآن بنا کر نہیں لا سکتے اگرچہ وہ سارے ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

ان تینوں آیتوں کو سامنے رکھ کر سوچئے اور غور کیجئے کہ کہیں وہ یہ چیلنج کرتا ہے کہ قرآن جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ کہیں کہتا ہے کہ دس سورتیں بنا لاؤ۔ کہیں کہتا ہے کہ اس جیسا قرآن بنا لاؤ۔ ان تمام آیتوں کو سامنے رکھنے سے قرآن کے متعلق ذہن انسانی میں جو تصور پیدا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ قرآن ایک ایسی کتاب کا نام ہے جس میں بہت سی سورتیں ہیں کہ کبھی اس پورے قرآن جیسا قرآن بنانے کا چیلنج کیا جاتا ہے اور کبھی اس جیسی صرف دس سورتوں کا اور کبھی صرف ایک ہی سورت کا۔

قرآن لکھا جاتا تھا اور دیکھ کر اس کی تلاوت کی جاتی تھی | مگر اس کے باوجود جب

کفار و مشرکین اپنے اسی عناد پر قائم رہتے ہیں تو قرآن کریم بطور استعجاب سوال کرتا ہے

ام عندهم الغيب فهم يكتبون
(۶۸/۴۷)

کیا ان کے پاس بھی علم غیب ہے جسے وہ لکھ لیتے ہوں ؟ اور

ام لكم كتب فيه تدرسون
(۶۸/۳۷)

کیا تمہارے پاس کوئی دوسری کتاب ہے جس میں دیکھ کر تم پڑھتے ہو ؟

یہ سوالات قرآن کے انکار پر کیے جا رہے ہیں جس کا مطلب یہی ہے کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو وحی ہونے کے بعد فوراً لکھ لی جاتی ہے اور محمد الرسول اللہ والذین معہ اس کو دیکھ دیکھ کر پڑھتے اور تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ اے کفار و مشرکین کیا تمہارے پاس بھی کوئی ایسی کتاب ہے جو عالم غیب سے بطور وحی کے آتی ہو اور اسی طرح فوراً لکھ لی جاتی ہو نیز تم لوگ بھی اس کتاب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے صحابہؓ کی طرح دیکھ دیکھ کر پڑھتے ہو؟ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم وحی کے بعد فوراً لکھ لیا جاتا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہؓ اس کتاب کو دیکھ دیکھ کر اس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

اوپر آپ دیکھ چکے ہیں کہ قرآن اس مجموعہ کتاب کا نام تھا جس میں بہت سی سورتیں تھیں۔ یہاں آپ نے دیکھا کہ وہ وحی کے فوراً بعد لکھ لیا جاتا تھا اور اس کو دیکھ دیکھ کر اس کی تلاوت کی جایا کرتی تھی۔ لامحالہ اس کتاب میں یہ تمام سورتیں آگے پیچھے کسی خاص ترتیب ہی سے لکھی ہوئی ہوں گی کیونکہ مختلف سورتوں کو یوں لکھ لینے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی سورت سے نہ آگے ہو نہ پیچھے۔ یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ قرآن کریم کی ایک خاص ترتیب بھی تھی اور وہ ترتیب نزول قرآن کے ساتھ ساتھ ہی قائم ہوتی جا رہی تھی۔

قرآنِ کریم ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا موجود تھا

اس کے بعد قرآنِ کریم ہمیں نہایت زوردار الفاظ کے ساتھ بتاتا ہے کہ وہ ایک بہت ہی محفوظ کتاب میں لکھا جا رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

فلا اقسم بمواقع النجوم ۰ وانه لقسم لو تعلمون عظیم ۰ انه لقرآن کریم فی کتاب مکنون ۰ لا یمسه الا المطهرون ۰ تنزیل من رب العلمین ۰

(۸۰۔۷۵/۵۶) ستاروں کے مواقع اس حقیقت پر شاہد ہیں اور اگر تم سمجھو تو یہ شہادت ایک بہت بڑی شہادت ہے کہ یقیناً یہ قرآن بڑی تعظیم و تکریم کا مستحق ہے جو ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے جسے ان لوگوں کے سوا جو پاک و صاف ہوں کوئی نہیں چھوتا۔ یہ کتاب تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی ہے

ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر تاکید اور شہادتوں کے ساتھ قرآن کریم اپنے متعلق یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے جسے وہی لوگ ہاتھ لگاتے ہیں جو ہر طرح پاک و صاف ہوتے ہیں۔ اس کتاب کے محفوظ ہونے کی سب سے بڑی ضمانت یہ ہے کہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی حفاظت میں رہتی ہے جس پر اللہ اس کے فرشتوں اور اس کے بندوں تک کو پورا پورا اعتماد ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس عظیم الشان حقیقت کو کتنی زبردست تاکیدوں اور شہادتوں کے ساتھ بیان کیا ہے قرآن کا یہ خاص اسلوب ہے کہ وہ عالم انفس پر آفاقی قوانین سے استشہاد کرتا ہے یہاں چونکہ قرآن کو یہ بیان کرنا ہے کہ قرآن کریم ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری حق تعالےٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اس کے استشہاد میں وہ آفاقی حقائق کو شہادت میں پیش کرتا ہے کہ دیکھو ان ستاروں کے وجود پر غور کرو جو جگہ جس ستارے کے لئے مقرر کر دی گئی ہے وہ ایک انچ بھی اپنے مقام سے نہیں ہٹتا حتیٰ کہ تم دریائی اور صحرائی سفر میں ان ستاروں ہی سے راستے معلوم کرتے ہو۔ ان ستاروں کی ایسی حفاظت کون کر رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ اللہ ہی کر رہا ہے اب تم خود دیکھ لو کہ جس چیز کی

حفاظت اللہ اپنے ذمہ لیتا ہے وہ کتنی محفوظ رہتی ہے۔ لہٰذا یہ کتاب جس کی ذمہ داری بھی اللہ نے لی ہے کس قدر محفوظ رہنی چاہیئے مگر ہمارے مفسرین نے ان ساری شہادتوں اور تاکیدوں کو بیکار کر دیا۔ ان کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ مواقع النجوم کو شہادت میں پیش کرنے سے کیا مطلب ہے اور قرآن کیا کہنا چاہتا ہے مُلّا کی عادت ہے کہ جو بات اس کی سمجھ میں نہ آئے اسے وہ نہایت آسانی کے ساتھ دوسرے جہان پر چسپاں کر کے چھٹی حاصل کر لیتا ہے چنانچہ یہاں بھی مفسرین نے کہہ دیا کہ یہ اس دنیا جہان کی بات ہی نہیں یہ تو دوسرے جہان کی بات ہے۔ کتاب مکنون سے مراد لوح محفوظ ہے اور مطہرون سے مراد فرشتے ہیں چلئے چھٹی ہوگئی۔ آیات کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے جسے فرشتے ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ مگر دوسری طرف یہی مفسرین جب یہ حکم لگاتے ہیں کہ قرآن پاک کو جنابت اور حدث کی حالت میں چھونا جائز نہیں ہے۔ قرآن کو وضو کر کے پاک صاف ہو کر ہاتھ لگانا چاہیئے تو پھر اسی مطہرون سے مراد فرشتوں کے بجائے انسان ہو جاتے ہیں۔

قرآنِ کریم رقِ منشور میں لکھا ہوا ہے

دوسری جگہ قرآن کریم ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ محفوظ کتاب جس کا اوپر ذکر آچکا ہے کس چیز پر لکھی ہوئی ہے۔ پتھر کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی ہے۔ کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی ہے۔ ہڈی کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی ہے یا کسی کاغذ پر لکھی ہوئی ہے۔ آخر کس چیز پر لکھی ہوئی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی چیز پر بھی لکھی ہوئی نہیں بلکہ وہ رق منشور پر لکھی ہوئی ہے یعنی ہرن کی جھلّی کے بڑے بڑے کاغذوں[1] (PARCH MENT) پر۔ ملاحظہ فرمائیے۔

والطور ۝ وکتاب مسطور ۝ فی رق منشور ۝ والبیت المعمور ۝ والسقف المرفوع ۝ والبحر المسجور ۝ ان عذاب ربك لواقع

متعین ومعلوم پہاڑ (حرا) اور یہ کتاب (قرآن) جو لکھی ہوئی ہے بڑے بڑے کشادہ[2] جھلّی کے کاغذوں پر اور بیت معمور (کعبہ) اور بلند چھت (آسمان) اور پُر جوش

---

[1]: الرق جلد رقیق یکتب فیہ (محیط المحیط) جلد ا صفحہ ۸۰ اس زمانے میں نرم کھال (جھلیوں) کے بنے ہوئے "کاغذ" لکھنے میں استعمال ہوا کرتے تھے۔

سمندر اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ تیرے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے۔

ان آیات میں قرآنِ کریم نے چند چیزوں پر روشنی ڈالی ہے (۱) قرآن ایک کتاب ہے (۲) وہ کتاب لکھی ہوئی ہے (۳) اور ہرن کی جھلی کے کشادہ کاغذوں پر لکھی ہوئی ہے۔

یہاں تک ہمیں قرآن کی ان تصریحات سے یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن لکھا ہوا تھا۔ ایک کتاب میں لکھا ہوا تھا اور ایک خاص ترتیب کے ساتھ لکھا ہوا تھا نیز یہ کہ وہ ہرن کی جھلی کے کشادہ کاغذوں پر لکھا ہوا تھا۔ اب صرف ایک چیز باقی رہ گئی کہ لکھنے والے کون تھے اور وہ کیسے لوگ تھے۔ قرآن کریم کہتا ہے۔

كلا انها تذكرة - فمن شاء ذكره - في صحف مكرمة مرفوعة مطهرة بايدي سفرة ، كرام بررة
(۸۰ / ۱۱ - ۱۶)

یوں نہیں، یہ تو ایک نصیحت ہے۔ پھر جو کوئی چاہے اس کو پڑھے، لکھا ہوا ہے، عزت کے ورقوں میں۔ اونچے رکھے ہوئے۔ نہایت ستھرے ہاتھوں میں لکھنے والوں کے، جو بڑے درجہ والے نیک کار ہیں۔

یہ ترجمہ ہم نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کر دیا ہے۔ اگرچہ اس ترجمہ کے بعض الفاظ سے ہمیں اختلاف ہے مگر ہمیں دکھانا یہ ہے کہ سفرۃ کے معنی لکھنے والوں کے ہیں اور یہ سافر، کی جمع ہے جس کے معنی خوشنویس اور ماہر کتابت کے آتے ہیں نہ کہ سفیر کی جیسا کہ بعض دوسرے مفسرین نے امام بخاریؒ سمیت ظاہر کیا ہے اس کے حاشیہ پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم رقمطراز ہیں۔

یعنی وہاں فرشتے اس کو لکھتے ہیں۔ اسی کے موافق وحی اترتی ہے اور یہاں بھی اوراق میں لکھنے والے اور جمع کرنے والے دنیا کے بزرگ ترین، پاکباز، نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں جنہوں نے ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیل سے اس کو پاک رکھا ہے۔
(صـ۷۶۲ ترجمہ شیخ الہند)

جیسا کہ قرآنی شہادت سے اس سے پہلے ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ وحی نازل ہونے کے بعد اوّل آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خود قلم بند فرما لیا کرتے تھے اور اس کے بعد کاتبینِ وحی اور صحابہ کرام رض کو لکھوا دیا کرتے تھے اور یہ سلسلہ التزاماً (صبح و شام) جاری رہتا تھا۔ آیت مندرجہ بالا میں قرآن کریم نے ان تمام لکھنے والوں کی پاکبازی، دیانت، نیکوکاری اور بزرگی کی شہادت دی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کتاب خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ جیسے پاکباز انسانوں کے ہاتھوں ضبطِ تحریر میں لائی جا رہی ہو اس کے متعلق کسی قسم کا بھی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن کتابی شکل میں تمام مسلمانوں کے گھروں میں موجود تھا

اس وقت تک خود قرآن کی شہادتوں سے آپ دیکھتے آ رہے ہیں کہ قرآن کریم نازل ہوتا تھا تو اسے فوراً لکھ لیا جاتا تھا۔ اس کا صرف ایک ہی نسخہ موجود نہیں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس محفوظ رہتا ہو بلکہ وہ نسخہ تو اصل نسخہ تھا، (جسے روایات میں امام یا الامّ کے نام سے یاد کیا گیا ہے) اس نسخہ سے صبح و شام دوسرے کاتبینِ وحی اور اہلِ علم صحابہ اپنے اپنے لئے نقل کرتے رہتے تھے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ نقلیں کی جاتی تھیں۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے تھے اور یہ دوسرے لوگ لکھتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کے نسخے اس زمانے میں عام طور پر لکھے جاتے تھے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا جس کتاب پر مسلمانوں کا ایمان تھا جو ان کی زندگی کا ضابطۂ عمل تھی۔ جو ہر وقت ان کے پیشِ نظر رہتی تھی، ہو نہیں سکتا کہ اس کتاب کے نسخے ان کے پاس موجود نہ ہوں۔

اگر کتابت کے ساتھ حافظوں میں بھی محفوظ کر دیا جائے تو حفاظت اور بھی محکم ہو جاتی ہے

قرآن کریم کو لکھ لینے کا کس قدر بلیغ اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ تو آپ گزشتہ اوراق میں دیکھ چکے ہیں۔ ...

قرآن لکھ لینے پر کتنا زور دیتا ہے اور یہ بھی آپ نے دیکھ لیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہؓ نے اس کی کس طرح تعمیل کی لیکن اگر تاریخ عالم اور دنیا کے انقلابات پر آپ کی نظر ہے تو آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کسی کتاب کو لکھوا دینے کے ساتھ ساتھ اگر حفظ (یاد) بھی کرا دیا جائے تو اس کی حفاظت اور بھی محکم ہو جاتی ہے اس لئے کہ ایسے حادثات بھی آتے ہیں جو اسے اپنے مکتوب علمی خزانوں سے محروم کر دیتے ہیں۔ امم سابقہ پر یہی کچھ بیت چکی تھی۔ یہود کے پاس الواح میں لکھی ہوئی تورات موجود تھی۔ عیسائیوں کے پاس بھی انجیل مکتوب صورت میں موجود تھی۔ تورات کی حفاظت کا یہودیوں نے کچھ کم انتظام نہیں کیا تھا۔ ایک تابوت میں اس کو مقفل رکھا جاتا تھا اور اس تابوت کی بہت تعظیم اور عزت کی جاتی تھی۔ عقیدت مندیوں کی بڑی سے بڑی داستانیں اس کے ساتھ وابستہ تھیں مگر بخت نصر کے ایک حملہ نے اور رومیوں کے ایک سیلاب نے دونوں قوموں کو ان کی کتابوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا مصری قوم تہذیب و تمدن میں تمام اقوام عالم کی پیشرو تسلیم کی گئی ہے۔ ان کے تاریخی منکشفات آج بھی علمائے عالم کو ورطۂ حیرت میں گم کئے ہوئے ہیں۔ مگر ان کا تمام علمی اور کتابی سرمایہ یونانیوں کے ایک حملہ کو برداشت نہ کر سکا۔ اسکندریہ کی عظیم الشان لائبریری یوں نذرِ آتش کر دی گئی کہ اس کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی پر باقی نہ رہا۔ لہٰذا کسی علمی سرمایہ کو ہمیشہ ہمیشہ محفوظ کرنے کے لئے جہاں صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ انسانوں کے حافظوں پر اعتماد کیا جائے بلکہ اس کو لکھ لینا بھی ضروری ہے وہاں صرف لکھ لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کو انسانی حافظوں میں بھی محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔ جب تک ان دونوں گوشوں سے کسی چیز کو محفوظ نہیں کیا جاتا اس وقت تک وہ محفوظ نہیں رہ سکتی۔ حفاظت کے یہ دو بازو ہیں اگر کسی کتاب کے یہ دونوں بازو سلامت ہیں تو وہ رخشِ حیات کے ساتھ ساتھ پرواز کرتی چلی جائے گی لیکن جہاں اس کا کوئی سا ایک بازو بھی ٹوٹ گیا وہیں وہ گر پڑے گی۔

قرآن کریم کو انسانی سینوں میں بھی محفوظ کیا گیا

جو کتاب سینہ اور سفینہ دونوں میں محفوظ ہو وہی ہمیشہ محفوظ رہ سکتی ہے۔ قرآن کریم نے اپنی حفاظت کے ایک گوشے کو کس طرح محفوظ کیا ہے وہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ اس لئے اب حفاظت کے دوسرے گوشہ کو بھی دیکھ لیں۔ قرآن کریم نے ابتداءِ رسالت ہی میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تاکید فرما دی تھی:

یاایھا المزمل قم الیل الا قلیلا ۵ نصفہ اوانقص منہ قلیلا ۵ اوزد علیہ ورتل القرآن ترتیلا ۵ (۷۳/ ۱-۴)

اے تزمیل کرنے والے، شب کے قلیل حصہ کو چھوڑ کر (کہ اس میں تم سو سکتے ہو) زیادہ تر رات کو قیام کیا کرو یعنی آدھی رات اسی شغل میں گزارو، کبھی ضرورتاً تھوڑا سا کم کر دو یا بڑھا دو تو مضائقہ نہیں ہے اور اس رات کے قیام میں ترتیل کے ساتھ القرآن کی تلاوت کرو۔

یہاں لفظاً خطاب اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو تھا مگر معناً اس میں تمام مسلمان مخاطب تھے۔ چنانچہ ہر مسلمان اپنے اپنے گھر میں رات کا زیادہ تر حصہ قیام لیل ہی میں گزارتا تھا اور اس میں برابر تلاوتِ قرآن کی جاتی تھی اور ہر رات کو قرآن کا وہ حصہ جو اس وقت تک نازل ہو چکا تھا، ختم کر لیا جاتا تھا لیکن آئندہ چل کر قرآن جوں جوں نازل ہوتا جا رہا تھا اس کے حجم میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا حتیٰ کہ ہجرت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں قرآن کریم کا حجم اتنا ہو چکا تھا کہ ایک رات میں پورے قرآن کا ختم کر لینا آسان کام نہیں رہا تھا۔ سونا اور آرام کرنا بھی فطرتاً ضروری تھا۔ مملکت کے دوسرے مشاغل کی وجہ سے جو دن بدن بڑھتے جا رہے تھے رات کی نیند کی کمی دن میں پوری نہیں کی جا سکتی تھی اس لئے اس حکم میں تخفیف ہوگئی۔ چنانچہ اس سورت کی آخری آیات میں ہے:

ان ربک یعلم انک تقوم ادنی من ثلثی الیل ونصفہ وثلثہ وطائفۃ

من الذین معک۔ واللہ یقدر اللیل والنھار ط علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرؤا ما تیسر من القراٰن ٥ (۲۰/۷۳)

اے پیغمبر، تمہارے پروردگار کو معلوم ہے کہ تم تقریباً دو تہائی رات، آدھی رات اور تہائی رات تک کھڑے رہتے ہو اور ان لوگوں کی ایک جماعت بھی (رات کا بیشتر حصہ قیام اللیل ہی میں گزارتی ہے) جو آپ کے ساتھ ہے۔ اللہ ہی رات اور دن کا اندازہ مقرر فرماتا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ تم اس کو ہمیشہ پورا نہیں کر سکو گے لہذا اپنی عنایات تم پر منعطف کرتا ہے اور یہ سہولت عطا کرتا ہے کہ آئندہ (دو تہائی، آدھی یا ایک تہائی رات کی تقیید نہیں ہے) جس قدر سہولت سے ہو سکے، قرآن پڑھ لیا کرو۔

مگر تاریخی روایات شاہد ہیں کہ اس تخفیف کے بعد بھی بعض حضرات صحابہؓ رات بھر میں پورا قرآن ختم کرنے کے عادی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ اور حضرت عثمان بن عفان خلیفۂ سوم رضی اللہ عنہم کے نام اس سلسلہ میں زیادہ مشہور ہیں۔ یہ حکم کہ قرآن کریم کی تلاوت کی جائے صرف مردوں ہی کو نہیں تھا بلکہ اس میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے متعلق قرآن کریم میں یہ صریح حکم موجود ہے:

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من اٰیٰت اللہ والحکمۃ (۳۳/۳۴)

اور اے ازواجِ نبی، جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی رہتی ہیں، ان کو پیشِ نظر رکھا کرو۔

اس تعامل اور مزاولت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان مرد اور عورتوں کے حافظوں میں بھی قرآن کریم محفوظ ہو گیا۔ حتیٰ کہ قرآن کریم نے یہ اعلان کر دیا کہ

بل ھو اٰیٰت بیّنٰت فی صدور الذین اوتوا العلم (۲۹/۴۹)

بلکہ قرآن کریم واضح آیات کا ایک مجموعہ ہے جو اہلِ علم کے سینوں میں محفوظ ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ذرا ان نتائج کو دہرا لیجیئے جو قرآن کریم کی داخلی شہادتوں سے اب تک ہمارے سامنے آ چکے ہیں :-

۱۔ قرآن لکھنے پڑھنے کو انتہائی اہمیت دیتا ہے۔

۲۔ جو چیز لکھی ہوئی موجود نہ ہو اس کی صحت کی کوئی ضمانت ہو سکتی ہے نہ شہادت کے لئے استوار ہو سکتی ہے اور نہ ہی شکوک و شبہات سے بالاتر ہو سکتی ہے۔

۳۔ منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد آپ لکھنا پڑھنا سیکھ چکے تھے اور اس کے بعد آپ اُمّی نہیں رہے تھے۔

۴۔ وحی نازل ہونے کے بعد اول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خود لکھ لیتے تھے اور پھر صحابہؓ کو لکھوا دیا کرتے تھے اور ایسا بالالتزام ہوتا رہتا تھا۔

۵۔ قرآن نے اپنے کو بار بار کتاب کہا ہے اور کتاب کہتے ہی اس کو ہیں جس کی شیرازہ بندی کی جا چکی ہو۔

۶۔ قرآن اس مجموعہ کا نام ہے جس میں بہت سی سورتیں ہیں۔

۷۔ قرآن کریم عموماً مسلمانوں کے پاس لکھا ہوا موجود تھا اور لوگ اس میں دیکھ دیکھ کر اس کی تلاوت کرتے تھے۔

۸۔ قرآن کریم مکتوب شکل میں موجود تھا اور اس کے لکھنے کے لئے ہرن کی جھلّی کے کشادہ بڑے بڑے اوراق استعمال کیے جاتے تھے۔

۹۔ قرآن کریم کو لکھنے والے لوگ نہایت پاکباز، نیکوکار اور فرشتہ خصلت ماہرین کتابت کیا کرتے تھے۔

۱۰۔ قرآن کتابی شکل میں مسلمانوں کے گھروں میں موجود تھا۔

۱۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذین معہٗ راتوں کو پورا قرآن ختم فرمایا کرتے تھے۔

۱۲۔ عورتوں کو بھی قرآن کریم کو یاد کرنے کا حکم تھا۔

۱۳۔ عہدِ رسالت میں اہل علم مردوں اور عورتوں کے سینوں میں قرآن کریم محفوظ ہو چکا تھا۔

ان تصریحات کی روشنی میں ذرا آگے بڑھیئے اور حق تعالیٰ کے ان حتمی اعلانات اور وعدوں پر بھی غور فرمائیے جو اس نے قرآن کریم کی حفاظت اور جمع کرنے اور نیز باطل سے ہمیشہ کے لئے اس کی نگہداشت کرنے کے بارے میں فرمائے ہیں اور غور کیجیئے کہ نزول قرآن سے آج تک کس طرح حق تعالیٰ کے وہ تمام اعلانات اور وعدے حرف بحرف پورے ہوئے۔ قرآنِ کریم کا اعلان ہے :

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون ○ (۱۵/۹)

یہ واقعہ ہے کہ الذکر (قرآن کریم) کو ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ بھی ہیں۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

قرآن کریم کو ہم نے نازل کیا ہے اور نیز یہ کہ قرآن کی حفاظت ہم نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ گزشتہ اوراق میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس نے اسی حقیقت کی شہادت میں عالم آفاق سے ستاروں کی شہادت پیش فرمائی تھی کہ دیکھ لو اللہ جس چیز کی حفاظت کا ذمہ لے لیتا ہے وہ کس طرح محفوظ رہتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال قرآن کریم کی حفاظت کا ہے کہ اللہ نے اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری قبول فرمائی تو آج تک اس میں ایک نقطہ اور شوشہ تک کی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکی۔

یہ تو کتاب کی حفاظت کے متعلق تھا۔ مگر کتاب کی حفاظت تو کتاب کی جمع وتدوین کے بعد ہی ہو سکتی تھی۔ اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ کتاب کی جمع تدوین کی ذمہ داری بھی اللہ نے خود ہی لے لی ہو۔ قرآن کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ اس کی ذمہ داری بھی اللہ نے خود اپنے ہی ذمہ رکھی ہے، ملاحظہ ہو، قرآن کا ارشاد ہے۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به ○ ان علينا جمعه وقرانه فاتبع قرانه فاذا قرأنه فاتبع قرانه ○ ثم ان علينا بيانه (۷۵/۱۶-۱۹)

اے پیغمبرؐ تم اپنی زبان کو جلدی جلدی پڑھ لینے کے لئے حرکت نہ دو۔

(اطمینان رکھو) یہ حقیقت ہے کہ قرآن کی جمع و تدوین اور اس کو پڑھانا ہمارے ذمہ ہے لہٰذا جب ہم قرآن کو پڑھیں (یعنی وحی کریں) تو تم اس پڑھنے کی پیروی کرو۔ اس کے بعد اس کی توضیح و بیان ہمارے ہی ذمہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں قرآن کریم نے تین عظیم الشان حقیقتوں کا اعلان کیا ہے جو صحیح ایمان کی بنیاد ہیں:-

۱۔ قرآن کی جمع و تدوین بھی حق تعالےٰ ہی کے ذمہ ہے۔

۲۔ قرآن کو پڑھانا بھی حق تعالےٰ ہی کے ذمہ ہے۔

۳۔ اور اس کے بعد اس کے معانی و مطالب کی توضیح و تشریح کے لئے بھی کسی قسم کے خارجی سہاروں کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اس کی ذمہ داری بھی اللہ نے اپنے ذمہ ہی رکھی ہے جو اللہ ہی کی طرف سے پوری ہونی چاہیئے۔ قرآن اپنی شرح خود اپنے آپ کرتا ہے اور تصریف آیات سے وہ اپنے معانی و مطالب کو خود ہی واضح کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ کتاب مبین (۵/۱۵) ہے۔ اس کی آیات بیّنٰت ہیں ۲۴/۱ وہ النور ہے ۷/۱۵۷، ۶۴/۸ وہ خود ایک ایسی روشنی ہے جس کے لئے کسی دوسری روشنی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ان تصریحات کے بعد اب قرآن کریم کے اس عظیم القدر اعلان کو سامنے لائیے جس میں فرمایا ہے کہ:-

وانه لكتاب عزيز . لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه ط تنزيل من حكيم حميد (۴۱/۴۲-۴۱)

اور یہ حقیقت واقعہ ہے کہ قرآن بلاشبہ بڑی عزت والی کتاب ہے کہ باطل اس پر نہ سامنے سے حملہ کر سکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے حملہ کر سکتا ہے (اور وہ ہمیشہ کے لئے دونوں طرف سے محفوظ ہے) یہ اس پروردگار کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے جو بڑی حکمت والا ہے اور ہر تعریف کا مستحق ہے۔

آپ نے دیکھا کہ باطل کی سرگرمیوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کس طرح قفل ڈال دیئے گئے ہیں کہ باطل اس پر کسی جہت سے بھی حملہ آور نہ ہو سکے گا۔ اس میں نہ کوئی شخص کبھی کسی ایک لفظ، ایک شوشہ اور ایک نقطہ کا اضافہ کر سکے گا اور نہ ہی کمی کر سکے گا۔

لہذا آیاتِ مندرجہ بالا سے مندرجہ ذیل نتائج ہمارے سامنے آ گئے۔

۱۔ قرآن، اللہ نے نازل کیا ہے۔

۲۔ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔

۳۔ قرآن کی جمع وتدوین اور اس کو پڑھانے کی ذمہ داری بھی اللہ نے اپنے ہی ذمہ لی ہے۔

۴۔ قرآن کے بیان وتوضیح کی ذمہ داری بھی اللہ نے خود اپنے ہی ذمہ لی ہے لہذا قرآن کی تشریح وتوضیح کے لئے کسی خارجی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۔ قرآن پر باطل کی ہر ممکن سرگرمی کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے گئے ہیں اس لئے کوئی طاقت اس میں کسی قسم کی تحریف نہیں کر سکتی۔

جمع قرآن کے متعلق

غیر مسلم مؤرخین کا اعتراف

یہ واقعہ کہ قرآن کریم حرفاً حرفاً وہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا تھا، ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ان غیر مسلم مورخین کو بھی کرنا پڑا جنہوں نے عقیدتمندانہ نظر سے نہیں بلکہ مورخانہ انداز سے اس امر کی تحقیق کی ہے اور اس تحقیق پر روایات کو اثر انداز نہیں ہونے دیا۔ نمونہ کے طور پر ہم یہاں صرف چند شہادتوں پر اکتفا کریں گے تاکہ معلوم ہو سکے کہ مخالفین قرآن بھی قرآن کے ان بلند بانگ اعلانات کے متعلق کس قسم کے اعترافات پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ یورپ کی مشہور مستشرق BARONESS MARGARATE VON STEIN قرآن کریم کے متعلق رقم طراز ہے۔

اگرچہ تمام مذہبی صحائف اللہ کی طرف سے نازل ہوئے تاہم صرف قرآن ہی ایک ایسا آسمانی صحیفہ ہے جس میں ذرا بھی ردو بدل نہیں ہوا اور وہ اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔

اسی طرح ایک دوسرا مستشرق HORTWING HIRSCHFELD اپنی کتاب NEW RESEARCHES INTO THE COMPOSITION AND EXEQESES OF THE QURAN میں بالفاظ ذیل اس اصل حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

عہد حاضر کے نقاد اس پر متفق ہیں کہ قرآن کے موجودہ نسخے اس اصلی نسخہ کا ہو بہو عکس ہیں جسے (حضرت زید ابن ثابتؓ) نے لکھا تھا اور قرآن کا متن بعینہٖ وہی ہے جسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (لکھا کر) دیا تھا۔

اتنا ہی نہیں انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کا مصنف "قرآن" کے زیر عنوان یہ اقرار کرتا ہے:۔

یورپ کے محققین کی وہ تمام کوششیں جو قرآن کے اندر بعد میں اضافات وغیرہ ثابت کرنے کے لیے کی گئی تھیں، قطعاً ناکام رہی ہیں۔ سر ولیم میور اپنی کتاب (LIFE OF THE MUHAMMAD صلی اللہ علیہ وسلم) میں بدیں الفاظ اس مذکورہ بالا حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں:۔

درنہ اس کے لئے داخلی اور خارجی ہر قسم کی ضمانت موجود ہے کہ ہمارے پاس قرآن کا بعینہٖ وہی متن موجود ہے جو خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (امت کو) دیا تھا اور خود استعمال کیا تھا۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن کے وہ دعاوی اور ان کی صداقت صرف ہمارے نزدیک ہی مسلم نہیں ہے بلکہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی ان دعووں کی صداقت پر آج تک انگلی نہیں رکھ سکے اور متعصب سے متعصب معاندین بھی اپنی تمام کوششوں کی ناکامیوں کے بعد ان عظیم حقیقتوں کے اعتراف پر مجبور ہو گئے ہیں کہ :۔

۱۔ قرآن کریم اور صرف قرآن کریم ہی ایک ایسا آسمانی صحیفہ ہے جس میں ذرا بھی ردوبدل نہیں ہوا اور وہ اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے۔

۲۔ عہد حاضر کے نقاد اس پر متفق ہیں کہ قرآن کے موجودہ نسخے اس نسخہ کا ہو بہو عکس ہیں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کر دیا تھا۔

۳۔ یورپ کے محققین کی وہ تمام کوششیں قطعاً ناکام رہی ہیں جو قرآن کے اندر بعد کے

زمانہ میں کسی اضافہ وغیرہ کو ثابت کرنے کے لئے کی گئی تھیں۔

۴۔ قرآن کا متن بعینہٖ وہی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا تھا اور جو خود آپ کے استعمال میں رہتا تھا۔

• قرآن کی اپنی ان داخلی شہادتوں اور مخالفین و معاندینِ اسلام کے ان اعترافات کے بعد کون بدبخت مسلمان ہوگا جو قرآن کریم کے متعلق اپنے حاشیۂ خیال میں شک و شبہ کا وہم و خیال بھی لا سکے گا۔

قرآن اپنے متعلق جو کچھ کہتا ہے وہ بھی ہمارے سامنے آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان غیر مسلم مؤرخین کی شہادات بھی ہمارے سامنے آ گئیں جنہوں نے روایات کو اپنی تحقیق پر اثر انداز نہیں ہونے دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم نے ان روایات کو بھی دیکھ لیا جن کی رو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن یکسر غیر محفوظ کتاب ہے جس میں بے شمار اختلافات موجود تھے۔ ان تصریحات کے بعد آپ ہم سے نہیں اپنے دل سے پوچھیئے کہ قرآن واقعی اللہ کی محفوظ کتاب ہے یا نہیں اور کیا قرآن کریم کو اس کی موجودہ صورت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے یونہی غیر مرتب اور غیر محفوظ شکل میں چھوڑ گئے تھے۔

اے مسلماں پوچھ اپنے دل سے، مُلّا سے نہ پوچھ

اسطوانۃ المصحف و صندوق المصحف

میرے بعض ذی علم اعزہ واحباب نے زبانی بھی اور خطوط کے ذریعے بھی یہ دریافت فرمایا ہے کہ میں نے اپنی کتاب "احادیث جمع قرآن" میں بعض باتیں ایسی لکھ دی ہیں جن کی سند نہیں دی ہے۔ چنانچہ ایک عزیز نے اپنے خط میں یوں تحریر فرمایا ہے:

"جمع قرآن والی کتاب میں آپ نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں قرآن کتابی شکل میں لکھا ہوا موجود تھا۔ اور اس کو "امام" یا "ام" کہتے تھے جو ایک ستون کے پاس صندوق میں مسجد نبوی میں رکھا رہتا تھا۔ اور اس ستون کا نام "اسطوانۃ مصحف" پڑ گیا تھا۔ اور بعد میں یہی مصحف حضرت حفصہؓ کی تحویل میں دے دیا گیا تھا" ان امور کے لئے آپ نے کوئی سند پیش نہیں کی ہے بہرحال ان تمام امور کا ثبوت درکار ہے ..... الخ"

زبانی پوچھنے والوں کو تو میں نے زبانی جواب دے دیا اور گھر پر بلا کر سندیں بھی دکھا دیں مگر تحریری مستفسرین جنہوں نے خطوط کے ذریعے دریافت فرمایا ہے ان کا تحریری جواب مناسب ہے۔ کہ اور بھی کسی کے دل میں یہ خلش ہو تو دور ہو جائے۔

سب سے پہلے یہ عرض کر دینا ہے کہ اس کتاب کا موضوع "صحاح کی احادیث جمع قرآن" کی صرف تنقید ہے۔ "جمع قرآن کی تاریخ" اس کتاب کا موضوع نہیں اس لئے ناظرین کو دیکھنا چاہیے کہ اس میں احادیث جمع قرآن جو صحاح میں مذکور ہیں ان کی تنقید کا حق ادا کیا گیا ہے یا نہیں؟ تنقید کی غرض یہ ہے کہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ واقعۂ جمع قرآن بعہد حضرت صدیق اکبرؓ اور واقعہ نقل مصاحف بعہد حضرت عثمان ذوالنورینؓ سرے سے غلط اور کذب و افترا ہے اور یہ قرآن جو ساری دنیا تے اسلام میں چودہ سو برس سے حفظاً، کتابتاً تلاوتاً، قرآتاً، تعلیماً اور تعلماً بر سبیل تواتر غیر منقطع عہد نبوی سے اس وقت تک چلا آرہا ہے۔ اس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ مبارک میں اپنی نگرانی میں جمع کرا دیا تھا اور صحابہؓ کے پاس کتابی صورت میں قرآن موجود تھا جس کو دیکھ کر صحابہؓ پڑھتے تھے اور اپنے بچوں اور بچیوں کو پڑھاتے تھے میں نے اس دعوے کے جتنے دلائل پیش کئے ہیں ان سے میرا یہ دعویٰ ثابت ہو رہا ہے یا نہیں؟ جو باتیں تاریخ جمع قرآن سے متعلق ضمناً مذکور ہوگئی ہیں بالفرض بے سند بلکہ غلط ہی سہی مگر اس سے اس کتاب کے اصل موضوع پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نازل شدہ آیت کو لکھواتے تھے ہر اتری ہوئی سورت کو لکھواتے تھے تو جب آخری آیت اتر گئی تو پورا قرآن مجتمع ہوگیا۔ وہ چاہے رق منشور پر مجتمع ہوا ہو چاہے کاغذ پر، چاہے ہڈی یا تختی یا کھال یا چھال، جس پر بھی ہو، بہر حال مجتمع ہوا۔ اس کو ام یا امام کہتے تھے یا نہیں کہتے تھے۔ یہ اس کتاب کا کوئی اہم موضوع نہیں ہے وہ صحیفے جو آپ نے لکھوائے تھے آخر کہیں نہ کہیں رکھے تو ضرور جاتے تھے صندوق میں نہ سہی کسی کپڑے کی گٹھڑی ہی میں سہی۔ مسجد نبوی میں کسی ستون کے پاس نہیں تو ازواج مطہرات میں سے کسی کے حجرے ہی میں سہی ورنہ اور کونسی جگہ

ہو سکتی ہے ؟ مجھ کو سخت تعجب ہے کہ اب تک اسی قسم کے سوالات زبانی بھی ہوئے اور تحریری بھی آئے مگر نفس تنقید احادیث اور ان حدیثوں کے کذب و افترا ہونے کے دلائل پر اب تک کوئی کچھ نہیں بولتا۔ اندازیہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری کتاب میں بس صرف ام یا امام اور اسطوانۂ مصحف ہی کا چونکہ ثبوت سہواً درج نہ ہو سکا اس لئے ہر شخص بس صرف اسی کو زبانی بھی پوچھتا ہے اور تحریری بھی۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں باتوں کا کوئی ثبوت مصنف کے پاس نہیں ہے تو بس اسی کو لے کر پوری کتاب کو بے ثبوت و بے سند اور محض قیاس آرائی کہہ کر مشہور کر دیا جائے کہ تمنا نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل غلط اور مہمل لکھا ہے۔ کسی بات کا کوئی ثبوت ہی پیش نہیں کیا۔ اللہ کرے کہ یہ میرا سوء ظن ہو اور پوچھنے والوں کا یہ مقصد نہ ہو بلکہ واقعی دریافت حال اور ایک شبہ کا ازالہ ہی مقصود ہو۔ مگر مجھ کو اس بدگمانی کی وجہ یہ ہوئی کہ ہر شخص اسطوانۂ مصحف اور صندوق مصحف ہی کے ثبوت کو پوچھتا ہے۔ ام یا امام کے متعلق تو صرف دو شخصوں نے دریافت کیا ہے اور یہ سارے پوچھنے والے علماء کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں یا ایسے بالغ نظر انگریزی داں ہیں جن کی نظر کافی وسیع ہے اور وہ اسلامی تاریخ اور حدیث و تفسیر سے کافی واقفیت رکھتے ہیں اگر عوام پوچھنے والے ہوتے تو مجھ کو یہ بدگمانی نہ ہوتی۔ ہندوستان و پاکستان سے اب تک میرے پاس بائیس خط آچکے ہیں جن میں سے ہر خط میں اسطوانۂ مصحف اور صندوق مصحف پر، مہذب و غیر مہذب طریقے سے سوال کیا گیا ہے کراچی سے بذریعہ خط اور ڈھاکے میں زبانی صرف دو شخصوں نے ام اور امام کے بارے میں دریافت فرمایا ہے۔ بہرحال اب میں سوالی عبارت کا تجزیہ کر کے ہر ایک کا ثبوت پیش کرتا ہوں۔

۱ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک ہی میں قرآن کتابی شکل

میں موجود تھا" اس کا ثبوت کافی سے زیادہ میری کتاب میں موجود ہے اگر کتاب کی صورت میں قرآن صحابہؓ کے پاس موجود نہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو مصحف دیکھ کر پڑھنے اور کتاب دیکھ کر پڑھنے کی ترغیب کس طرح فرماتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو جہاد وغیرہ کے سفر میں مصحف ساتھ لے کر سفر کرنے سے کیوں منع فرماتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقیات الصالحات کے ضمن میں اس مصحف کا ذکر کیوں فرمایا جو میت اپنی میراث میں چھوڑ جائے۔ اور اس کے ورثاء اس میں پڑھیں وغیرہ ذالک۔ اور ان سب کی سندیں اصل کتاب میں مذکور ہیں۔ دیکھیے صفحات ۱۶۲ سے ۱۷۳ تک۔

۲ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مصحف یا صحیفے لکھوا لکھوا کر جمع کر لئے تھے ان کا نام ام یا امام پڑ گیا تھا۔ اس کا ثبوت ذرا طوالت لئے ہوئے ہے اس لئے اس بحث کو میں ذیلی نمبروں میں عرض کرتا ہوں۔ اگرچہ اس طرح بھی طوالت سے بچنا مشکل ہے پھر بھی فی الجملہ اختصار ضرور ہوگا۔

(ا) حضرت حفصہؓ کے پاس صحیفوں کی شکل میں پورے قرآن مجید کا ہونا مسلم ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

(ب) کہا جاتا ہے کہ وہ صحیفے وہ تھے جن کو زید بن ثابتؓ نے حضرت عمرؓ کے مشورے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم سے جمع کیا تھا۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ صحاح کی حدیثوں میں ہے۔ مگر ان حدیثوں کی زبردست تنقید کر کے روایتاً و درایتاً میں نے ہر طرح سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ حدیثیں موضوع بلکہ بخاری وغیرہ میں ملاحدۂ عجم کی داخل کردہ ہیں اور واقعۂ جمع صدیقی محض بے اصل، بے بنیاد کذب اور افترا ہے اور اس کے ایسے ایسے قوی دلائل میں دے چکا ہوں جن کی تردید نہیں ہو سکتی۔ اس لئے وہ صحیفے یقیناً جمع صدیقی والے تو تھے نہیں۔ تو پھر

وہ کون سے صحیفے ہو سکتے ہیں بجز صحف نبوی کے ؟

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر وہ جمع صدیقی والے صحیفے نہیں ہو سکتے تو حضرت حفصہؓ کے ذاتی صحیفے ہوں گے جن میں وہ تلاوت فرماتی تھیں۔ اس لئے کہ ان کے ذاتی صحیفوں کی کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں ہو سکتی کہ نقل مصاحف بعہد عثمانی کی حدیث گھڑنے والے صرف انہی صحیفوں کے منگوانے اور انہی کی نقل کرانے کا ذکر کرتے۔ ہر ام المومنین رضی اللہ عنہن کے پاس ایک مصحف تھا جس میں وہ تلاوت فرماتی تھیں اور پھر دوسرے اکابر صحابہؓ کے پاس بھی ان کے جمع کردہ مصاحف موجود تھے۔ نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث گھڑنے والا ہر جگہ سے مصحف منگوانے کا ذکر کرتا۔ مگر وہ واقف تھا کہ حضرت حفصہؓ کے پاس صحف نبوی تھے۔ اس لئے اس نے نقل مصاحف بعہد عثمانی کی حدیث گھڑنے کے وقت صرف ارسلی الینا الصحف لکھا۔ صحف پر الف لام عہد کا ضرور ہے مگر اس کو مبہم رکھا کہ وہ کون سے صحف تھے اور اس کا پتہ بتانے کے لئے جمع صدیقی والی ایک الگ حدیث مستقل طور سے گھڑی۔ تا کہ یہ سمجھا جائے کہ یہاں الصحف پر عہد کا الف لام ہے۔ اس سے مراد وہی جمع صدیقی والے صحیفے ہیں جن کو زید بن ثابتؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم سے مرتب کیا تھا مگر دروغ گو را حافظہ نباشد، اگر واقعی کوئی ایسا صحیفہ ہوتا جس کو حضرت فاروق اعظمؓ کے مشورے سے حضرت صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ سے مرتب کرایا ہوتا تو نقل مصاحف بعہد عثمانی کی حدیث گھڑتے وقت اس حدیث کے گھڑنے والے کو ضرور یہ یاد آ جاتا کہ حضرت حفصہؓ کے یہاں سے جن صحیفوں کے منگوائے جانے کا ذکر میں کر رہا ہوں وہ تو خود زید بن ثابت ہی سے مرتب و جمع کرائے گئے تھے۔ اس بات کو میں خود جمع صدیقی والی حدیث کے گھڑنے کے وقت بیان کر چکا ہوں یا اگر کسی دوسرے نے وہ حدیث

گھڑی تھی اور اس کو خبر ہوتی تو ضرور اس کا خیال کرتا۔ پھر انہی زید بن ثابتؓ پر یہاں تین تین قریشیوں کو مسلط کرنے کا ذکر نہ کرتا اور اگر ذکر کرنا ہی تھا تو کم سے کم اس کو بھی ضرور ذکر کرتا کہ جب حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ پر نقل مصاحف کے وقت تین تین قریشی ماہرین لغت قریش وحافظین قرآن کو مسلط کیا تو زیدؓ نے چیں بجبیں ہو کر کہا کہ اصل نسخۂ ام جس کو آپ متعدد مصاحف میں اس وقت نقل کرا رہے ہیں وہ تو میرا ہی ترتیب دادہ و جمع کردہ ہے اور آپ سے پہلے دو اجل خلفائے راشدینؓ نے پسند فرما کر اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی اور آج اسی کی صرف نقل کرانے میں مجھ پر تین تین قریشیوں کو مسلط کرایا جا رہا ہے؟ تابوت اور تابوہ کے جھگڑے کے وقت زید بن ثابت ضرور کہتے کہ ہم نے عہد صدیقی میں اسی منقول عنہ صحیفے میں تابوہ لکھا ہے جس کو آپ سے پہلے آپ سے افضل دو دو خلیفۂ راشد صحیح مان چکے ہیں اور وہ دونوں قریشی ہی تھے۔ آج ان تین قریشی نوجوانوں کو دو افضل البشر بعد الانبیا خلفائے راشدین کے قبول و منظور کردہ لفظ قرآن سے اختلاف کا کیا حق ہے؟ مگر حیرت ہے کہ زید بن ثابتؓ اپنی شکست وذلت چپ چاپ دیکھتے رہے اور کچھ نہ بولے! یہ بالکل خلاف عقل ہے۔

(ج) اصل یہ ہے کہ جمع صدیقی والی حدیث اس لئے گھڑی گئی کہ جو صحف نبوی حضرت حفصہؓ کے پاس تھے ان کو صحف نبوی کی جگہ صحف صدیقی ثابت کیا جائے تاکہ اس کی وہ اہمیت محفوظیت باقی نہ رہے اور نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث اس لئے گھڑی گئی کہ اختلافات قرأت کا جو طوفان اٹھایا گیا ہے اور انزل القرآن علی سبعة احرف کا جو شور مچایا گیا ہے اس کے بغیر اس طوفان اور اس شور کا کوئی اثر نفس قرآن مجید پر نظر نہیں آتا۔ قرأت کے سات ذہنی اسکول قائم کئے گئے اور ہر اسکول کی قرأت میں دوسرے اسکول

کی قرأت سے حرکات و سکنات، نقاط اور حروف و کلمات کے سینکڑوں فرق بتلائے جا رہے ہیں جن کی زیر دست تبلیغ اور پروپیگنڈہ ہے مگر دنیا میں قدیم سے قدیم اور جدید سے جدید قرآن مجید کے جتنے نسخے اسلاف و اخلاف کے ہاتھوں کے لکھے ہوتے ملتے ہیں سب کے سب صرف ایک ہی قرأت کے مطابق ہیں ان نسخوں میں جو تیرہ سو برس سے بلکہ بعضے اس کے بھی کچھ اوپر سے اب تک محفوظ چلے آرہے ہیں۔ کہیں ایک حرف، ایک نقطے کا بھی فرق نہیں ہے۔ ساری دنیا کے حفاظِ قرآن ہر زمانے میں ایک ہی طرح پڑھتے چلے آئے اور آج تک ایک طرح سارے حفاظ پڑھ رہے ہیں۔ پھر کیا ہے کہ وہ اختلافِ قرأت کا سارا طوفان اور سات حرفوں کی ساری ہنگامہ آرائیاں صرف کتابوں اور روایتوں ہی کے دھمی گوشے میں محدود نظر آتی ہیں؟ عملی دنیا میں کیوں مروج نہیں؟ یہ ایک ایسا سوال تھا کہ جس کا جواب انزل القرآن علی سبعۃ احرف کا شور مچانے والوں اور اختلاف قرأت کا طوفان اٹھانے والوں کے پاس کچھ نہ تھا اس لئے نقل مصاحف بعہد عثمانی کی روایت گھڑی گئی کہ حضرت عثمان رضؓ نے ساری امت کو علی حرفٍ واحدٍ ایک قرأت کا پابند کر دیا اور دوسری قرأتوں کے مصاحف کو جلوا دیا یا دھلوا دیا۔ اس لئے دوسری ساری قرأتیں صرف روایتوں کے گوشے میں محدود رہ گئیں اور تلاوت و قرأت، تعلیم و تعلم اور حفظ و کتابت میں مصحف عثمانی کا رواج ساری دنیا میں ہو گیا جس کو خود ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر کی پہلی جلد میں لکھ دیا ہے کہ اب چھ قرأتوں کا وجود دنیا میں باقی نہ رہا کیونکہ حضرت عثمان رضؓ نے ان کو بمشورہ صحابہؓ کرام بتقاضائے مصلحت وقت بالکل ضائع کرا دیا۔ اگر طوالت کا شوق نہ ہوتا تو میں تفسیر ابن جریر کی عبارت معہ ترجمہ نقل کر دیتا۔ مگر یہ بحث مفصل طور سے میری کتاب اعجاز القرآن میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔ ناظرین اس میں ملاحظہ فرمائیں گے اور علمائے وقت خود تفسیر ابن جریر کے اوائل میں انزل القرآن علی سبعۃ احرف کی بحث

ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جمع صدیقی ونقل مصاحف بعہد عثمانی کی حدیثیں قطعاً موضوع و بے بنیاد ہیں مگر حضرت حفصہؓ کے پاس صحیفوں کا ہونا مسلم ہے تو وہ صحیفے یقیناً صحف نبوی ہی تھے جن کو قرآن میں فی صحف مکرمۃ فرمایا گیا ہے۔ یہ صحف نبوی ہی کو فرمایا گیا تھا نہ کہ صحف صدیقی کو جس کو بقول عبید بن سباق وفات نبوی کے بعد تنہا زید بن ثابتؓ نے جمع کیا تھا۔

(د) وہ صحف یا صحیفے جو بھی کہئے جو صرف حفصہؓ کے پاس رہتے تھے، ان کو امام یا ام کہتے تھے۔ کتاب فضائل القرآن میں محمد بن عثمان بن ابی شیبہ الکوفی (نسخہ قلمی کتب خانہ قاضی رضا حسین مرحوم پٹنہ سٹی ص۳۲) حدثنی ابی عن مطلب بن زیاد عن السدی عن انس بن مالک قال کان الصحف التی جمعھا ابوبکر تسمی اماً۔ فھی کانت عندہ الی ان توفاہ اللہ ثم عند عمر حتی توفاہ اللہ ثم عند حفصۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فلما اختلف الناس فی القرآن علی عھد عثمان حتی اقتتل الغلمان والمعلمون، فبلغ ذلک عثمان، فقال ھؤلاء عندنا یلحنون فی کتاب اللہ فمن نای عنا یکون اکثر لحناً ویکذب بعضھم بعضاً۔ فیا اصحاب رسول اللہ اجتمعوا فاکتبوا لکل مصر اماماً یقتدون بہ ویلحمون بہ مصاحفھم، ثم ارسل الی حفصۃ ان ارسلی الینا الام ننسخھا فی المصاحف ثم نردھا الیک واخبرھا بما دعاہ الی ذلک فاستحسنت وارسلت الیہ الام فاستنسخ خمسۃ مصاحف ثم ارسل الی کل افق مصحفاً وسماہ اماماً لذلک الافق وامسک منھا مصحفاً عندہ لیکون اماماً لاھل المدینۃ

یعنی محمد بن عثمان بن ابی شیبہ الکوفی کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے کہا ان سے مطلب بن زیاد نے، ان سے اسمٰعیل السدی نے ان سے انس بن مالک نے بیان کیا

کہ وہ صحیفے جن کو ابوبکرؓ نے جمع کرایا تھا وہ ام کہے جاتے تھے جو ان کی زندگی تک ان کے پاس رہے۔ پھر عمرؓ کے پاس ان کی زندگی تک رہے۔ پھر حضرت حفصہؓ کے پاس رہنے لگے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ تھیں تو جب بزمانۂ حضرت عثمانؓ لوگوں نے قرآن میں اختلاف کرنا شروع کیا یہاں تک کہ پڑھنے والے لڑکے اور قرآن پڑھانے والے آپس میں مار کاٹ کرنے لگے تو اس کی خبر حضرت عثمانؓ تک پہنچی تو انہوں نے کہا کہ یہ لوگ تو ہم لوگوں کے سامنے اللہ کی کتاب میں غلطیاں کرنے لگے تو جو لوگ ہم لوگوں سے دور ہیں یا بعد میں آنے والے ہیں وہ تو غلطیاں کرتے ہیں اور زیادہ ہوں گے بلکہ ایک دوسرے کو جھٹلاتے گا تو اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیو! سب لوگ مجتمع ہو اور لکھو ہر شہر کے لئے ایک امام جس کی وہاں کے لوگ پیروی کریں اور اس کے مطابق اپنے مصحفوں کو صحیح کرلیں۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس کسی کو بھیجا کہ ہمارے پاس نسخہ ام کو بھیج دیجئے تاکہ ہم مصحفوں میں اس کی نقل اتارلیں۔ پھر اس نسخۂ ام کو آپ کے پاس واپس کردیں گے اور جس سبب نے ان کو اس کام کی طرف متوجہ کیا اس سے ان کو بھی مطلع کیا تو حضرت حفصہؓ نے اس نقل مصاحف کے کام کو پسند کیا اور ان کے پاس نسخۂ ام بھیج دیا تو حضرت عثمانؓ نے اس نسخۂ ام کی نقل پانچ مصاحف میں کرائی اور پھر ہر افق کی طرف ایک مصحف بھیج دیا اور اس کو اس طرف کا امام نامزد کیا اور ان مصاحف میں سے ایک مصاحف اپنے پاس رکھ لیا تاکہ اہل مدینہ کے لئے وہ امام ہو۔

غالباً یہی روایت ہے جو مقتضب ہو کر یعنی کتر بیونت کے بعد کتاب المصاحف احمد ابن اشتہ میں بطریق ایوب ابوقلابہ یعنی عبداللہ ابن زید سے مروی ہے جس کو سیوطی نے اتقان میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ اتقان جلد ۱ صہ ۵۹ مطبوعہ مصر میں ہے:۔

عن ابی قلابۃ قال حدثنی رجل من بنی عامر یقال لہ انس بن مالک

قال اختلفوا فی القرآن علی عہد عثمان حتی اقتتل الغلمان والمعلمون فبلغ ذلك عثمان بن عفان فقال عندی تکذبون به وتلحنون فیه فمن نای عنی کان اشد تکذیبا واکثر۔ یا اصحاب محمد اجتمعوا فاکتبوا للناس اماماً فاجتمعوا فکتبوا .... الخ

یعنی ابوقلابہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا مجھ سے بنی عامر کے ایک شخص جس کو انس بن مالک کہا جاتا تھا اس نے کہا کہ عثمانؓ کے زمانے میں لوگوں نے قرآن میں اختلاف کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ لڑکے اور اساتذہ مار کاٹ کرنے لگے۔ اس کی خبر عثمان بن عفان تک پہنچی تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو تم لوگ اس کو جھٹلاتے ہو اور اس میں غلطی کرتے ہو، تو جو مجھ سے دور ہے یا میرے بعد آئے گا وہ تو اور سخت ہوگا جھٹلانے میں اور زیادہ ہوگا غلطی کرنے میں۔ اے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجتمع ہو اور لوگوں کے لئے ایک امام لکھ ڈالو تو صحابہ مجتمع ہوئے اور انہوں نے لکھ ڈالا۔

دونوں روایتوں کو ملا کر دیکھیے صاف معلوم ہو رہا ہے یہ دوسری روایت پہلی ہی روایت ہے مگر کٹی چھنٹی۔

یہ ابن اشتہ والی روایت یقیناً اسی محمد بن عثمان بن ابی شیبہ والی روایت کا شورٹ ہینڈ ہے مگر اس امر کو چھپانے اور اس کو ایک الگ مستقل حدیث ثابت کرنے کی جو ناشکور سعی کی گئی ہے وہ قابلِ غور ہے۔ ابوقلابہ بنی عامر کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں جس کو بقول ان کے انس بن مالک کہا جاتا تھا۔ اس طرح کہنے کے معنی یہ سمجھے جا سکتے ہیں کہ وہ کہنے والے انس بن مالک مشہور صحابی خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے۔ مگر اسماعیل السدی صاف انس بن مالک اس طرح کہتے ہیں کہ وہی مشہور صحابی سمجھے جائیں مگر ابوقلابہ عبداللہ بن زید الجرمی حضرت انس بن مالک صحابی خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کرتے ہیں

اور انس بن مالک الکعبی سے بھی جو قشیری بھی کہے جاتے ہیں اور وہ بھی صحابی تھے باقی رہا بنی عامر ہونا تو دونوں بنی عامر کہے جا سکتے ہیں قشیری بھی کیونکہ یہ قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر کی اولاد سے تھے اور انس بن مالک خادم النبی صلی اللہ علیہ وسلم انس بن مالک بن النضر بن ضمضم بن حرام بن جندب بن عامر تھے۔ اس لئے صرف من بنی عامر کہہ دینے سے فرق و امتیاز نہیں کیا جا سکتا مگر ابن حجر تہذیب التہذیب، جلد ۵ ص ۲۲۶ ابو قلابہ کے آخر ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ ھو عند الناس معدود فی البلہ وہ لوگوں کے نزدیک بیوقوفوں میں شمار کیے جاتے تھے اس لئے وہ اگر اس کو واضح نہ کر سکے کہ کس انس بن مالک سے یہ روایت کرتے ہیں یا اسمعیل السدی والی حدیث کو کاٹ چھانٹ کر روایت کر دیں تو ان سے کچھ بعید نہیں۔

غرض محمد بن عثمان بن ابی شیبہ والی حدیث سے یہ پتہ مل گیا کہ حضرت حفصہؓ کے پاس جو صحیفے تھے ان کو اُم کہتے تھے اور میں اس کو اپنی کتاب میں بھی اور اس مضمون میں بھی ثابت کر چکا کہ حضرت حفصہؓ کے پاس صحف نبوی ہی تھے۔ باقی رہا امام کا لفظ تو جب نقل مصاحف بعہد عثمانی کا واقعہ بھی غلط ہی ہے تو یقیناً امام کا لقب بھی اگر کسی مصحف کو حاصل تھا تو اسی مصحف نبوی ہی کو حاصل تھا جو حضرت حفصہؓ کے پاس تھا۔ چاہے آپ صحف کہیے چاہے مصحف کہیے، یہ دونوں لقب صحف نبوی کے تھے جو عہد صحابہ میں جب تک وہ حضرت حفصہؓ کے پاس رہے لوگ انہیں اُم اور امام کے لقب سے یاد کرتے رہے۔ جب مروانؓ نے اپنی ولایت مدینہ کے زمانے میں حضرت حفصہؓ کی وفات کے بعد عبداللہ بن عمرؓ سے ان صحیفوں کو لے کر دھو ڈالا تو پھر نہ مسمی رہا نہ اسم، نہ ملقب رہا نہ لقب اور جب راویانِ احادیث نے صحف نبوی ہی کے وجود سے انکار کر دیا تو پھر صحف نبوی کے نام و لقب کی تلاش ان کی حدیثوں میں سعی لا حاصل ہی ہے مگر میں نے جس بنیاد پر یہ لکھا کہ صحف نبوی کو ام یا امام کہتے تھے وہ یہی تھی کہ حضرت حفصہؓ کے پاس جو صحیفے تھے ان کو ام کہتے تھے

اور وہ مصحف نبوی ہی تھے اس لئے اگر کوئی مصحف ایسا ہو سکتا ہے جس کو امام کہا جا سکے تو وہ مصحف نبوی ہی تھے۔

ص۳۳ و ص۳۴ مسجد نبوی میں ایک ستون تھا جس کو اسطوانۃ المصحف کہتے تھے چونکہ اس ستون کے پاس مصحف رہا کرتا تھا اور وہ مصحف ایک صندوق میں رہتا تھا اور صندوق اس ستون کے پاس رکھا رہتا تھا اور یہ واقعہ میرے نزدیک عہد نبوی کا ہے۔ وہ بھی زمانۂ ہجرت کے ابتدائی دور کا۔ پھر وہ مصحف غالباً مع صندوق مسجد سے اٹھا کر حضرت حفصہؓ کے پاس رکھا گیا۔ میں نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے اور اس کا ثبوت ضرور میرے ذمے ہے۔ میرے پہلے مسودے میں بعض حوالے فٹ نوٹ میں منقول تھے اوراق کی کُہنگی سے آخر اوراق جھڑ گئے اور حوالے غائب ہو گئے یا ایسے ہو گئے کہ پڑھے نہ جا سکے دوبارہ صاف کرنے والے نے وہ حوالے نقل نہ کیے"۔

اب سنیے کتاب وفاء الوفاء جلد اول ص۳۱۱ میں ابن زبالہ سے مروی ہے کہ یزید بن ابی عبید کہتے تھے کہ ہم سلمہ بن الاکوع کے ساتھ مسجد نبوی میں چاشت کی نماز کے لئے آتے تھے۔ فیعمد الی الاسطوانۃ دون المصحف فیصلی قریبًا منہا۔ سلمہ کوشش کرتے تھے اس ستون کے پاس پہنچنے کی جو مصحف کے قریب تھا اور اسی ستون کے قریب نماز پڑھتے تھے۔ (یہی حدیث سنن ابن ماجہ ص۱۰۴ میں یعقوب ابن حمید سے مروی ہے۔ اس میں صرف اس قدر اضافہ ہے کہ یزید سلمہ سے کہتے تھے اشارہ کرکے کہ یہاں کیوں نہیں پڑھتے؟ وہاں کیوں نہیں پڑھتے؟ اسی ستون کے پاس کیوں پڑھتے ہیں؟ تو سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ اس مقام پر نماز پڑھنے کی کوشش فرماتے تھے)۔ اس کے بعد صاحب وفاء الوفاء لکھتے ہیں کہ بخاری میں بھی یہ حدیث ہے اور مسلم میں بھی ہے ان لفظوں سے اور دونوں کی عبارت نقل کی ہے اس لئے بہتر ہے کہ میں پہلے صحیح بخاری کی حدیث لکھ دوں اور پھر علامہ حافظ ابن حجر نے جو اس کی شرح فتح الباری میں کی ہے اس کو نقل کردوں۔ صحیح

بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ الی الاسطوانہ دیکھیے اس میں ثلاثیات امام بخاری کی تیسری حدیث ہے جس کو امام بخاری مکی بن ابراہیم سے، وہ یزید بن ابی عبید سے روایت کرتے ہیں کہ یزید نے کہا کہ

اتیت مع سلمۃ بن الاکوع فیصلی عند الاسطوانۃ التی عند المصحف فقلت یا ابا مسلم اراک تتحری الصلوۃ عند ھذہ الاسطوانۃ قال فانی رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحری الصلوۃ عندھا۔

میں آیا سلمہ بن الاکوع (صحابی) کے ساتھ (مسجد نبوی میں) تو وہ نماز پڑھنے لگے اس ستون کے پاس جو مصحف کے پاس تھا تو میں نے کہا کہ اے ابومسلم (یہ سلمہ کی کنیت تھی) میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم کوشش کرتے ہو اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی تو انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔

یہی حدیث اسی اسناد اور اسی عبارت کے ساتھ مسند امام احمد بن حنبلؒ میں بھی موجود ہے۔ دیکھیے مسند احمد جلد چہارم صہ۴۸ اور پھر دوسرے طریق سے بھی مسند احمد کی اسی جلد مگر صہ۵۴ میں ہے جس کو امام احمد حماد بن مسعدہ سے، وہ یزید بن ابی عبید سے روایت کرتے ہیں کہ

انہ کان یتحری موضع مکان المصحف وذکران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتحری ذلک المکان وکان بین المنبر والقبلۃ ممر شاۃ

یعنی سلمہ بن الاکوع نماز پڑھنے کی کوشش کرتے تھے اس جگہ کی جو مصحف رکھنے کی جگہ تھی (یعنی جہاں مصحف رہتا تھا) اور ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ نماز پڑھنے کی کوشش فرماتے تھے اور وہ جگہ منبر اور قبلہ کے درمیان ایک بکری کے آنے جانے بھر تھی۔ اور صحیح مسلم جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب سترۃ المصلی صہ۱۹۷ میں مسند احمد کی دوسری حدیث تھوڑے سے فرق کے ساتھ ہے۔ صحیح

مسلم کی عبارت یوں ہے :-

.... نا حماد بن مسعدہ عن یزید یعنی ابن ابی عبید عن سلمۃ وھو ابن الاکوع انہ کان یتحری موضع مکان المصحف یسبح فیہ وذکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتحری ذلک المکان وکان بین المنبر والقبلۃ ممر الشاۃ

یعنی حماد بن مسعدہ یزید بن ابی عبید سے وہ سلمہ بن الاکوع سے روایت کرتے ہیں کہ سلمہ کوشش کرتے تھے مصحف کی جگہ والے مقام کی، اس میں نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کے لئے کوشش فرماتے تھے اور وہ جگہ منبر اور قبلہ کے درمیان بکری کے گزرنے بھر تھی۔

اس کے بعد وہی بخاری والی حدیث مسلم میں بھی ہے اور مکی بن ابراہیم ہی سے مروی ہے۔ دونوں حدیثوں میں فرق واضح یہ ہے کہ مسلم کی پہلی حدیث میں مسند احمد کی دوسری حدیث کی طرح صرف موضع مکان المصحف کا ذکر ہے۔ اسطوانہ کا ذکر نہیں اور دوسری حدیث میں اس اسطوانہ کا ذکر ہے جو مصحف کے پاس تھا۔ عبارت تقریباً وہی ہے جو بخاری کی حدیث کی ہے اس لئے نقل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ امام نووی صحیح مسلم والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ لاباس بادامۃ الصلوۃ فی مکان واحد اذا کان فیہ فضل۔ یعنی اگر کسی جگہ میں کوئی خاص فضیلت ہو تو برابر وہیں پر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر اس جگہ میں اگر کوئی خاص فضیلت نہ ہو تو مسجد میں کوئی جگہ ہمیشہ کے لئے مخصوص کر لینا منع ہے اور بین المنبر والقبلۃ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ قبلۃ سے مراد دیوار ہے۔ حافظ ابن حجر بخاری کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قولہ" التی عند المصحف " ھذا یدل علی انہ کان للمصحف موضع خاص بہ ووقع عند مسلم بلفظ یصلی وراء الصندوق وکانہ کان للمصحف صندوق یوضع فیہ۔

یعنی بخاری کی حدیث میں جو اس ستون کے بارے میں پتہ بتایا ہے جس کے پیچھے سلمہ بن الاکوع نماز پڑھا کرتے تھے کہ وہ ستون مصحف کے پاس تھا۔ یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ (مسجد نبوی میں) مصحف کے لئے کوئی خاص جگہ تھی اور صحیح مسلم میں ایک حدیث اس لفظ سے آئی ہے کہ وہ نماز پڑھتے تھے صندوق کے پیچھے۔ غالباً مصحف کے لئے کوئی صندوق بھی تھا جس میں وہ رکھا جاتا تھا۔

اس ستون کے بارے میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ اسطوانۃ المہاجرین کے نام سے مشہور ہے۔ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ عام طور سے لوگ اس ستون سے واقف نہیں ہیں ورنہ ہر شخص اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوشش کرتا اور لوگوں میں کش مکش ہوتی۔ حضرت عائشہؓ نے ابن الزبیرؓ کو چپکے سے اس ستون کو بتلوا دیا تھا وہ اکثر اس ستون کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ ابن حجرؒ پھر لکھتے ہیں کہ اس ستون کا ذکر ابن النجار نے اپنی کتاب تاریخ المدینہ میں کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ قریشی مہاجرین اس ستون کے پاس مجتمع ہوا کرتے تھے اور ان سے پہلے محمد بن الحسن نے اخبار المدینہ میں بھی اس ستون کا ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری مطبوعہ مطبع انصاری دہلی جلد دوم)

امام محی الدین ابو زکریا النواویؒ کے نسخہ صحیح مسلم میں یہ صندوق والی حدیث نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے نہ اس صندوق مصحف کا کوئی ذکر کیا نہ اسطوانۂ مصحف کے بارے میں کوئی خاص تصریح فرمائی۔ یہ بھی نہیں بتایا کہ اسطوانہ کو مصحف سے کیا تعلق ہو سکتا ہے (دیکھئے صحیح مسلم مع شرح النواوی جلد اول صفحہ ۱۹۰)۔

البتہ شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی شرح مسلم فتح الملہم میں، صحیح مسلم کی حدیث میں جو "مکان المصحف" کا لفظ ہے اس کی شرح کرتے ہوئے ابن حجر کی پوری عبارت فتح الباری سے نقل کر دی ہے جس میں وہ عبارت بھی ہے جس میں ابن حجر نے صحیح مسلم کی حدیث میں صندوق مصحف کا ذکر کیا ہے اس کو بھی نقل کر دیا ہے۔ مگر یہ

نہیں لکھا ہے کہ صحیح مسلم میں وہ حدیث کہاں پر ہے یا صحیح مسلم کے کس نسخے میں ہے خود شیخ الاسلام پاکستان کے پاس جو نسخہ ہے جس کی وہ شرح کر رہے ہیں اس میں بھی وہ حدیث نہیں ہے مگر ابن حجر کے پاس جو نسخہ صحیح مسلم کا تھا اس میں وہ صندوق والی حدیث ضرور تھی۔ جبھی تو ابن حجر نے اس کی عبارت کا ایک فقرہ ہی نقل کر دیا۔

فقط ابن حجر ہی نہیں، علامہ بدرالدین العینی بھی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں صحیح مسلم کی اس صندوق والی حدیث کا ذکر فرماتے ہیں اور بالکل اسی طرح لکھتے ہیں جس طرح حافظ ابن حجر نے لکھا ہے وہ بھی لکھتے ہیں کانہ کان للمصحف صندوق یوضع فیہ غالباً مصحف کے لئے کوئی صندوق تھا جس میں وہ رکھا جاتا تھا اور اس سے پہلے لکھتے ہیں کان فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موضع خاص للمصحف۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایک خاص جگہ تھی مصحف کے لئے۔

مگر علامہ بدرالدین عینی نے ایک عجیب و غریب بات اس کے بعد یہ لکھ دی جو ان کے سوا کسی نے ان سے پہلے نہیں لکھی تھی کہ "الذی کان ثمہ من عہد عثمان - اور ایک نسخے میں فی عہد عثمان ہے یعنی مسجد نبوی میں وہ مصحف جو حضرت عثمانؓ کے زمانے سے رہا کرتا تھا یا ان کے زمانے میں رہا کرتا تھا۔

مگر علامہ عینی نے یہاں صرف قیاس سے کام لیا ہے وہ سمجھے کہ حضرت عثمانؓ نے جو متعدد مصاحف نقل کرائے اور ایک ایک مصحف مختلف ملکوں میں بھیج دیئے اور ایک مصحف جو اہل مدینہ کے لئے امام قرار دے کر رکھ لیا تھا۔ وہی مصحف صندوق میں رکھ کر مسجد نبوی کی ایک ستون کے پاس رکھ دیا ہوگا تاکہ اہل مدینہ اپنے مصاحف کو اس سے ملا ملا کر صحیح کرلیں۔ ورنہ اور کون سا مصحف ایسا ہو سکتا ہے جو اس طرح مسجد نبوی میں رکھا جاتا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے جمع کرائے ہوئے صحیفے تو ان کے پاس ان کے گھر پر رہے ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس ان کے گھر پر رہے۔ ان کے بعد حضرت حفصہؓ کے پاس چلے گئے۔ ان صحیفوں کا مسجد نبوی کے کسی ستون کے پاس ایک صندوق میں

ہونا عبید بن سباق نے بیان نہیں کیا ہے تو پھر وہ مصحف اگر ہوگا تو یقیناً حضرت عثمان رضؓ کے لکھوائے ہوئے مصحف ہی میں سے ایک مصحف ہوگا مگر یہ علامہ عینی کا محض قیاس ہے جو عبید بن سباق کی اسی غلط اور موضوع روایت پر مبنی ہے جس کا غلط ہونا میں ثابت کر چکا ہوں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ علامہ عینی نے اگر من عہد عثمان لکھا ہے تو من کے بعد الیٰ کا سوال ضرور پیدا ہو رہا ہے۔ یعنی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے سے کب تک وہ مصحف صندوق میں بند مسجد نبوی کے اس ستون کے پاس رہا؟ پھر وہ صندوق اور مصحف کب سے وہاں سے اٹھا لیا گیا اور کیوں اٹھایا گیا اور کہاں گیا؟ ان سوالوں کا جواب علامہ عینی اور ان کے ہم خیالوں کے ذمے ہے اور یہ وہ گتھی ہے جو کبھی سلجھ نہیں سکتی۔

اور اگر فی عہد عثمان لکھا تھا تو یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ فتنۂ شہادت حضرت عثمانؓ کے زمانے میں وہ صندوق اور وہ مصحف اٹھا لیا گیا یا ضائع ہو گیا، کچھ پتہ نہ ملا کہ کیا ہو گیا۔ مگر حضرت عثمانؓ کی شہادت ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی تھی اور اس وقت غریب یزید بن ابی عبید پیدا بھی نہ ہوتے ہوں گے۔ کیونکہ یزید بن ابی عبید کی وفات ۱۴۷ھ میں ہوئی تھی۔ یعنی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ایک سو بارہ برس کے بعد اور کم سے کم دس بارہ برس کی عمر تو ہونی چاہیے کہ وہ حضرت سلمہ بن الاکوع کے ساتھ مسجد میں آئیں اور ان کو ایک ستون کے پاس کوشش کر کے نماز پڑھتے ہوئے بار بار دیکھیں تو ان سے اس کوشش کی وجہ پوچھیں اگر یزید بن ابی عبید شہادت حضرت عثمانؓ کے وقت سن شعور کو پہنچ چکے تھے تو اس حساب سے ان کی عمر کم از کم ایک سو چوبیس برس کی ہونی چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ کی کیونکہ اگر حضرت سلمہ بن الاکوع کی نماز کا یہ واقعہ ہوا ہوگا تو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے کچھ پہلے ہی ہوا ہوگا لیکن یزید بن ابی عبید کی عمر سوا سو برس کی بالکل مستبعد ہے کسی کی عمر سو برس بھی ہوتی

ہے، ائمہ رجال لکھ دیتے ہیں۔

حضرت سلمہ بن الاکوع کی عمر کے بارے میں خود ابن حجرؒ کو شبہ ہے۔ وہ ان کی عمر کا صحیح اندازہ قائم نہ کر سکے۔ کیونکہ حضرت سلمہ بن الاکوع کا بیان ہے کہ میں بیعت رضوان میں شریک تھا اور مرنے پر بیعت کی تھی جس کے معنی تو یہ ہوتے کہ یہ اس وقت جوان عاقل و بالغ تھے۔ اس لئے ان کی عمر اس وقت بیس برس کی بھی قرار دیجئے تو بیعت رضوان ۶ھ کا واقعہ ہے اور ان کی وفات ۷۴ھ میں ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت سلمہ کی عمر ۸۸ برس کی تھی۔ یزید بن ابی عبید حضرت سلمہؓ کے غلام آزاد کردہ تھے۔ حضرت سلمہ کی وفات اور یزید کی وفات کے درمیان ۷۲ برس کا فرق ہے، ہو سکتا ہے کہ حضرت سلمہ کی طرح یزید نے بھی ۸۸ یا ۹۰ برس کی عمر پائی ہو۔ اور یزید نابالغ ہی ہو کہ انہوں نے اس کو آزاد کر دیا ہو، یا نوے سے بھی کچھ اور زیادہ عمر پائی ہو اور حضرت سلمہؓ کے وقت ہی میں بالغ ہو چکا ہو۔ غرض یزید کا حضرت سلمہ کے ساتھ مسجد نبوی میں جانا اور حضرت سلمہ کو بار بار ایک ہی ستون کے سامنے نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا اور یہ پوچھنا کہ آپ خاص کر کے اسی ستون کے پاس کیوں نماز پڑھتے ہیں بعید از قیاس نہیں مگر اس واقعہ کا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے قبل ہونا البتہ بعید از عقل ہے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ والے مصحف کا مسجد نبوی کے ایک ستون کے پاس کسی صندوق میں رہنا بھی بعید از عقل ہے۔ جب تک ان سوالوں کا جواب نہ ملے تو پھر وہ صندوق اور مصحف کیا ہوئے؟ اور کب وہاں سے اٹھا لیے گئے؟ اور کہاں اٹھا کر رکھے گئے۔

اصل یہ ہے کہ "عند" کا لفظ جو ان حدیثوں میں آ گیا ہے عند المصحف کے فقرے میں اس سے لوگوں کو حدیث کے معنی سمجھنے میں بڑا دھوکہ ہوا ہے۔ شارحین حدیث یہ سمجھتے ہیں کہ جس وقت حضرت سلمہ یزید بن ابی عبید کے سامنے مسجد کے ایک ستون کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اس وقت اس ستون کے پاس مصحف بھی صندوق میں

بند رکھا ہوا موجود تھا جبھی تو عند الاسطوانۃ التی عند المصحف کا مفہوم پورا ہو گا۔ اس لئے انہوں نے سوچا کہ مسجد نبوی کے کسی اسطوانے کے پاس مصحف صندوق میں بند کر کے رکھا گیا ہوگا تو ضرور حضرت عثمانؓ ہی کے زمانے میں کیونکہ محدثین کے نزدیک تو حضرت عثمانؓ کے نقل مصاحف سے پہلے مصحف کا وجود ہی نہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ہڈی، تختی، پتھر، کھال، چھال وغیرہ کے منتشر غیر مرتب ٹکڑوں سے کسی طرح زید بن ثابت سے صحیفوں میں قرآن جمع کرایا بھی تھا تو اس کو تو انہوں نے گھر میں مقفل بند رکھا تھا اور تا دم وفات کسی کو اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانے کا موقع ہی نہ دیا خدا جانے جمع قرآن جیسا اہم کام کس لئے اور کس کے لئے انجام دیا تھا کہ بالکل فی کتاب مکنون کا مصداق بنا کر سارے مسلمانوں کی نظروں سے اس کو زندگی بھر پوشیدہ رکھا۔ مطھرون کو بھی اس کے چھونے کی اجازت نہ تھی اور اگر تھی تو کسی روایت میں تو ہوتا کہ اس سے فلاں فلاں صحابہ نے نقلیں لیں یا اپنے مصاحف کو ملا کر درست کر لیا یا کبھی اس کی زیارت بھی کی۔ پھر حضرت عمرؓ کو جو حضرت ابو بکرؓ کے بعد اس کتاب یعنی ان صحیفوں کی حفاظت کی خدمت ملی تو انہوں نے بھی اپنے پیشرو کے نقش قدم ہی پر رہ کر ان صحیفوں کو کتاب مکنون ہی بنائے رکھا کبھی کسی کو نہ دکھایا ان کے بعد خدا جانے کیوں یہ صحیفے حضرت عثمانؓ کو نہ ملے بلکہ حضرت حفصہؓ کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے اس کو مقفل ہی رکھا۔ بڑی مشکلوں سے حضرت عثمانؓ کو اس کی نقلیں اتارنے کے لئے کچھ دنوں کے لئے دیا تو پھر واپس منگوا لیا تو جن محدثین کا ان باتوں پر ایمان ہو وہ اپنے ایمان کے خلاف کسی طرح یہ تصور بھی کر سکتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ والے مصاحف کے سوا وہ کوئی اور مصحف ہو سکتا ہے۔ جو مسجد نبوی میں کسی ستون کے پاس ایک صندوق میں بند رکھا گیا ہو۔ چاہے اس کی غرض و علت کا بالکل پتہ نہ ملے۔ اگر اس میں کچھ بھی اصلیت ہوتی تو کوئی روایت تو بتاتی کہ ہر شخص اپنے مصحف کو مسجد نبوی میں آ کر اس صندوق میں سے مصحف نکلوا کر اپنے مصحف کی تصحیح اس سے ملا ملا

کو کر دیا کرتا تھا پھر یہ کہ اگر لوگ ایسا کرتے تھے تو کس کی نگرانی میں کرتے تھے اور اگر نہیں کرتے تھے تو پھر مسجد میں اس مصحف کے رکھنے کی کیا غرض تھی؟ اس صندوق کا نگران کون تھا۔ اس کی چابی کس کے پاس رہتی تھی یا وہ یونہی کھلا پڑا رہتا تھا۔ یہ وہ گتھیاں ہیں جنہیں کوئی حل نہیں کر سکتا۔ اگر یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے زمانے کا ہے جس میں اکابر تابعین و صحابہ (حسب ادعائے اصحاب الحدیث) کھلے بندوں روایتیں بیان کرتے اور کر سکتے تھے تو وضع مصحف فی المسجد کا اتنا اہم واقعہ ہزارہا راویان حدیث میں سے ایک راوی بھی بیان نہ کرے عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کر سکتی۔

محدثین تو تطبیق احادیث کا فن اچھی طرح جانتے ہیں اور اس کو خوب سمجھتے ہیں کہ ایک حدیث دوسری حدیث کی شرح بھی ہو سکتی ہے۔ خصوصاً اگر دونوں ہم پلہ حدیثیں ہوں صحیح مسلم کی پہلی حدیث میں اسطوانے کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ یتحری موضع مکان المصحف کا جملہ ہے۔ یہ موضع کی اضافت مکان کی طرف اور مکان کی اضافت مصحف کی طرف صاف بتا رہی ہے کہ تحری یعنی حضرت سلمہ کی کوشش اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی نہ تھی بلکہ مصحف کے رکھنے کا جو مکان جو ٹھکانا تھا اس جگہ تک پہنچنے کی اور اسی جگہ پر نماز پڑھنے کی کوشش تھی تو یہ کوشش جبھی ہو سکتی ہے کہ وہ مصحف جو اس جگہ پر تھا حضرت سلمہ کے نماز پڑھنے کے وقت موجود نہ رہا ہو۔ اس قدر نہیں بلکہ یزید بن ابی عبید کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت سلمہ نے فرمایا کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتحری ذلک المکان

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مکان اسی ٹھکانے تک پہنچنے کی کوشش فرماتے تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک ہی میں یہاں سے مصحف منتقل کر دیا گیا تھا اور مصحف رکھنے کی جگہ خالی تھی۔ اسی خالی جگہ پر جہاں پہلے مصحف رہتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں پڑھا کرتے تھے اس لئے الاسطوانۃ التی عند المصحف جو صحیح مسلم کی دوسری حدیث میں یا بخاری وغیرہ میں

ہے وہاں عندالمصحف سے عندمکان المصحف مراد ہے۔ گویا مسلم کی پہلی حدیث میں جو موضع مکان المصحف کا فقرہ ہے دوسری حدیثوں میں موضع کے عوض راوی نے عند کا لفظ رکھ دیا اور مکان کا لفظ حذف کر دیا۔ روایتوں میں راوی الفاظ کا ردوبدل بہت کیا کرتے تھے اور عموماً اپنے لفظوں میں مفہوم ادا کرتے تھے اور ایسا حذف تو عربی زبان میں بہت ہوا کرتا ہے بلکہ فارسی وار دو میں بھی مروج ہے جیسے خوختہ ابی بکر یعنی خوختہ بیت ابی بکر۔ دیوار زید۔ یعنی دیوار مکان زید وغیرہ۔ اور اگر عند ہی کی سند چاہیے تو لیجئے شاعر جاہلیت عقیل بن علفتہ المری کا شعر حاضر ہے ؎

وکم عند سلمٰی جدتُ بعد رحیلها

بدمع اعانتہ الدموع السوافك

یہاں عند سلمٰی سے عندمنزلِ سلمٰی ہی مراد ہے ورنہ سلمٰی کی رحلت کے بعد سلمٰی کے پاس شاعر کس طرح کھڑے کھڑے آنسو بہاتا۔ بالکل اسی طرح اس حدیث میں بھی عندالمصحف سے مراد عندمکان المصحف ہے اور اس کی کھلی ہوئی دلیل تو خود ہی ابن حجر نے فتح الباری میں لکھ دی ہے۔ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری سے بعض شارحین مسلم نے بھی شرح مسلم میں نقل کی ہے کہ وہ کون سا ستون تھا؟ جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر نفل نمازیں اپنی مسجد میں پڑھا کرتے تھے اس کو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ جانتی تھیں مگر لوگوں کے اژدحام اور کشاکش کے خیال سے کسی کو بتاتی نہ تھیں۔ صرف اپنی بہن کے بیٹے عبداللہ بن الزبیرؓ کو انہوں نے بتا دیا تھا۔ اس لئے وہ اس ستون کے پاس برابر نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مکان المصحف ایک مدت سے مصحف سے خالی تھا۔ یہاں تک کہ عام صحابہؓ کو خصوصاً جن کو جنگ احد وغیرہ کے بعد ایمان لانے کا موقع ملا وہ اس سے مطلق واقف نہ تھے کہ مسجد نبوی میں کبھی کسی ستون کے پاس ایک صندوق میں مصحف بھی رہتا تھا یا نہیں۔ اگر آپ کسی خاص ستون کے پاس نفل نمازیں پڑھتے بھی تھے تو اس کو کسی نے چنداں خیال نہ کیا اور سلمہ بن الاکوع کی طرح جس

نے خیال کیا اس نے بغرض اتباع سنت اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کا خیال رکھا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم کے صفہ ۱۱ جلد ثانی کی سطر اول میں یہ تحریر کیا کہ

وتحریہ ذلک لصلوۃ رسول اللہ علیہ وسلم فیہ لا لکون المصحف ۔

یعنی حضرت سلمہ کی کوشش کہ اسی ستون کے پاس نماز پڑھیں اس لئے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے نہ اس لئے کہ وہاں مصحف تھا۔

لیکن حضرت مولانا نے یہ نہیں بتایا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود کیوں اس ستون کے پاس برابر نفل نمازیں پڑھنے کی تحری وکوشش فرماتے تھے؟ جب کہ آپ خود لوگوں کو منع فرماتے تھے کہ مسجد میں اپنے لئے کوئی خاص جگہ نماز پڑھنے کی معین نہ کرلو۔ اصل یہ ہے کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحری وکوشش کے وقت اس ستون کے پاس مصحف تھا نہ سلمہ بن الاکوع رضی کی تحری وکوشش کے وقت وہاں کوئی مصحف تھا. جب وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صندوق مصحف اٹھوا دیا اور وہ جگہ خالی ہوگئی تو مسجد کی اور جگہوں میں سے اس جگہ کو کچھ دنوں تک وہاں پر مصحف رکھے جانے کی وجہ سے ببرکت مصاحبتِ قرآن مجید ایک خاص خصوصیت حاصل ہوگئی تھی اس لئے جہاں پر وہ مصحف رہتا تھا وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نمازیں پڑھنے لگے اور سلمہ بن الاکوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تحری وکوشش کو دیکھ کر خود بھی اس جگہ پر نفل نمازیں پڑھنے کی تحری اور کوشش کرنے لگے. خود تمام شارحین حدیث اس موقع پر لکھتے ہیں کہ لا باس

بادامۃ الصلوٰۃ فی موضع واحد اذا کان فیہ فضل ۔ واما النہی عن ایطان الرجل موضعا من المسجد بلا ومہ فیما لا فضل لہ ولا حاجۃ الیہ ۔

یعنی کوئی مضائقہ نہیں ہے مسجد میں ، کسی ایک خاص جگہ برابر نماز پڑھنے میں۔ اگر اس جگہ کو کوئی خاص فضیلت اور ممانعت جو ہے مسجد میں کسی جگہ کو اپنے لیے

مخصوص کر لینے کی جس کی ملازمت کی جائے وہ ایسی جگہ کے بارے میں ہے جس میں کوئی فضیلت نہ ہو یا کوئی حاجت کوئی ضرورت اس کی نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ اس جگہ میں کوئی خصوصیت ضرور تھی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نوافل کے لیے اس جگہ کو مخصوص نہ فرماتے۔ اس کے بعد وجہ خصوصیت کا سوال سامنے آتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد کی اس جگہ کو اس لئے اپنے لئے مخصوص فرمالیا تھا کہ وہاں پہلے مصحف رہتا تھا تو اس ستون کے پاس جو جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی تھی اس جگہ میں فضیلت مصحف ہی کی وجہ سے آئی تھی وہ جگہ ایک ستون کے پاس تھی اور وہ ستون موجود تھا مگر مصحف موجود نہ تھا۔ اسی لئے متعدد حدیثوں میں عندالاسطوانہ کا لفظ آیا ہے یعنی حضرت اس ستون کے پاس نماز پڑھتے تھے جو مقام مصحف کے پاس تھا یعنی اس جگہ کے پاس تھا جہاں مصحف رکھا جاتا تھا کسی زمانے میں بھی۔ اگر کسی کو میری اس توجیہ سے انکار ہے تو وہ اس جگہ کی کوئی دوسری وجہ خصوصیت وفضیلت ثابت کر کے دکھا دے۔

ابن حجر اسی سلسلے میں لکھتے ہیں کہ اس ستون اور مصحف وغیرہ کا ذکر ابن النجار نے تاریخ مدینہ میں بھی کیا ہے اور ان سے پہلے محمد بن الحسن اخبار مدینہ میں اس کا ذکر کر چکے ہیں۔ تمنا غفرلہٗ عرض کرتا ہے کہ تاریخ ابن النجار اورینٹل لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ اپنی کتاب کے زمانۂ آغاز تحریر میں، میں نے دیکھی تھی۔ اس کی عبارت بھی نوٹ کر لی تھی اور پہلے مسودے کے حاشیے پر لکھ لی تھی مگر وہ مسودہ تقریباً ۱۳۲۰ھ کا لکھا ہوا اور نوٹ کر کے لایا ہوا تھا پنسل سے کتاب پر کیس کی روشنائی سے لکھا تھا۔ حروف کاغذ کو کھا گئے اور خود بھی مٹ گئے۔ نہ کتاب کا نمبر پڑھا جاتا ہے، نہ صفحے کی گنتی، نہ عبارت ہی پوری طرح پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے یہاں ڈھاکہ میں بیٹھ کر اس کی عبارت پیش کرنا محال ہے اور صرف اس کام کے لئے پٹنہ (انڈیا) جانا قریب بمحال۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابتدائی زمانے میں اس ستون کو

صحابہ "اسطوانۃ المصحف" کہا کرتے تھے۔ جب مصحف وہاں سے ہٹا دیا گیا تو مہاجرین درس قرآن کے لئے اکثر اسی جگہ آ کر بیٹھتے تھے اور آپس میں قرآن کا دور کرتے تھے اس لئے وہ بعد کو "اسطوانۃ المہاجرین" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کی تائید میں اتنا تو ابن حجر وغیرہ بھی لکھتے ہیں کہ اس ستون کو اسطوانۃ المہاجرین کہتے ہیں۔

حدیثوں کے سیاق و عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مصحف کا صندوق جہاں پر رہتا تھا وہ اتنی ہی مختصر جگہ تھی کہ ایک بکری وہاں سے بہ اطمینان گزر سکتی تھی اس لئے ایک آدمی کے نماز پڑھنے کی جگہ بھی وہاں پر ضرور ہو سکتی ہے۔ مصحف جس صندوق میں تھا وہ کوئی صندوقچہ مختصر سا بکس ہی ہو گا تو بڑا صندوق تو ہو گا نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اور ابتدائے زمانۂ ہجرت میں صحابہؓ خصوصاً انصار کی تعلیم کے لئے اور ان کو قرآن کی نقلیں حاصل کرنے کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ جتنی سورتیں تقریباً تیرہ برس مکہ معظمہ میں اتری رہیں جن کی تعداد ۸۶ ہے وہ لوگ بھی اپنے پاس لکھ لکھ کر رکھ لیں اور یہ کام جبھی ہو سکتا تھا کہ مسجد نبوی میں مصحف نبوی جس میں آپ کاتبینِ وحی سے ہر نازل شدہ آیت و سورہ لکھوایا کرتے تھے۔ محفوظ طریقے سے رہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے آپ کی نگرانی میں صحابہؓ خصوصاً انصارؓ اس مصحف سے رفتہ رفتہ تمام مکی سورتیں نقل کر لیں تاکہ ہر صحابیؓ کے پاس قرآن موجود رہے۔ میں نے زید بن ثابت انصاری کی حدیث اپنی کتاب کے صـ میں نقل کی ہے کہ زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ

کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع

مستدرک و فتح الباری و اتقان صـ جلد ا

یعنی ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر رقعوں سے یعنی اوراق سے قرآن جمع کیا کرتے تھے۔

یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ صحابہؓ خصوصاً انصارؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے آپ کی نگرانی میں قرآن کے اوراق سے نقل کرکے خود قرآن جمع کرتے تھے یہاں تک کہ بعض عورتوں نے بھی قرآن جمع کرلیا تھا جیسے حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث الشہیدہ رضی اللہ عنہا (سنن کبری بیہقی جلد ۳ صہ ۱۳)۔

غرض جن اوراق سے انصار قرآن جمع کرتے تھے وہ اوراق اسی مصحف نبوی کے تھے ورنہ اور کس چیز کے اوراق تھے؟ اور جہاں صحابہؓ بیٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نقل کرتے تھے وہ مسجد نبوی کے سوا اور کون سی جگہ ہوسکتی ہے؟ جب تمام مکی سورتوں کو انصار نے نقل کرلیا تو پھر مدنی سورتوں کے لئے تو انصار و مہاجرین سب برابر تھے۔ جیسے جیسے سورتیں اور آیتیں اترتی جاتی تھیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے مصحف میں حضرت حفصہؓ کے یہاں سے منگواکر پہلے لکھوا لیتے تھے اور پھر ہر صحابی اس کو مصحف نبوی سے اپنے مصحف میں نقل کرلیتا تھا۔ اب اس کو مسجد میں رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ منافقین کی دراندازیوں کا خطرہ ہو یا نہ ہو مکی سورتوں کی نقلیں جب انصار کے پاس مہیا ہوگئیں تو پھر صندوق مصحف کے مسجد میں رکھنے کی ضرورت نہ رہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مصحف کو غالباً مع صندوق مسجد سے اٹھواکر حضرت حفصہؓ کے حجرے میں رکھوا دیا اور وہی مصحف عہد نبوی سے حضرت حفصہؓ کے پاس ان کے اخیر وقت تک رہا۔ کیسا صحیح تسلسل واقعات ہے جس کو ہر عقل سلیم تسلیم کرسکتی ہے اگر انصاف سے کام لے۔ مگر خلاف عقل و بعید از قیاس باتوں پر اصرار اور مطابق عقل و موافق قیاس بات سے انکار کی عادت جن لوگوں کو ہو ان سے نبٹنا بہت مشکل ہے۔ سہ

بحث میں مولوی نہ ہاریں گے ۔۔۔ جان ہاریں گے، جی نہ ہاریں گے

ف ۵ ۔ یعنی آخر میں مسجد نبوی سے اٹھ کر وہ مصحف حضرت حفصہؓ کے پاس چلا گیا۔ اس پر میں اپنی کتاب میں بھی بقدر ضرورت بحث کرچکا ہوں اور اس مضمون کے بھی اوپر کے نمبروں میں اس پر کسی قدر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس لئے اس پر مزید خامہ فرسائی

کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ محض احتیاطاً چند خصوصیتیں حضرت ام المومنین حفصہؓ کی یہاں لکھتا ہوں جن کی وجہ سے امانت مصحف کے لئے ان کا انتخاب بہتر انتخاب تھا۔

۱. وہ دوسری ازواج مطہرات میں زیادہ لکھی پڑھی تھیں۔

۲. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اگرچہ عالمہ ان سے زیادہ تھیں مگر حضرت حفصہؓ ان سے زیادہ سن رسیدہ تجربہ کار تھیں۔

۳. ان کے پاس مصحف کے رہنے سے اس کی نگرانی صرف وہی تنہا کرنے والی نہ تھیں بلکہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عاصم بن عمرؓ بھی اس کی نگرانی کے ذمہ دار تھے اور رہے۔

۴. حضرت حفصہؓ کے سوا اگر کوئی اور اس مصحف کی امانت وحفاظت کا ذمہ دار ہو سکتا تھا تو وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ تھیں مگر اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں یہ بات تھی کہ دور فتن میں حضرت صدیقہؓ کو بھی کسی قدر مبتلا ہونا پڑے گا اور حضرت حفصہؓ باوجود زمانۂ فتن میں رہنے کے اپنے کو ہر طرح کے فتنے سے محفوظ رکھ سکیں گی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت حفصہؓ کا انتخاب امانتِ مصحف کے لئے ڈالا اور حضرت عائشہؓ کا انتخاب آپ نے نہیں فرمایا۔

۵. اس مصحف نبوی کی اب کسی کو بھی کوئی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ ہر شخص کے پاس مصحف کا صحیح نسخہ مصحف نبوی سے ملایا ہوا موجود ہی تھا اور نئے لکھنے والے انہیں ملائے ہوئے نسخوں سے ان کے مطابق نئے نئے مصاحف کے نسخے لکھنے میں برابر مصروف تھے تو اب مصحف نبوی کو کسی ایسے ہی محفوظ مقام پر رکھنے کی ضرورت تھی جہاں کسی کی دسترس نہ ہو اور ذمہ دار اشخاص کی نگرانی بھی ساتھ رہے۔

غرض حضرت حفصہؓ کے پاس صحیفوں کا ہونا جب ہر فریق کے نزدیک

مسلم ہے تو ان کے پاس جو صحیفے یا مصحف تھے میرے نزدیک تو حسب دلائل بالا و تصریحات سابقہ وہ مصحف نبوی ہی تھا جو اوائل زمانۂ ہجرت میں کچھ دنوں مسجد نبوی میں ایک ستون کے پاس صندوق میں رہا کیا پھر حسب مقتضیات مصرحہ مسجد نبوی سے اٹھوا کر اس کو رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے پاس بھیج دیا تھا۔

مگر جو لوگ میرے دعوے اور میرے دلائل کو نہیں مانتے ہیں وہ اس کی کوئی وجہ نہیں بیان کر سکتے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا جمع کیا ہوا قرآن حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تھا تو صحیح طور سے پہنچا تھا مگر حضرت عمرؓ کے بعد وہ صحیفے حضرت حفصہؓ کے پاس کیوں چلے گئے؟ لے دے کر بعض لوگوں نے یہ وجہ لکھی ہے کہ حضرت حفصہؓ حضرت فاروقؓ کی وصیہ تھیں۔ اس لئے وہ مصحف حضرت عمرؓ کے بعد حضرت حفصہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اوّل تو یہ وجہ صحاح کی کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کی وہ وصیہ تھیں تو حضرت عمرؓ کے ذاتی مال اور ان کی ذاتی باتوں کے متعلق یا امور خلافت اور بیت المال کی چیزوں کے متعلق؟ حضرت فاروق اعظمؓ سے یہ نا ممکن ہے کہ وہ بلا استمزاج صحابہ و بلا استصواب اکابر مہاجرین و انصار ایک ایسی چیز جو بیت المال کی سب سے اہم چیز ہو اس کو بطور خود بلا وجہ اور بے ضرورت بیت المال سے نکال کر حضرت حفصہؓ کے پاس خود بھیج دیں یا دوسروں کو کہہ دیں کہ میرے بعد یہ چیز حضرت حفصہؓ کے پاس بھیج دی جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ سے کبھی ایسے کام کی توقع نہیں کی جا سکتی جس کام کے کرنے کا کوئی حق نہ دینی حیثیت سے تھا اور نہ دنیاوی حیثیت سے۔

اتنی لمبی تحریر میں بتوفیقہ تعالےٰ سائلین کی تمام باتوں کا تشفی بخش جواب میں دے چکا ہوں۔ اب تشفی اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے کہ حضرات سائلین اتنی طویل گزارش سے مطمئن ہو جائیں گے اور طوالت تحریر کو معاف فرمائیں گے۔